علمی اعتقادی اور تاریخی
مقالات کا مجموعہ

مقالاتِ شرف قادری



علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

مرتب
محمد عبدالستار طاہر

مکتبۂ قادریہ ۰ لاہور

مقالات شرف قادری

مکتبہ قادریہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ---------------- مقالات شرف قادری

تحریر ---------------- شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

ترتیب وتصحیح ---------------- محمد عبدالستار طاہر مسعودی

حروف ساز ---------------- (۱) حافظ نثار احمد قادری

(۲) الحجاز کمپوزرز، اسلام پورہ لاہور فون=7154080

صفحات ---------------- ۵۸۴

طباعت ---------------- محرم الحرام ۱۴۲۸ھ، ۲۰۰۷ء

باہتمام ---------------- حافظ نثار احمد قادری

ناشر ---------------- مکتبہ قادریہ، لاہور

تعداد ---------------- ایک ہزار

قیمت ---------------- 225 روپے

تقسیم کار

مکتبہ قادریہ

محی الدین منزل، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

فون نمبر 7226193

مشمولات

انتساب

شہیدِ تحفظِ ناموسِ رسالت غازی محمد عامر عبدالرحمان چیمہ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

کے نام!

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر فدا ہو کر امر ہو گیا

برلن کے اخبار ''ڈاویلٹ'' نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکے شائع کر کے دہشت گردی کا ارتکاب کیا تو جرمنی میں مقیم محمد عامر شہید نے اس کے چیف ایڈیٹر کو چھری سے حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا، یہ مارچ 2006ء کی بات ہے، جرمن پولیس نے اس غازی کو گرفتار کر کے کورٹ میں پیش کئے بغیر تشدد کا نشانہ بنایا اور مئی کے پہلے ہفتے میں شہید کر دیا۔ 13 مئی بروز ہفتہ ان کا جسد خاکی ساروکی چیمہ، وزیر آباد میں لا کر سپردِ خاک کر دیا گیا، نماز جنازہ میں دو لاکھ سے زیادہ افراد نے شرکت کی۔ وہ اپنی تین بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔

شہید کی وصیت:

یہ تھی کہ مجھے جنت البقیع یا کسی ولی کی قبر کے پاس دفن کیا جائے۔

شہید کی والدہ کا بیان:

- میرے بیٹے نے اپنے سچے مسلمان اور عاشق رسول ہونے کا ثبوت دیا ہے۔
- حرمتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جان کی قربانی آخرت میں ہمیں سرخرو کرے گی۔
- مسلمان وہ ہے جس کی دوستی اور دشمنی سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔
- میرے بیٹے نے اپنی شہادت سے دوسروں کے لئے قابل تقلید مثال قائم کی ہے۔
- عامر چیمہ کی شہادت حرمت رسول کو (نعوذ باللہ) پامال کرنے والوں کی ناپاک جسارت کے خلاف پہلا پتھر ثابت ہوگی۔
- یورپ نے دیکھ لیا کہ فرزندانِ توحید حرمت رسول پر قربان ہونے کو اپنا اعزاز سمجھتے ہیں۔

ساروکی چیمہ کے باشندوں کا بیان:

ہمیں فخر ہے کہ ہمارے گاؤں کا رہنے والا نوجوان دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں پر بازی لے گیا۔

فقیر قادری ان کے والد پروفیسر محمد نذیر، والدہ محترمہ، بہنوں اور اعزہ کی خدمت میں عرض گزار ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صبر واجر عطا فرمائے اور امت مسلمہ میں ایسے مجاہدین کثرت سے پیدا فرمائے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری

نذرانۂ عقیدت بخدمت

محمد عامر عبدالرحمن چیمہ شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

جسٹس (ر) محمد الیاس

عامر خوش خصال، فرزانہ
شمعِ مرسل کا تھا وہ پروانہ
حُبّ میخانۂ رسول کا تھا
وہ بہت پُرخلوص مستانہ
شاتمِ مصطفیٰ پہ وہ جھپٹا تو
گرچہ تنہا تھا، ملک بیگانہ
عہدِ زنداں میں باوقار رہا
وہ حبیبِ خدا کا دیوانہ
بہرِ ناموسِ والئی طیبہ
کر دیا پیش جاں کا نذرانہ
خوش ہے اس سے خدا، نبی راضی
پایا جنت کا اُس نے پروانہ
خُلد کے میوے اس کی جھولی میں
آبِ کوثر کا لب پہ پیمانہ
مومنو! اس کی قبر پر تا حشر
مُشک چھڑکانا، پھول برسانا
عرض ہے والدین عامر سے
اس کی فرقت پہ صبر فرمانا
وہ ہیں طالع، جنہوں نے پالا تھا
ذرتِ اسلام کا وہ دُردانہ
اس کی عظمت کے سامنے الیاس
ہیچ ہے جاہ و حشم شاہانہ

(بشکریہ: نوائے وقت، لاہور مورخہ ۱۹ مئی ۲۰۰۶ء)

شہیدِ ناز

یہ مت کہنا کہ عامر مر گئے ہیں
شہیدِ ناز اپنے گھر گئے ہیں

یقیناً پائیں گے وہ سرفرازی
لئے ہاتھوں میں اپنا سر گئے ہیں

وہ خود تو پا گئے رفعت یقیناً
ہمارا قد بھی اونچا کر گئے ہیں

شہادت پائی ہے وہ پُرسعادت
کہ اک عالم کو زندہ کر گئے ہیں

کریں گے قربِ سرکار حاصل
کہ ڈگری عشق کی لے کر گئے ہیں

غلاموں نے دکھائی ایسی جرأت
کہ سب گستاخ آقا ﷺ ڈر گئے ہیں

دکھائی دے رہی ہے راہِ حق صاف
وہ اک قندیل روشن کر گئے ہیں

ہے کوئی راہ اُن کی چلنے والا
کہ سارے باحمیت مر گئے ہیں؟

خرد متدو وہی ہے مستند راہ
جدھر سے عاشقِ سرور ﷺ گئے ہیں

بھرا جائے گا دوزخ کو انہی سے
لہو سے ہاتھ جن کے بھر گئے ہیں

کہاں ہیں داعیانِ حق و انصاف
مجھے لگتا ہے شاید مر گئے ہیں

ستم کی انتہا ہے بے بسوں پر
حدِ اخلاق سے باہر گئے ہیں

حاصل تمنائی

زمین کو ناز ہے عشاقِ آقا ﷺ کی سعادت پر
فلک حیران ہے اس جذبۂ شوقِ شہادت پر

خود اپنا خون نچھاور کر دیا باغِ نبوت پر
کروڑوں رحمتیں، پروانۂ شمعِ رسالت پر

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اُن کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا؟

اھــــداء

شہداء میلاد مصطفیٰ نشتر پارک، کراچی

کے نام!

''جو ۱۲ ربیع الاول مطابق ۱۱ اپریل ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء کو میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشیاں مناتے ہوئے، عین حالت نماز میں جام شہادت نوش کر گئے، جن کی تعداد ساٹھ سے تجاوز کر گئی۔

اوران دو درجن شہید بہنوں کے نام جو اس حادثے سے دو روز پہلے ۹ اپریل کو فیضان مدینہ (کراچی) کے خواتین کے اجتماع میں بھگدڑ کی وجہ سے شہید ہو گئیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور زخمیوں کو جلد صحت عطا فرمائے۔ آمین!

خصوصاً:

1. حضرت مولانا علامہ مختار احمد قادری، جامعہ امجدیہ، کراچی
2. صاحبزادہ سید فرید الحسنین کاظمی
3. مولانا عبد الوحید بندیالوی
4. مولانا شاہد محمود، دار العلوم نعیمیہ، کراچی
5. حافظ محمد تقی، سابق رکن قومی اسمبلی
6. محمد عباس قادری، سربراہ سنی تحریک
7. افتخار احمد بھٹی، راہنما سنی تحریک
8. محمد اکرم قادری، راہنما سنی تحریک
9. حاجی محمد حنیف بلو، مذہبی راہنما، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

شرف قادری

مکتوب تعزیت

محترم ومکرم عزیزم نوید صاحب و برادران عزیز حفظکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اہل سنت وجماعت کے نامور عالم دین، جمعیۃ العلماء پاکستان اور جماعت اہل سنت کے ممتاز راہنما مولانا علامہ بشیر احمد سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح دن دیہاڑے، لاری اڈے کے پُرہجوم ماحول میں روشن خیال پاکستان میں شہید کر کے لوٹا گیا اس کے صدمے کو راقم جامۂ الفاظ نہیں پہنا سکتا۔ اس کا اندازہ اس بات سے کریں کہ فقیر نماز جنازہ میں شریک ہونے کے بعد لاہور پہنچا تو دوسرے دن ہی بلڈ پریشر لو ہو جانے کے سبب بیمار ہو گیا اور اب تک پوری طرح چل پھر نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو تمام متعلقین سمیت صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت علامہ کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔

بلکہ آپ کو چاہیے کہ آپ مجھ سے تعزیت کریں کیونکہ میرے ان کے ساتھ تقریباً نصف صدی کے مخلصانہ اور برادرانہ تعلقات تھے، جامعہ نظامیہ رضویہ میں ہم نہ صرف کلاس فیلو تھے، بلکہ ایک کمرے میں رہتے تھے، پھر وہ واں بھچراں حضرت مولانا محمد اللہ بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے اور راقم بندیال شریف حضرت استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی بندیالوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، پھر وہ بھی بندیال تشریف لے آئے، فراغت کے بعد راقم جامع مسجد اولیاء مصطفےٰ آباد (دھرم پورہ) میں امام و خطیب تھا تو وہ بھی مصطفےٰ آباد میں خطیب تھے، ۱۹۸۱ء میں جب راقم کو حرمین شریفین حاضر ہونے کی سعادت ملی تو مکہ معظمہ میں ان سے ملاقاتیں رہیں، اگست ۲۰۰۱ء میں حضرت پیر سید معروف حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی دعوت پر راقم برطانیہ گیا تو بریڈفورڈ اور اولڈہم میں بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں، جامعہ نظامیہ رضویہ شیخوپورہ میں رضا کارانہ فرائض

تدریس انجام دینے کے بعد کچھ قانونی پیچیدگیوں کی بنا پر واپس جانے سے پہلے بھی مجھے ملے اور اپنا پروگرام بتایا، اس وقت مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ان سے آخری ملاقات ہے۔

وہ بہترین اور ٹھوس قابلیت کے مالک مدرس تھے، برطانوی پونڈوں کی چمک دمک میں رہ کر بھی ان کا جذبۂ تدریس سرد نہیں ہوا تھا، اپنی اولاد کی طرح اپنے شاگردوں کو بھی علوم دینیہ سے مالا مال کرنے میں مصروف رہتے تھے، مولانا حاجی محمد ایوب صاحب ان سے درس نظامی پڑھنے کے بعد دورۂ حدیث کے لئے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور آئے تھے، وہ صرف اچھی قابلیت ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ علم کے شیدائی تھے۔

علامہ بشیر احمد سیالوی خوش بیان اور خوش گلو خطیب بھی تھے، تاہم خطابت ان پر حاوی نہیں ہو سکی تھی، اخلاص کے پیکر اور خوش اخلاقی کا مجسمہ تھے، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور/ شیخوپورہ اور خیر آباد (ڈھوک ڈھمن) حضرت استاذ گرامی مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی کے مزار شریف پر واقع مدرسہ، نیز دینہ اور کھوکھہ شریف کے مدارس کے ساتھ وہ حتی الامکان مالی تعاون کرتے رہے، بلاشبہ وہ شہید ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے: ''مَنْ قُتِلَ دُوْنَ ماله فهو شهيد'' جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن کے درجات جنت الفردوس میں بلند فرمائے، آپ کی والدہ صاحبہ، بہنوں، بھائیوں اور محترم چچا قاری محمد یوسف سیالوی اور ان کے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اور ان کے صاحبزادوں اور برادر محترم کو ان کا مشن جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

شریک غم

محمد عبد الحکیم شرف قادری

لاہور

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

۲۵ مئی ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتگو

از: محمد عبدالستار طاہر مسعودی

اللہ تعالیٰ جل شانہ العظیم اور اس کے حبیب اکرم حضور پُر نور، شافع یوم النشور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت دین اور ایمان کی بنیاد ہے۔ اسلام کی صحیح تعلیم، اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح عقیدہ اور قرآن مجید کی صحیح دعوت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وساطت ہی سے ہم تک پہنچی ہے۔ رب خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے والے رہتی دنیا تک آقا و مولیٰ محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس احسان عظیم سے سبکدوش نہیں ہو سکتے کہ آپ نے انہیں خالق و مالک سے روشناس کرایا۔

میرا پیام، محبت ہے جہاں تک پہنچے

شاعر نے یہ بات اپنے لئے کہی تھی، لیکن ظاہری و باطنی لحاظ سے یہ خوبصورت بات ہر سلیم الطبع شخصیت کے لیے کہی جا سکتی ہے ـــــ کم و بیش ۳۹ سال قال اللہ تعالیٰ اور قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نغمۂ جاں فزا جن کا ورد زباں رہا ـــــ بے شمار تشنگانِ علم جن کے ہم زباں رہے ـــــ اسلام جو کچھ اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے، توقع رکھتا ہے، ان تقاضوں، ان توقعات کے لیے جن کی اپنی ذات مثال ہے، ان کے وجود سے زندگی کے ہر طبقے کو محبت ملتی رہی اور مل رہی ہے، ان کی اپنائیت میں ہر کوئی خود کو محصور و مسحور سمجھتا ہے۔

محسن اہل سنت، فاضل لاہوری، محقق و مترجم، ممتاز دانشور، شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری برکاتی مدظلہ العالی کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ـــــ انہوں نے ایک طویل علمی سفر طے کیا ہے۔ وہ آج بھی شاہراہِ علم کے مسافر ہیں۔ اس مسافرت میں وہ جہاں جہاں سے گزرے ہیں، بستیاں بساتے چلے گئے ہیں۔

○—— جہانِ قرآن کریم ہو،

○—— اسوۂ حسنہ کی کائنات ہو،

○—— سیرت پاک کی رفعتیں ہوں،

○—— حدیث پاک کی وسعتیں ہوں،

رہوار شوق نے انہیں ہر گام پر ایک ذوق دیا ہے —— انہوں نے وسعت قلبی سے اس ذوق کو اپنے قاری و سامع تک پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ وہ عمر بھر اسی محبت واطاعت کا درس دیتے رہے جس کا ابتدائی سطور میں ذکر کیا گیا —— اور آج شہر شہر نگر نگر علم دین سے تھوڑا بہت شغف رکھنے والے اُن سے ناواقف و ناآشنا نہیں۔



زیر نظر مجموعہ ''مقالاتِ شرف'' ان کے مطالعے، مشاہدے اور تجربے کے اعتبار سے حاصل زندگی ہے —— ان کے پڑھنے والوں کے خیال میں ان کی دیگر تحریرات حرف آخر ہوں گی، مگر ان کے لیے یہ مجموعہ حاصلِ زندگی ہے —— زیر نظر مجموعہ میں دو تین طرح کے مقالات ہیں:

○—— جو کسی کانفرنس یا سیمینار میں پڑھے گئے،

○—— جو کسی کی تحریک پر لکھے گئے،

○—— جو از خود اس خیال سے لکھے گئے کہ انہیں اس موضوع پر بھی لکھنا چاہیے۔

چنانچہ حسب معمول انہوں نے جس موضوع پر لکھا، جم کے لکھا اور خوب لکھا۔ حق تو یہ ہے کہ لکھنے کا حق ادا کر دیا —— سامعین سے داد پائی، قارئین سے داد پائی —— اب یہ تمام مقالات مجموعی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ ان کی جامعیت، تحقیق انفرادیت آپ کو خود ان کا ہم آواز بنا دے گی۔ ع

میرا پیام محبت ہے جہاں تک پہنچے

اس مجموعہ کو موضوع کے اعتبار سے مختلف ابواب کے تحت لایا گیا ہے۔ اس سے مصنف کے مطالعہ کی وسعت، موضوع پر گرفت اور تحقیق کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ——— ان کے پڑھنے والے ان کے اندازِ تحریر کو خوب جانتے ہیں، اس حوالے سے گفتگو لا حاصل ہے۔



یہ احقر کی خوش نصیبی ہے کہ مجھے ان کے مقالات مرتب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، احقر اس لائق نہ تھا مگر ان کی شفقت و عنایت اور لطف و کرم نے اس لائق کر دیا۔

قبل ازیں احقر کو ان کی نگارشات کے مختلف مجموعے اور ان کے تذکرے مرتب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی:

(۱) محسنِ اہل سنت: مطبوعہ رضا دار الاشاعت، لاہور ۱۹۹۹ء
(۲) تذکار شرف ملت: مطبوعہ مکتبۂ قادریہ، لاہور ۱۹۹۹ء
(۳) معارف امام ابو حنیفہ: مطبوعہ بزم عاشقانِ مصطفیٰ، لاہور ۱۹۹۸ء
(۴) لمعات امام ربانی: مطبوعہ بزم عاشقانِ مصطفیٰ، لاہور ۱۹۹۸ء
(۵) مقالات رضویہ: مطبوعہ مکتبہ رضویہ، لاہور ۱۹۹۸ء
(۶) خلفاء امام احمد رضا: مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۹ء
(۷) مقدمات رضویہ: مطبوعہ مکتبہ رضویہ، لاہور ۲۰۰۰ء
(۸) مقالات رضویہ مع اضافات: مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی (زیر طبع)
(۹) خلفاء امام احمد رضا: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی (زیر طبع)
(۱۰) آئینہ شرف: تقدیمات، تقریظات و پیش لفظوں کا ضخیم مجموعہ

⑪ مکاتیب شرف: مشاہیر کے نام لکھے ہوئے ان کے مکاتیب کا مجموعہ (زیر تدوین)

⑫ مشاہیر بنام شرف قادری (زیر تدوین)

⑬ چند فتاویٰ شرف (زیر تدوین)

ع گر قبول اُفتد زہے عز و شرف!

اس مجموعے کے آخر میں مصنف کا سوانحی تعارف بھی آپ کی ضیافت طبع کے لیے شامل ہے۔ مولائے کریم اس مجموعہ ''مقالات شرف'' کو ہم سب کے لئے ضیافتِ روح کا سامان بنائے۔ ہمارے قلوب کو عشقِ الٰہی اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لبریز فرمائے ——— ان مقالات کی نگارش سے طباعت تک شامل تمام مخلصین کی مساعی جمیلہ کو قبول ومنظور فرمائے اور ہمیں اپنے شکر گزار اور اپنے محبوبوں کے اطاعت گزاروں میں رکھے، اور اُٹھائے۔ آمین! بجاہ سید المرسلین والحمدللہ رب العالمین

نا کارۂ خلائق

محمد عبد الستار طاہر مسعودی عفی عنہ

E-III/A ۔ پیر کالونی، مین روڈ، والٹن

لاہور کینٹ ۔ ۵۴۸۱۰

۱۷ ر شوال المکرم ۱۴۲۵ھ

۳۰ رنومبر ۲۰۰۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مُدّعا

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدالانبیاء

والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

راقم کا طویل عرصہ سے قلم وقرطاس کے ساتھ تعلق ہے، پہلی تحریر ''احسن الکلام فی مسئلۃ القیام'' کے نام سے ۱۹۶۸ء میں ہری پور سے شائع ہوئی تھی، اس کے بعد کچھ چھوٹی بڑی کتابیں (سات درجن سے زیادہ) مختلف ناموں سے شائع ہوئیں اور کچھ بکھرے ہوئے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ مقالات تھے جنہیں یکجا کیا گیا تو چند چھوٹی بڑی کتابیں تیار ہوگئیں، فالحمدللّٰہ علی ذلک، ان ہی میں سے یہ مجموعہ مقالات ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اُن تیار ہونے والی کتابوں کے نام یہ ہیں:

(۱) مقالات سیرت طیبہ: صفحات (۲۶۴) اشاعت بارسوم ۲۰۰۶ء مکتبہ قادریہ، لاہور

(۲) نور نور چہرے: صفحات (۴۰۰) مطبوعہ ۱۹۹۷ء، مکتبہ قادریہ، لاہور

(۳) معارف امام ابوحنیفہ: صفحات (۴۷) مطبوعہ ۱۹۹۸ء بزم عاشقانِ مصطفیٰ، لاہور

(۴) لمعات امام ربانی: صفحات (۴۷) مطبوعہ ۱۹۹۸ء بزم عاشقانِ مصطفیٰ، لاہور

(۵) مقالات رضویہ: صفحات (۱۳۶) مطبوعہ ۱۹۹۸ء میں الممتاز پبلی کیشنز، لاہور

(۶) خلفائے امام احمد رضا: صفحات (۱۳۶) مطبوعہ ۱۹۹۹ء میں رضا اکیڈمی، لاہور

(۷) عظمتوں کے پاسبان: صفحات (۴۳۶) مطبوعہ ۲۰۰۰ء الممتاز پبلی کیشنز، لاہور

(۸) مقدماتِ رضویہ: امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی تصانیف یا ان سے متعلق کتب پر لکھے ہوئے مقدمات کا مجموعہ، صفحات پونے چار سو، (منتظر اشاعت)

(۹) رفعتوں کے آسمان: (منتظر اشاعت)

(۱۰) مقالاتِ شرف: یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

فقیر قادری اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کرے کم ہے کہ اس کریم نے اس حقیر کی تحریرات کو ضائع ہونے سے بچالیا اور انہیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر قارئین تک پہنچنے کا موقع عطا فرمایا، میں بجاطور پر سمجھتا ہوں کہ یہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہِ عنایت کا صدقہ ہے، ورنہ ایسی کتابوں کی تعداد کم نہیں ہے جو روزِ اول کی طرح آج بھی منتظر اشاعت ہیں۔

یہ حضرت استاذ گرامی ملک المدرسین مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی قدس سرہٗ کا فیض بھی ہے، کیونکہ جن دنوں راقم ان کی خدمت میں جامعہ امدادیہ مظہریہ، بندیال شریف میں اکتسابِ فیض کر رہا تھا تو دوسرے احباب کی طرح راقم بھی آپ کی کچھ تقریرات کو ضبط تحریر میں لایا کرتا تھا، الحمدللہ! اُس وقت سے تحریر کا سلسلہ ایسا چلا کہ آج بھی جاری ہے۔

راقم نے ۱۹۶۷ء میں لاہور میں مکتبہ رضویہ اور ہری پور میں مکتبہ قادریہ قائم کیا جو آج بھی کچھ نہ کچھ اشاعت کا کام کر رہے ہیں اور ان اداروں کی برکت ہے کہ راقم کی کوئی تصنیف یا تالیف اشاعت سے محروم نہیں رہی۔ اس سے آپ مکتبے کی اہمیت وضرورت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

میری نوجوان علماء سے گزارش ہے کہ وہ وقت کی قدر کریں اور جو کچھ لکھ سکتے ہیں اس کا آغاز آج ہی کر دیں، ورنہ وقت کے پہیئے کی رفتار اتنی تیز ہے کہ وہ کسی کا انتظار نہیں کرتی، اس کے ساتھ ہی یہ گزارش بھی کروں گا کہ وہ حالاتِ حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق نئے نئے عنوانات پر خامہ فرسائی کریں اور جن موضوعات پر اس سے پہلے علماء لکھ چکے ہیں ان پر قلم نہ اُٹھائیں، بلکہ ان ہی تصانیف کو دوبارہ، سہ بارہ شائع کرتے رہیں۔

دوسری گزارش ملت کے نوجوانوں اور اربابِ ثروت سے ہے کہ وہ جگہ جگہ مکتبے اور لائبریریاں قائم کریں، کیونکہ یہ صرف معاشی طور پر نہیں بلکہ دینی اعتبار سے بھی بہترین کاروبار ہے، اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ ہمارے جن علماء کی تصانیف شائع نہیں ہوسکیں ان

کی اشاعت کا اہتمام ہو سکے گا، دوسرا یہ کہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوگی اور عصر حاضر کی ضروریات کے مطابق نیا لٹریچر بھی تیار کروایا جا سکے گا۔

پیشِ نظر کتاب میں ابتداءً یہ خیال تھا کہ جو مقالات مختلف کانفرنسوں اور اجتماعات میں پڑھے گئے تھے، انہیں یکجا کر دیا جائے، لیکن ان میں سے بعض مقالات، معارف امام ابوحنیفہ، لمعات امام ربانی اور مقالات رضویہ میں شائع ہو چکے ہیں، ضخامت کے بڑھ جانے کے خیال سے انہیں اس مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا، البتہ اس میں بعض ایسے مضامین شامل کر دئے گئے ہیں جو کسی کانفرنس کے لئے نہیں لکھے گئے تھے، مقصد یہی ہے کہ وہ ضائع ہونے سے بچ جائیں۔

اب یہ تو قارئین کرام ہی بتائیں گے کہ یہ مجموعہ مقالات کہاں تک مفید ہے؟

ان مقالات کے جمع کرنے اور مرتب کرنے پھر پروف ریڈنگ میں محترم محمد عبدالستار طاہر مسعودی زید مجدہٗ نے بڑی محنت کی، کمپوزنگ میں سید سعید حسن شاہ زیدی مدظلہ نے اپنی توانائیاں صرف کیں، علامہ محمد اسلم شہزاد زید لطفہ ڈائریکٹر جنرل سلطان باہو ٹرسٹ کا تعاون بھی شامل رہا، اشاعت وطباعت کی تمام تر ذمہ داری عزیزم حافظ نثار احمد قادری نے اُٹھائی اور اس سلسلے میں خاصی محنت کی، ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری ہیڈ شعبۂ اسلامیات دی فیصل آباد یونیورسٹی، فیصل آباد اور فاضل نوجوان مشتاق احمد ضیاء متعلم ایم۔اے شعبۂ تقابل ادیان، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے مشورے اور دعائیں شامل رہیں، اس طرح یہ مجموعہ چھپ کر آپ کے بابرکت ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان صاحبان کو اور ہر تعاون کرنے والے کو جزائے خیر عطا فرمائے اور امتِ مسلمہ کو آفات و بلیات سے محفوظ و مامون فرمائے۔

مولانا محمد عبدالستار طاہر مسعودی حفظہ اللہ تعالیٰ معروف معنوں میں ''مولانا'' نہیں ہیں، انہوں نے ایف ایس سی تک تعلیم حاصل کی اور کسبِ معاش میں مصروف ہو گئے، اور

ممکن تھا کہ وہ اسی شغل میں مستغرق ہو کر رہ جاتے، خوش قسمتی سے انہیں اور ملک محمد سعید مجاہد آبادی کو پیر طریقت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دامت برکاتہم العالیہ کے دست اقدس پر بیعت ہونے کا شرف حاصل ہو گیا، اس نسبت نے ان عام سے نوجوانوں کی کایا پلٹ دی۔ ملک محمد سعید احمد مجاہد آبادی نے ''مظہر اسلام، لاہور'' کے نام سے ادارہ قائم کیا جس کی طرف سے روح پرور اور ایمان افروز لٹریچر شائع کر کے ملک بھر میں تقسیم کر رہے ہیں۔

طاہر صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے بکھرے ہوئے مقالات اور مضامین قابل قدر سلیقے کے ساتھ جمع کئے جن میں سے سولہ مجموعے چھپ چکے ہیں اور اتنے ہی منتظر اشاعت ہیں، ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں پانچ کتابیں تیار کر چکے ہیں جو چھپ چکی ہیں، پانچ چھ مقالات مولانا علامہ محمد عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق لکھ چکے ہیں، خود راقم کے بارے میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کے ایماء پر دو کتابیں ''محسن اہل سنت'' اور ''تذکار شرف'' لکھ چکے ہیں، اس کے علاوہ راقم سے متعلق آٹھ دس مجموعے مرتب کر چکے ہیں جن میں سے کچھ چھپ چکے ہیں، ہمارے نوجوان فضلاء کو چاہیے کہ کام کرنے اور وقت کی قدر کرنے کا ڈھنگ ان سے سیکھیں، سچی بات یہ ہے کہ ان کا کام حیران کن ہے، اللہ تعالیٰ ایسے نوجوان کثرت سے پیدا فرمائے، آج کل تاج کمپنی، لاہور کے مرکزی آفس میں کام کر رہے ہیں۔

آج ڈنمارک اور بعض ممالک کے اخبارات میں خاکوں کی اشاعت نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو سراپا رنج والم بنا رکھا ہے، دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور دوسرے تمام انبیاء کرام علیہم السلام لائق تعظیم ہی نہیں، بلکہ ان کی تعظیم فرض ہے، کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کی توہین کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا، اس کے

باوجود ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت اسلام کو دہشت گردی کا دین کہا جارہا ہے۔

دنیا سے دہشت گردی ختم کرنے اور بین الاقوامی سطح پر امن قائم کرنے کے دعویدار امریکہ سمیت مغربی ممالک کے دانشور اگر ایک لمحے کے لئے ٹھنڈے دل سے غور کریں تو یہ حقیقت کھل کر ان کے سامنے آجائے گی کہ افغانستان اور عراق میں لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار کر، قرآن پاک کے اوراق کی بے حرمتی کر کے اور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے خاکے اخبارات میں شائع کر کے ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں کے دل چھلنی کر کے آپ خود دہشت گردی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور اس طرح آپ کبھی بھی دہشت گردی کا خاتمہ نہیں کر سکیں گے، بلکہ ان لوگوں کی تعداد میں ہوش ربا اضافہ ہو جائے گا جنہیں آپ دہشت گرد کہتے ہیں، آپ کو تہذیبوں کے تصادم سے گریز کرنا چاہیے اور دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے لئے ان اسباب کا ازالہ کرنا چاہیے جن کی بنا پر کوئی شخص مرنے اور مارنے پر آمادہ ہو سکتا ہے، یاد رکھئے:

دل را بہ دل رہیست دریں گنبد سپہر

از کینہ سوئے کینہ واز مہر سوئے مہر

یعنی ''دشمنی سے دشمنی فروغ پاتی ہے اور محبت سے محبت جنم لیتی ہے۔''

خادمِ دینِ متین

محمد عبدالحکیم شرف قادری عفی عنہ

لالہ زار کالونی، لاہور

۳۰ محرم ۱۴۲۷ھ

یکم مارچ ۲۰۰۶ء

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے

تحریر: علامہ تاج محمد خان ازہری

یہ ایک حقیقت ہے کہ علم نور ہے، اس کی افادیت اور تابانی میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب علم کے ساتھ عمل اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی اور انکساری بھی پائی جائے، اور جو شخص ان خوبیوں کا حامل ہو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیاب ترین شخص ہوتا ہے، زمانۂ ماضی کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا جو ان فضائل کی حامل مثالی شخصیات سے خالی رہا ہو۔

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کے بارے میں صرف راقم کی رائے نہیں، بلکہ بہت سی علمی شخصیات کی بھی یہ رائے ہے کہ وہ بھی اُن مثالی شخصیات میں سے ایک ہیں، کیونکہ دینی علوم کی تدریس کے حوالے سے ان کا علم، ان کی پرہیزگاری اور اسلامی اور عربی ثقافت کی اشاعت میں ان کی کوششیں محتاجِ تعارف نہیں ہیں، انہوں نے پاکستان کے مختلف علاقوں میں تیس سال سے زیادہ عرصہ (تقریباً ۳۹ سال) تک اسلامی اور عربی علوم کی تدریس کے فرائض انجام دیے ہیں، انہوں نے اس عرصے میں تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، ادب عربی، زبان فارسی (اور دیگر علوم) کا درس دیا، علاوہ ازیں انہوں نے عربی، فارسی اور اردو زبان میں اپنی قیمتی تصانیف کے ذریعے عربی لائبریریوں کو مالا مال کیا ہے، ان کی تصانیف میانہ روی اور اعتدال کا بہترین نمونہ ہیں، نیز انہوں نے بعض عربی اور فارسی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کی تصانیف اور تالیفات ہندوستان، بنگلہ دیش اور پاکستان کے علمی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔

ہمارے استاذ نے طویل عرصہ حدیث نبوی کی تدریس میں گزارا ہے، ہندوستان،

پاکستان اور دنیائے عرب کے علماء سے علوم اسلامیہ اور خاص طور پر حدیث نبوی شریف کی متعدد (ستر سے زیادہ) سندیں اور اجازتیں حاصل کی ہیں، ان کی سندیں:

''الجواهر الغالية من الاسانيد العالية''

میں مذکور ہیں، حضرت استاذ — حفظہ اللہ تعالیٰ — جب ہندوستان آئے تو راقم نے بھی اُن سے اجازت حاصل کی تھی، ان کی سند درج ذیل چار واسطوں سے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک پہنچتی ہے:

> وہ اپنے شیخ علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری سے روایت کرتے ہیں، وہ امام احمد رضا خاں سے، وہ اپنے شیخ شاہ آل رسول مارہروی سے، وہ امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے، اور وہ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے (رحمہم اللہ تعالیٰ)

ہمارے استاذ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری ۲۴ رشعبان ۱۳۶۳ھ موافق ۱۳ر اگست ۱۹۴۴ء کو پیدا ہوئے، دیندار گھرانے میں پرورش پائی اور درج ذیل اساتذہ سے اکتساب علم کیا:

(۱) علامہ عطا محمد بندیالوی (رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۲) محدث جلیل علامہ محمد سردار احمد چشتی قادری (رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۳) علامہ غلام رسول رضوی (رحمہ اللہ تعالیٰ)

(۴) علامہ محمد اشرف سیالوی (دامت برکاتہم العالیہ)

(۵) علامہ مفتی محمد عبدالقیوم قادری (رحمہ اللہ تعالیٰ) — اور ان کے علاوہ جلیل القدر علماء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء میں تحصیل علوم سے فارغ ہوئے اور اس وقت سے ان کے علمی فیضان کا سلسلہ تدریس، وعظ، علمی اور تاریخی تصانیف کے ذریعے جاری ہے، اور اس

فیضان کا دریا اسلامی اور عربی ثقافت کی خدمت میں اب تک جاری و ساری ہے۔

ہمارے جلیل القدر استاذ کعبۂ علوم اور اسلامی ثقافت کے مینار، جامعہ از ہر شریف کو بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کی اہمیت کے پوری طرح معترف ہیں، اسی لئے انہوں نے ۱۹۹۹ء میں مصر کا دورہ کیا اور اس دورے کی روئداد اپنی کتاب ''تکریم ثلاثة من علماء مصر الازهر'' میں بیان کی۔

وہ اس کتاب میں لکھتے ہیں:

''میں سید وجاہت رسول قادری کی معیت میں عالمِ اسلام کی قدیم ترین اور عظیم یونیورسٹی جامعہ از ہر شریف میں حاضر ہوا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے اس مضبوط ترین قلعے کو قیامت تک شاد و آباد رکھے۔ ہمیں اس کے بارے میں بڑی اچھی اطلاعات ملتی رہتی تھیں، جو ہمارے دلوں کو فرحت و انبساط سے مالا مال کر دیتی تھیں، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جامعہ از ہر شریف میانہ روی اور اعتدال پسندی کا حامل ہے اور اس انتہا پسندی کو پسند نہیں کرتا، جس نے ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور مختلف طبقوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مسلمانوں کو اتحاد عطا فرمائے اور ہمارے فائدے کے لئے جامع از ہر اور جامعہ از ہر میں برکتیں عطا فرمائے۔''

حضرت علامہ نے دورۂ مصر کے مقاصد کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمیں جامعہ از ہر شریف اور اس کے علماء خصوصاً شیخ الازہر ڈاکٹر محمد سید طنطاوی کی ملاقات کا شوق تھا۔''

جب وہ قاہرہ آئے تو انہوں نے از ہر شریف کے متعدد علماء، خصوصاً جناب شیخ الازہر سے ملاقات کی بعض ادباء سے بھی ملاقات کی، ان ملاقاتوں سے ہمارے جلیل القدر استاذ

بڑے محظوظ اور مسرور ہوئے۔ یہ تو ایک پہلو تھا۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ یہاں کے علماء ومشائخ نے بھی ان کی عزت افزائی میں کمی نہیں کی، بعض علماء اور فضلاء نے ان کے بارے میں جو کلمات کہے ان میں سے چند ایک بطور مثال پیش کیے جاتے ہیں۔

❶ حضرت پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الدین کردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک ملاقات کے بعد فرمایا:

''ان کی پیشانی علم اور تقویٰ کے نور سے منور ہے۔''

❷ کلیۃ الدراسات الاسلامیہ والعربیۃ جامعہ ازہر شریف کے ادب اور تنقید کے استاذ، ڈاکٹر رزق مرسی ابوالعباس نے ہمارے استاذ جلیل کے سامنے اپنے احساسات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری ۶ رستمبر ۱۹۹۹ء کو زندگی میں پہلی مرتبہ قاہرہ آئے تو میں نے گرم جوش ملاقات سے محسوس کیا کہ میں انہیں بہت سالوں سے جانتا ہوں، اگر میں ان سالوں کی تعداد بیان کروں جو مجھے بوڑھا ثابت کردے (اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے) تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا، جب میں پہلی دفعہ ان سے ملا اور ہم ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے تو مجھے محسوس ہوا کہ ہم ایک دوسرے کو بڑے طویل عرصے سے جانتے ہیں۔''

❸ جامعہ ازہر شریف میں اردو زبان اور اس کے آداب کے استاذ ڈاکٹر حازم محمد احمد محفوظ نے ان کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا:

''علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، انہوں نے کئی عربی اور فارسی کتابوں کے ترجمے اردو میں کیے ہیں، وہ پاکستان

بھر میں مشہور، مسلک اہل سنت کے ''جامعہ نظامیہ رضویہ'' لاہور میں شیخ
الحدیث ہیں، وہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے بولنے اور لکھنے پر
قدرت رکھتے ہیں۔''

ہم نے اپنے جلیل القدر استاذ کے بارے میں تین مصری اساتذہ کی آراء پر اکتفا کیا ہے اور اگر ہم ہندو پاک کے اساتذہ اور اہل علم کی آراء کا بھی تذکرہ کرنا چاہیں تو یہ مقالہ ان کے لئے ناکافی ہے۔ مختصر طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے جلیل القدر استاذ، بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے علماء و مشائخ میں سے ایک ہیں اور ان علماء میں سے ہیں جو میانہ روی اور اعتدال کی راہ پر سختی کے ساتھ قائم ہیں، انہوں نے اپنے شاگردوں، تصانیف اور عربی و فارسی کتب کے اردو تراجم کے ذریعے دعوت وارشاد کے میدان میں بھرپور حصہ لیا ہے، ناسازیٔ صحت کے باوجود ان کا فیض جاری و ساری ہے، اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ ان کا سایہ دراز فرمائے اور ان جیسے علماء بکثرت پیدا فرمائے۔[1]

---

(۱) اردو ترجمہ ہفت روزہ ''صوت الازہر''، جامعہ ازہر، قاہرہ مصر شمارہ یکم ذوالحجہ ۱۴۲۴ھ / موافق ۲۳ رجنوری ۲۰۰۴ء

قرآن کریم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر کے بارے میں چند ضروری باتیں

الحمدللہ الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا والصلاۃ والسلام علی سیدنا ومولانامحمد الذی بعثہ مبیّناللقرآن ومفسرا وجعلہ بشیرا للناس ونذیرا وعلی آلہ وأصحابہ الذین نقلوا إلینا القرآن والحدیث وکشفوہ تأویلاوتفسیرا۔

اللّٰھم یارب البیت الحرام والشھرالحرام والمشعرالحرام والرکن والمقام قرء روح سیدناومولانامحمدمناالصلاۃ والسلام۔

مقدمہ

کسی بھی فن کے شروع کرنے سے پہلے دس امور جاننے ضروری ہیں:۔

❶ **نام**: علم التفسیر،تفسیر ماخوذ ہے فَسر' سے جس کا معنی کشف اور کھولنا ہے۔

❷ **تعریف**: ان اصول کے جاننے کا نام ہے،جن کے ذریعے انسانی طاقت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے کلام کے معانی جانے جاسکیں۔

❸ **موضوع**: قرآن کریم کی آیات اس اعتبار سے ہیں کہ ان کے معانی سمجھے جائیں۔

❹ **واضع**: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک کے وہ علماء جنہیں رسوخ فی العلم اور علمی پختگی حاصل ہوئی ہے،جیسے کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے گواہی دی۔

❺ **استفادہ**: یہ علم قرآن پاک،سنت مبارکہ،آثار صحابہؓ وتابعین اور خالص عرب فصحاء سے مستفاد ہے۔

❻ **حکم**: [illegible] فرض کفایہ ہے۔

⑦ **مسائل**: وہ قضایا (اور جملے) ہیں امر، نہی اور نصیحت وغیرہ کے اعتبار سے۔

⑧ **مقام**: یہ علوم شرعیہ میں سے افضل اور ان کی بنیاد ہے۔

⑨ **فائدہ**: اللہ تعالیٰ کے کلام کے معانی کی اعلیٰ اور اکمل طریقے پر معرفت۔

⑩ **غرض وغایت**: دونوں جہانوں کی سعادت حاصل کرنا، دنیا میں اس طرح کہ جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے وہ کام کئے جائیں اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے اجتناب کیا جائے اور آخرت میں جنت اور اس کی نعمتیں حاصل ہوں، چنانچہ قرآن پاک کے عالم اور اس کے احکام پر عمل کرنے والے کو کہا جائے گا: پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ (تفسیر صاوی)

فائدہ جلیلہ:

قرآن پاک مجموعی طور پر لیلۃ القدر میں پہلے آسمان پر واقع بیت العزت میں اسی ترتیب کے ساتھ اُتارا گیا جس طرح ہم پڑھتے ہیں، پھر مختلف واقعات کے مطابق ۲۳ سال میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتارا گیا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (۲۵/۳۳)

''اور یہ لوگ آپ کے پاس کوئی کہاوت نہیں لائیں گے مگر ہم آپ کے پاس حق اور بہترین بیان لائیں گے۔''

لیکن قرآن پاک کے نازل ہونے میں یہ ترتیب نہیں تھی، تحقیق یہ ہے کہ تراسی سورتیں مکہ مکرمہ میں یعنی ہجرت سے پہلے اور اکتیس سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔

مکہ معظّمہ میں سب سے پہلے سورۂ اِقْــرَءْ نازل ہوئی اور آخری سورت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں (۱) سورۂ عنکبوت (۲) مؤمنون (۳) ویل للمطففین۔ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے سورۂ بقرہ اور آخر میں سورۂ مائدہ نازل ہوئی، سورۂ فاتحہ میں اختلاف ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی، ہوسکتا ہے دونوں جگہ نازل ہوئی ہو۔ سب

سے پہلے نازل ہونے والی آیت اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰه ہے۔

حروف، کلمات اور آیات کی تعداد:

قرآن پاک کے حروف کی تعداد دس لاکھ پچیس ہزار ہے، جنت کے زینے بھی اتنے ہی ہیں، ہر دو زینوں کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، آیات کی تعداد ٦٦٦٦ ہے، کلمات کی تعداد ٧٧٤٥٠ ہے، آیات کے اعتبار سے قرآن پاک کا نصف، سورۃ الشعراء کی یہ آیت ہے فَاَلْقٰی مُوْسٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِکُوْنَ ،حروف کے اعتبار سے نصف اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا نُّکْرًا ''نون پہلے نصف میں اور کاف دوسرے نصف میں شامل ہے، سورتوں کے اعتبار سے سورۃ الحدید پہلے نصف میں ہے اور سورۃ المجادلة دوسرے نصف میں ہے۔

سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیان کردہ ہے۔ سورتوں کے نام صحابۂ کرام سے استفادہ کر کے حجاج بن یوسف نے رکھے، اسی نے تین، چار، دس حصوں اور اجزاء واحزاب کی طرف تقسیم اپنے اجتہاد سے کی، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ بعض اوقات ربع کی ابتدا قصے کے درمیان سے ہے۔

(تفسیر صاوی)

اعجاز قرآن

قرآن پاک زندہ و پائندہ اور لافانی معجزہ ہے، دنیا بھر کے فصیح و بلیغ انسانوں اور جنوں کو چیلنج کیا گیا کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام تسلیم کرلو، بصورت دیگر اس کی مثال پیش کرو، تاریخ شاہد ہے کہ دنیائے کفر اس چیلنج کو قبول کرنے سے قاصر رہی، اعجاز قرآن کی معرفت اس لئے ضروری ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ نے سرکارِ دوعالم ﷺ کو بے شمار معجزات عطا فرمائے، جو آپ کی نبوت کی دلیل ہیں، لیکن وہ خاص اوقات اور حالات میں خاص اشخاص کے سامنے ظاہر کئے گئے، ان میں سے بعض تواتر کے ساتھ نقل کئے گئے اور بعض خبر واحد کے ساتھ، لیکن قرآن پاک ایسا عام معجزہ ہے جو تمام انسانوں اور جنوں کے لئے چیلنج ہے، اور زمانۂ نزول سے قیامت تک کے لئے یکساں طور پر دلیل اور معجزہ ہے۔ اور آج بھی ہمارے پاس موجود اور محفوظ ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اعجاز کا معنی یہ ہے کہ: ''کلام کا مرتبہ اتنا بلند ہو کہ اس کا مقابلہ کرنا اور اس کی مثل لانا ممکن نہ ہو'' قرآن پاک کے معجزہ ہونے پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ کس اعتبار سے معجزہ ہے؟ اس سلسلے میں چند اقوال ہیں:

(۱) بلاغت کی بناء پر۔

(۲) امور غیبیہ کی خبر دینے کے اعتبار سے۔

(۳) منفرد اسلوب کی بناء پر۔

(۴) اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ عقلوں کو اس کا مقابلہ کرنے سے روک دیتا ہے۔[۱]

آخری قول کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پاک معجزہ تو نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ عقلوں

---

(۱) التلویح، طبع دہلی، ص ۱۹

کو اس کی مثل لانے سے روک دیتا ہے، تلویح کے محشی کہتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کا قائل اندر سے ملحد ہے، نعوذ باللّٰہ تعالٰی منه

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نظام (معتزلی) کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عربوں کو مقابلہ کرنے سے روک دیا اور ان کی عقلوں کو سلب کر لیا۔ یہ قول کئی وجہ سے غلط ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ (۱۷/۸۸)

''اے حبیب! فرما دیجئے اگر انسان اور جن جمع ہو جائیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور جن قادر الکلام ہونے کے باوجود مقابلے سے عاجز تھے، اگر ان کی قدرت سلب کر لی جاتی تو مقابلہ کرنے کے لئے ان کے جمع ہونے کا کیا فائدہ ہوتا؟ ان کی حیثیت تو مُردوں جیسی ہوتی اور مُردوں کی عاجزی کے ذکر کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔

(۲) اس بات پر اجماع ہے کہ اعجاز قرآن پاک کی صفت ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے ان سے مقابلہ کرنے کی طاقت سلب کر لی تھی تو عاجز کر دینا اللہ تعالیٰ کی صفت ہو گی نہ کہ قرآن پاک کی۔

(۳) اس قول سے لازم آئے گا کہ جب چیلنج کا زمانہ گزر جائے (اور نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے رحلت فرما جائیں) تو قرآن پاک معجزہ نہ رہے، حالانکہ امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک عظیم معجزہ باقی ہے اور وہ صرف قرآن کریم ہے۔

(۴) قاضی ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر مقابلہ ممکن ہو اور اس لئے نہ کیا گیا ہو کہ انسانوں کی قدرت سلب کی لی گئی تھی، تو لازم آئے گا کہ قرآن پاک فی نفسہ معجزہ نہ ہو، بلکہ اس لئے معجزہ ہو کہ مقابلے کی قوت سلب کر لی گئی تھی، اس صورت میں قرآن پاک کو فی نفسہ دوسرے کلام پر فضیلت نہیں رہے گی (بلکہ کسی بھی کلام کے مقابلے سے روک دیا

جائے تو وہ بھی معجز ہو جائے گا)(۱)

امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں کئی طرح سے اعجاز پایا جاتا ہے، ضبط کی خاطر اسے چار قسموں میں بیان کیا جا سکتا ہے:

(۱) قرآن پاک میں کلمات کو حسین ترین طریقے سے جمع کیا گیا ہے، اس کی فصاحت، ایجاز (اختصار) کے طریقے اور بلاغت عربوں کی عادت سے یکسر مختلف ہیں، حالانکہ عرب گفتگو کے شہسوار تھے، اور انہیں اپنی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا۔

(۲) قرآن پاک کا عجیب نظم اور منفرد اسلوب عربوں کے اسلوبِ کلام سے بالکل مختلف ہے، اس کے کلمات کی ترتیب اور نثر کو دیکھیں، اس کی آیات کے اواخر اور فواصل کو دیکھیں، اس کی نظیر نہ اس سے پہلے پائی گئی اور نہ بعد، حقیقت یہ ہے کہ اس کا ایجاز، اس کی بلاغت اور اس کا منفرد اسلوب ہر ایک اعجاز ہے۔

(۳) یہ غیب کی خبروں پر مشتمل ہے، اور جو چیز موجود نہیں تھی وہ اس کے بیان کے مطابق ہی پائی گئی۔

(۴) قرآن پاک نے گزشتہ زمانوں، ہلاک ہونے والی قوموں اور سابقہ شریعتوں کی خبر دی اور ایسے واقعات بیان کئے جن میں سے ایک آدھ کا علم اہل کتاب کے علماء میں سے کسی کسی کو حاصل تھا، جس نے تمام عمر علم کے حاصل کرنے میں صرف کی تھی، نبی اکرم ﷺ نے یہ واقعات تفصیل اور صراحت کے ساتھ بیان کئے، حالانکہ آپ اُمّی تھے نہ لکھتے تھے اور نہ لکھا ہوا پڑھتے تھے۔

ان کے علاوہ چند وجوہ درج ذیل ہیں:

(۵) قرآن پاک میں ایسی آیات بھی آئی ہیں جن میں کچھ لوگوں کے بارے میں بیان کیا گیا کہ یہ فلاں کام نہیں کریں گے، چنانچہ انہوں نے وہ کام نہیں کیا مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو حکم دیا:

---

(۱) الاتقان، طبع مصر ج ۲، ص ۱۱۸

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا (الآیۃ)

تم موت کی آرزو کرو اگر سچے ہو اور وہ ہرگز موت کی آرزو نہیں کریں گے ــــــ

چنانچہ ان میں سے کسی نے بھی موت کی آرزو نہیں کی۔ (حالانکہ اس آرزو کا اظہار کرنے کے لئے صرف چند کلمات زبان سے ادا کرنے تھے، مگر انہیں اس بات کی جرأت نہ ہو سکی) یہ وجہ تیسری وجہ میں داخل ہے۔

(۶) اس کے پڑھنے سننے والوں پر رعب کا طاری ہونا، کئی لوگ اس کی آیات مبارکہ سن کر اسلام لے آئے، جیسے حضرت جبیر بن مُطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا تو فرماتے ہیں کہ جب آپ اس آیت پر پہنچے: "اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ (سے اَلْمُسَيْطِرُوْنَ تک) تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ میرا دل پرواز کر جائے گا۔ اور یہ پہلا موقع تھا جب اسلام میرے دل میں اُتر گیا۔ کئی لوگ تو اس کی آیات مبارکہ سن کر دنیا ہی سے رخصت ہو گئے۔

(۷) یہ اللہ تعالیٰ کی رہتی دنیا تک باقی رہنے والی نشانی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

(۸) اس کے پڑھنے اور سننے والا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا، بلکہ جس قدر اس کی تلاوت زیادہ کی جائے، اتنا ہی اس کی مٹھاس اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے، جب کہ دوسرا کلام بار بار سننے سے آدمی اکتاہٹ محسوس کرنے لگتا ہے، اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے قرآن پاک کے بارے میں فرمایا کہ: "زیادہ پڑھنے سے پرانا نہیں ہوتا۔"

(۹) یہ اتنے علوم و معارف کا جامع ہے کہ کوئی کتاب اتنی جامع نہیں ہے۔ قرآن پاک چند حروف اور کلمات میں جتنے علوم کا احاطہ کرتا ہے مخلوق میں سے کوئی نہیں کر سکتا، یہ وجہ قرآن پاک کی بلاغت میں داخل ہے۔ (۱)

---

(۱) الاتقان: ۲/ ۱۲۳

علامہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ''البرہان'' میں متعدد وجوہ اعجاز بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں، محققین کہتے ہیں کہ قرآن پاک کا اعجاز ان تمام وجوہ کی بناء پر ہے، ہر ایک وجہ کی بناء پر نہیں ہے، کیونکہ قرآن پاک ان سب کا جامع ہے، اس لئے اعجاز کی نسبت کسی ایک وجہ کی طرف نہیں کرنی چاہیے، قرآن پاک صرف ان وجوہ کا نہیں ان کے علاوہ وجوہِ اعجاز کا بھی جامع ہے۔ مثلاً:

۱۔ سننے والوں کے دلوں اور کانوں میں اس کی ہیبت قائم ہوتی ہے، خواہ سننے والا ماننے والا ہو یا منکر۔

۲۔ یہ سننے والوں کے کانوں اور پڑھنے والوں کی زبانوں پر تروتازہ رہا اور رہے گا۔

۳۔ اس میں شوکت بھی ہے اور مٹھاس بھی، حالانکہ یہ دو صفتیں عموماً انسانوں کے کلام میں جمع نہیں ہوتیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آخری کتاب اور دوسری کتابوں سے بے نیاز قرار دیا، جب کہ دوسری کتابیں بعض اوقات اس کے بیان کی محتاج ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔

''بے شک یہ قرآن پاک بنی اسرائیل کو اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔''(۱)

اس سے پہلے اعجاز قرآن کے عنوان پر مختصر گفتگو کی گئی ہے، اس موضوع پر امام قاضی ابوبکر باقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مبسوط کتاب ''اعجاز قرآن'' کے نام سے لکھی ہے جو ''الاتقان'' کے حاشیہ پر مصر سے چھپی ہوئی ہے، ذیل میں اُس کے کچھ حصے کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:۔

---

(۱) الاتقان: ۲/۱۲۲

وجوہ اعجاز قرآن:

ہمارے علماء نے قرآن پاک کے اعجاز کی تین وجہیں بیان کی ہیں:

(۱) قرآن پاک غیب کی خبروں پر مشتمل ہے، یہ ایسی صفت ہے جس پر انسان قادر نہیں ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم ﷺ سے وعدہ کیا کہ آپ کا دین تمام دینوں پر غالب ہوگا، ارشاد ربانی ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (الفتح: ۴۸/ ۲۸)

چنانچہ رب کریم نے اپنے فضل وکرم سے دین مصطفےٰ ﷺ کو تمام دینوں پر غالب کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اپنے لشکروں کو جہاد کے لئے روانہ کرتے تھے تو انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ یاد دلاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے دین کو غالب فرمائے گا، تاکہ مجاہدین کو فتح ونصرت کا یقین ہو جائے، اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا۔ (۱)

اسی طرح اہل بدر کے بارے میں فرمایا:

وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ۔ (الانفال: ۸/ ۷)

اوراس وقت کو یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لئے ہے۔"

اوراس وعدے کو اس طرح پورا فرمایا کہ تین گنا لشکر جرار سامنے آیا اور عبرت ناک شکست سے دوچار ہوا۔

(۲) نبی اکرم ﷺ کا یہ وصف ہر کسی کو معلوم تھا کہ آپ اُمی تھے، آپ نہ لکھتے تھے اور نہ لکھا ہوا پڑھتے تھے، اسی طرح یہ بھی اپنے اور بیگانے جانتے تھے کہ آپ نے پہلے لوگوں کی

---

(۱) ان کے دور میں اسلامی سلطنت کا رقبہ ۲۵/ لاکھ مربع میل سے متجاوز تھا۔ ۱۲ قادری

تصانیف نہیں پڑھیں، نیز آپ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اپنی بعثت تک رونما ہونے والے بڑے اور اہم واقعات وقصص کسی سے پڑھے اور سنے نہیں۔ جب یہ حقیقت ہے کہ تو پھر کیا یہ معجزہ نہیں کہ آپ نے قرآن پاک کے ذریعے حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا، ان کی پیدائش کی ابتداء، جنت سے نکلنا، پھر ان کی اولاد کا باہمی تنازعہ، اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان پیش آنے والے واقعات، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کا تذکرہ، نیز انبیاء کرام کے زمانوں میں پائے جانے والے ملوک اور فرعونوں کا تذکرہ، ظاہر ہے کہ یہ واقعات کسی سے پڑھے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے اور نبی اکرم ﷺ کے بارے میں تو سب کو معلوم ہے کہ آپ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو کسی سے مخفی نہ رہتا۔ اس لئے یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ یہ تمام علوم اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی عطا فرمائے ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے:

وما كنت تتلوا من قبله ولا تخطه بيمينك اذا لارتاب المبطلون۔ (العنکبوت: ۲۹/۴۸)

"اس سے پہلے آپ لکھا ہوا نہیں پڑھتے تھے، اور نہ ہی اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے، (ایسا ہوتا) تب تو جھوٹے لوگ شک کرتے۔"

(۳) قرآن پاک کی تالیف اور نظم عجیب وغریب ہے، یہ بلاغت کی اس حد کو پہنچا ہوا ہے جس سے مخلوق عاجز ہے، علماء نے یہ بات اجمال کے ساتھ کہی ہے، لیکن ہم اس کی کسی قدر تفصیل بیان کریں گے۔

اعجاز کی متعدد وجوہ ہیں، ان میں سے بعض کا تعلق مجموعۂ قرآن سے ہے، ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) قرآن پاک مجموعی طور پر عربوں کے کلام کے نظام سے مختلف ہے۔ قرآن پاک کا اپنا

ایک خاص اسلوب ہے جو عربوں کے ہر قسم کے کلام سے ممتاز اور منفرد ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن پاک مسجّع کلام ہے، کسی نے کہا اس میں اشعار ہیں، حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔

(۲) عربوں کے ہاں ایسی کوئی مثال نہیں ہے کہ اتنا طویل کلام ہونے کے باوجود فصاحت کے اعلیٰ درجے، نادر تصرف، معانی لطیفہ، فوائد کثیرہ اور بیش بہا حکمتوں پر مشتمل ہونے کے ساتھ مسلسل بلاغت کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہو، کسی دانشور سے چند کلمات ہی منقول ہو سکتے ہیں، اسی طرح کسی شاعر سے چند قصیدے ہی مروی ہو سکتے ہیں جنہیں شاہکار قرار دیا جا سکے۔ وہ بھی خلل، تکلف اور بناوٹ سے خالی نہیں ہوتے، لیکن قرآن پاک کی طویل سے طویل سورت لے لیجئے، کیا مجال کہ اس کی فصاحت و بلاغت اور روانی میں فرق آ جائے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر: ۳۹/۲۳)

اللہ نے بہترین کلام نازل کیا، ایسی کتاب جس کی باتیں (آیات) فصاحت و بلاغت میں ملتی جلتی ہیں، بار بار دہرائی جانے والی، اس کے سبب ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور دل اللہ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ (النساء: ۴/۸۲)

''اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی طرف سے ہوتا تو اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے۔''

اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ انسان کا کلام جب طویل ہوتا ہے تو اس میں فرق اور خلل ظاہر ہو جاتا ہے۔ لیکن قرآن پاک میں چاہے قصص اور مواعظ کا ذکر ہو، چاہے استدلال ہو، حکم بیان کیا جا رہا ہو یا ڈرسنایا جا رہا ہو، وعدہ ہو یا وعید، بشارت ہو یا خوفناک منظر کا بیان، اخلاق کریمہ کی تعلیم ہو یا کسی شخصیت کے اوصاف بیان کئے جا رہے ہوں، لیکن زور بیان، شوکتِ کلمات و معانی اور سلاست میں کہیں فرق نہیں آیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے شہرہ آفاق خطیب، شاعر اور بلیغ اپنا ایک میدان رکھتے ہیں، بعض مدح کے میدان کے شہسوار ہیں، بعض ہجو کے میدان میں ثانی نہیں رکھتے، کسی کو اونٹوں اور گھوڑوں کے اوصاف بیان کرنے میں ید طولیٰ حاصل ہے، تو کسی کو سیرِ گلشن یا سیر شب کی منظر کشی میں یگانگت حاصل ہے، کچھ وہ ہیں جو شراب و شباب کے عنوان پر قادر الکلام ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کے جوہر جنگ کے موضوع پر بات کرتے ہوئے کھلتے ہیں۔

وَلِذٰلِکَ ضُرِبَ الْمَثَلُ بِامْرِئُ الْقَیْسِ اِذَا رَکِبَ

وَالنَّابِغَةِ اِذَا رَهِبَ وَبِزُهَیْرٍ اِذَا رَغِبَ

سوار ہونے میں امرء القیس، خوف زدہ ہونے میں نابغہ اور رغبت میں زہیر وہ نمایاں مقام رکھتے ہیں جس کا جواب نہیں۔

کسی بھی میدان کا شہسوار جب دوسرے میدان میں طبع آزمائی کرتا ہے تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ وہ بھرتی کا مال پیش کر رہا ہے، لیکن قرآن پاک میں جس موضوع پر بھی گفتگو کی گئی ہے اس کے حسن بیان، شوکت کلمات، سہولت اور روانی میں فرق نہیں آتا، اسی طرح طویل یا مختصر آیات کو دیکھ لیجئے، ہر جگہ معجز بیانی بدستور نظر آئے گی۔ بڑے سے بڑا ادیب ایک ہی واقعے کو جب دوبارہ بیان کرے گا تو اس کا زور بیان برقرار نہیں رہے گا۔ لیکن قرآن پاک میں ایک ہی واقعہ کہیں اجمال کے ساتھ کہیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا۔ اس کے باوجود انداز بیان، فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مرتبے پر ہے، اس لئے ماننا

پڑے گا کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے، کیونکہ انسان کے بس سے باہر ہے کہ وہ ہر وقت فصاحت و بلاغت کے بلند ترین کنگروں کو چھوتا رہے۔

(۳) فصیح گفتگو کرنے والے کے لئے ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہونا بھی مشکل مرحلہ ہوتا ہے، کئی قادر الکلام شاعر اس مرحلے کو آسانی سے طے نہیں کر سکتے، مثلاً بُحتری عربی زبان و ادب کا عظیم شاعر ہے، لیکن تشبیب سے مدح کی طرف منتقل ہونے کا فن اسے نہیں آتا، معدودے چند جگہیں ایسی ہوں گی جہاں وہ خوبصورتی سے اس مرحلے کو طے کر گیا ہو، اس کے برعکس قرآن پاک کے بیان کی لطافت یہ ہے کہ وہ مختلف امور کو اس طرح بیان کرتا ہے جیسے وہ متناسب ہوں، متبائن امور کو اس طرح بیان کرتا ہے جیسے ان میں تباین موجود نہ ہو، یہ بھی اعجاز قرآن کا ایک پہلو ہے۔

(۴) قرآن پاک کی نظم بلاغت کے اُس مقام پر فائز ہے جس کی مثال پیش کرنے سے انسان اور جن عاجز ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ انسان اور جن ایک دوسرے کے مددگار بھی ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکیں گے۔ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۸۸)

سوال: یہ صرف دعوی ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے ہم جنات کا عجز معلوم کر سکیں۔

جواب: (۱) ہمیں یہ علم اس لئے حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی خبر دی ہے۔

(۲) عرب اس بات کے قائل تھے کہ بعض اوقات جنوں سے گفتگو ہوتی رہتی ہے، ان کے پاس جنوں کے اشعار بھی محفوظ تھے۔ (اس کے بعد امام ابو بکر باقلانی نے متعدد اشعار نقل کئے ہیں۔ ۱۲ قادری)

معمولی غور کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان کے کلام کی فصاحت انسانوں کے کلام سے زیادہ نہیں بلکہ کم ہوتی ہے، جب انسان قرآن پاک کی مثال نہیں لا سکے تو جنات بھی مثال لانے سے عاجز ہوں گے، کیونکہ جنات فصاحت میں انسان سے کم درجہ رکھتے ہیں۔

(۵) قرآن پاک کی ایک عظیم فضیلت یہ ہے کہ اس کا ایک کلمہ یا جملہ لے کر کسی دوسرے کلام میں شامل کر دیا جائے تو وہ سامعین کے دل و دماغ کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لے گا، اس کی رونق اور کشش باقی کلام سے الگ اور زیادہ دکھائی دے گی اور وہ اس طرح ممتاز دکھائی دے گا جس طرح ہار میں دُرِ یگانہ ممتاز نظر آتا ہے۔

یہ وہ وجوہ ہیں جن کی بنا پر قرآن پاک کو معجز قرار دیا گیا ہے، اگر یہ وجوہ نہ ہوتیں تو فصاحت و بلاغت کے بڑے بڑے دعویدار دم بخود نہ ہوتے، بلکہ فوراً مقابلے کے لئے تیار ہو جاتے۔(۱)

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ فصاحت و بلاغت کے بڑے سے بڑے مدعی کو قرآن پاک کا چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہ ہو سکی، اور کسی نے اس سلسلے میں قدم نہیں اٹھایا، کیونکہ ان پر پہلی نظر میں ہی یہ حقیقت منکشف ہو گئی تھی کہ ہم قرآن پاک کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ہماری فصاحت کی قرآن پاک کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے، البتہ عام آدمی کو غور کرنا پڑے گا، تب اسے معلوم ہوگا کہ بڑے بڑے فصحاء قرآن پاک کے مقابلے میں بے بس ہیں اور اس کا مقابلہ ممکن نہیں ہے، رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کافروں کا یہ مقولہ نقل کیا ہے:

لو نشاء لقلنا مثل ھذا (الانفال: ۳۱/۸)

''اگر ہم چاہیں تو اس جیسا کلام ہم بھی بول سکتے ہیں۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو قرآن پاک کے سامنے بے بس محسوس نہیں کرتے تھے، اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ممکن ہے انہوں نے اپنے بارے میں جھوٹ بولا ہو، دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ مقولہ ان کے عجز کی دلیل ہے، کیونکہ اگر وہ قرآن کی مثل لانے پر قادر تھے، تو لے کیوں نہیں آئے؟ حالانکہ انہیں مسلسل چیلنج کیا گیا، جس کے

---

(۱) امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

جواب میں مسلسل سناٹا چھایا رہا۔(۱)

امام علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ امام بارزی رحمہ اللہ کی کتاب ''انوار التحصیل فی اسرار التنزیل '' سے نقل کرتے ہیں کہ بعض اوقات ایک معنی کو متعدد الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے جن میں سے بعض دوسرے بعض سے زیادہ حسین ہوتے ہیں، اسی طرح جملے کی دو جزؤں میں سے ایک جز کو ایسے فصیح ترین لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو دوسری جز کے مناسب ہوتا ہے، اس کے لئے جملوں کے معانی کا حاضر کرنا اوران کے مطابق تمام الفاظ کا حاضر کرنا پھران میں سے مناسب ترین اور فصیح ترین الفاظ کا اختیار کرنا ضروری ہے، اکثر حالات میں یہ امور انسان کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ سب کچھ روشن ہے، اسی لئے قرآن پاک احسن اور افصح کلام ہے، اگرچہ فصیح اور افصح، حسین اور احسن پر مشتمل ہے، اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے''وجنی الجنتین دان ''اس کی جگہ''ثمر الجنتین قریب '' کہا جاتا تو یہ اس کے قائم مقام نہ ہوتا کیونکہ''جنی ''اور''جنتین ''میں مجانست ہے، پھر لفظ''ثمر ''اس بات کی نشاندہی نہیں کرتا کہ وہ چننے کے حال کو پہنچ گیا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ جملوں کے آخر میں تناسب قائم نہ رہتا۔

(۲) دوسری مثال دیکھئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:''وما کنت تتلو من قبله من کتاب '' آپ اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے، اس کی جگہ اگر تـقـرءُ لایا جاتا تو اس میں ہمزے کی وجہ سے ثقل ہوتا۔

(۳) تیسری مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے''لاریب فیه''یہ''لاشک فیه ''سے احسن ہے کیونکہ کلمہ شک میں ادغام کی بنا پر ثقل پیدا ہو گیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔(۲)

---

(۱) اعجاز القرآن برحاشیہ الاتقان: ۱/۶۴، ۴۷

(۲) الاتقان ۲/ ۱۲۵

قرآن پاک کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ اس وقت دنیا میں لاکھوں افراد قرآن پاک کے حافظ موجود ہیں، جب کہ دوسرے ادیان کا کوئی فرد یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے اپنی پوری کتاب حرف بحرف یاد ہے، ایک آریہ پنڈت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی سے مناظرہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ:

''آپ میرا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہیں؟ مجھے آپ کی کتاب (قرآن پاک) کے پندرہ پارے یاد ہیں، آپ کو میری کتاب کے دو ورق بھی یاد نہیں ہیں۔

صدر الافاضل نے فرمایا:

''یہ تو میری کتاب کا معجزہ ہے کہ وہ دشمن کے سینے میں بھی اتر گئی ہے، تیری کتاب کی ناکامی کا یہ عالم ہے کہ خود تجھے بھی اس کے دو ورق یاد نہیں ہیں، یہ پوائنٹ تمہارے حق میں نہیں بلکہ خلاف جاتا ہے۔''

دس بارہ سال کے کئی بچے آپ کو حافظ قرآن مل جائیں گے، درج ذیل سطور میں دو بچوں کا تعارف دیا جارہا ہے جو اعجاز قرآن کے چلتے پھرتے گواہ ہیں۔

(۱) اگست ۱۹۹۲ء میں سرہند شریف امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے عرس مبارک میں راقم کو شرکت کی توفیق ملی، وہاں کلیر شریف کے قریب واقع موضع وڑکی کے ایک صاحب خلیفہ حفیظ الرحمٰن سے ملاقات ہوئی ان کے ساتھ ان کا صاحبزادہ ابوبکر بھی تھا، جس کی عمر پانچ سال سے کم تھی اس کے باوجود وہ محض بعطاء الٰہی حافظ قرآن تھا۔ اس نے سورہ عم یتساء لون پڑھ کر سنائی۔

(۲) اس وقت میرے سامنے ''مجلّہ اللواء الاسلامی'' قاہرہ کا شمارہ ۲۳ ردسمبر ۱۹۹۳ء ہے جس میں رپورٹ دی گئی ہے کہ ''شیخ محمود'' کی عمر دس سال ہے، انہیں نہ صرف قرآن مجید تفسیر کے ساتھ یاد ہے بلکہ انہیں صحیح بخاری شریف کی سات ہزار حدیثیں بھی یاد ہیں۔ چھ سال کی عمر میں انہوں نے قرآن پاک یاد کرلیا تھا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم اور قرآن پاک کا معجزہ ہے۔

مسلمانوں کی بے عملی اور عمل سے بے رغبتی ڈھکی چھپی نہیں ہے، اس کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن پاک ہے، عیسائیوں کے پوپ پال نے چند سال پہلے ایک سروے کے نتیجے میں دعویٰ کیا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بائبل ہے، بعد میں انہوں نے تسلیم کیا کہ سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن پاک ہے۔

قرآن پاک کو بڑے اہتمام سے شائع کرنا چاہیے، کاتب، پبلشرز اور بائنڈر سب باوضو ہونے چاہئیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''**لایمسّہ الا المطھرون**'' اسے صرف پاک لوگ چھوئیں، کاغذ عمدہ، طباعت اور بائنڈنگ عمدہ ہونی چاہیے، آپ مکتبوں اور دفتری خانوں میں جا کر دیکھ لیں، آپ کو پتہ چلے گا کہ قرآن پاک بڑی وافر تعداد میں چھپتا ہے، بعض ادارے نہایت معمولی کاغذ پر چھاپ دیتے ہیں، چھپائی بھی معیاری نہیں ہوتی، اس کے باوجود پتا نہیں چلتا کہ یہ نسخے کہاں چلے جاتے ہیں دوسری کوئی کتاب ہو تو لوگ اسے خریدیں ہی نہیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم

حقانیت قرآن

قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری اور زندۂ جاوید کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے ذریعے اپنے آخری نبی اور رسول مکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل فرمائی، آپ سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے تابعین نے، تابعین سے تبع تابعین نے اسے نقل کیا، یہاں تک کہ یہ کتاب مقدس ہم تک پہنچی، نقل کرنے والے ہر دور میں اتنی بڑی تعداد میں اسے نقل کرتے رہے کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا عادۃً محال ہے، بالفاظ دگر یہ لاریب کتاب تواتر کے ساتھ نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچی، اس لئے یہ یقینی بات ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت معجزات سے ثابت ہے، جن میں سے ایک معجزہ خود قرآن کریم ہے، لہذا ماننا پڑے گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم ہر قطعی سے بڑھ کر قطعی ہے، اس لئے یہ کتاب بھی قطعی ہے اور ہر شک وشبہہ سے بالا ہے۔

قرآن کریم فصاحت وبلاغت کا وہ عظیم شاہکار ہے کہ تمام انسان اور جن مل کر اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں، یہ اعجاز اس کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی اس بے مثال انفرادیت کا جا بجا تذکرہ فرمایا ہے، چند آیات کریمہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

(۱) اے حبیب! فرما دیجئے کہ اگر انسان اور جن اس قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہ لاسکیں گے، اگر چہ وہ ایک دوسرے کے معاون بن جائیں۔

(بنی اسرائیل: ۸۸/۱۷)

(۲) کیا وہ کہتے ہیں؟ کہ انہوں نے قرآن خود گھڑ لیا ہے، آپ فرما دیجئے کہ تم اس کی مثل دس خود ساختہ سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔ (ھود: ۱۳/۱۱)

(۳) اگر تم شک میں ہو اس کلام کے بارے میں جو ہم نے اپنے عبد مکرم پر اتارا تو لے آؤ اس جیسی کوئی سورت اور اللہ کے سوا اپنے حامیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم نہ کر سکے اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ (البقرہ:۲/۲۴_۲۳)

(۴) کیا وہ کہتے ہیں؟ کہ انہوں نے خود قرآن بنالیا ہے، بلکہ وہ مومن نہیں، پس انہیں چاہئے کہ قرآن جیسی کوئی بات لے آئیں، اگر وہ سچے ہیں۔ (الطور:۵۲/۳۴)

ان آیات کریمہ میں غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منکرین کو کس انداز میں چیلنج دیا ہے؟ پہلی آیت میں فرمایا کہ تمام جن اور انسان جمع ہو کر قرآن پاک کی مثال لانا چاہیں تو نہیں لاسکیں گے، دوسری آیت میں فرمایا اس کی دس سورتوں کی مثل لے آؤ، تیسری آیت میں فرمایا ایک آیت کی مثل لے آؤ، چوتھی آیت میں فرمایا اس کی ایک بات کی مثال لے آؤ، اتنے بڑے چیلنج کو چودہ صدیاں گزر گئی ہیں، اس کے باوجود مخالفین اس چیلنج کو قبول نہیں کر سکے، حالانکہ ان کے پاس دولت ہے، وسائل ہیں، عربی زبان کے بڑے بڑے ماہرین موجود ہیں، اور تعداد میں بھی زیادہ ہیں، کسی بھی دور میں انہوں نے چیلنج قبول کیا ہوتا تو آسمان سر پر اٹھا لیتے اور اہل ایمان کا ناک میں دم کر دیتے، اس سب کے باوجود ان کی بے بسی اور عاجزی قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حقانیت کی قطعی دلیل ہے۔

دوسری آیت ایک دفعہ پھر ملاحظہ کیجئے اس میں کتنا شدید چیلنج ہے؟ چند امور قابل توجہ ہیں:

(۱) کفار اور مشرکین کو کہا گیا ہے کہ تم قرآن پاک کی ایک مختصر سورت کی مثال لے آؤ۔

(۲) اپنے تمام حامیوں کو بلا لو۔

(۳) اگر تم سچے ہو۔

(۴) تم اس کی مثل کوئی سورت ہرگز نہ لاسکو گے۔

(۵) اگر تم اس کی مثال نہ لا سکے تو اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اس کے باوجود کسی کو یہ چیلنج قبول کرنے کی جرأت نہ ہو سکی، حالانکہ منکرین تعداد میں زیادہ تھے، فصاحت و بلاغت کے بلند بانگ دعویدار تھے، دشمنی میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، انہوں نے وطن کو چھوڑنا اور جانوں کی بازی لگا دینا قبول کر لیا، مگر قرآن کی ایک سورت بنا کر پیش نہ کر سکے، اس سے بڑی قرآن پاک کی صداقت کی دلیل کیا ہو سکتی ہے؟ تحریر سے مقابلہ کر سکتے تو شمشیر اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟

علامہ شرف الدین بوصیری فرماتے ہیں:

رَدَّتْ بَلَاغَتُهَا دَعْوٰی مُعَارِضِهَا

رَدَّ الْغَيُوْرِ يَدَ الْجَانِيْ عَنِ الْحَرَمِ

آیات قرآن نے معارضہ کرنے والے کے دعوے کو اس طرح جھٹک دیا جس طرح غیرت مند آدمی مجرم کے ہاتھ کو اپنے حرم سے جھٹک دیتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے، فصحاء عرب کے بڑے بڑے

کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

اس سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اٹل یقین کا بھی پتا چلتا ہے، اگر آپ کو اپنے دعوے کی صداقت میں ذرہ برابر بھی شک ہوتا تو آپ اتنی شدت کے ساتھ چیلنج نہ کرتے، مبادا کوئی مثال لے آیا تو ہمارے دعوے کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟

سرچشمہ علوم ومعارف

قرآن پاک علوم و معارف کا بحر بے کراں ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں، جس نے اسے نازل فرمایا، ارشادِ ربانی ہے:

۱۔ تمہارے رب سے ذرہ بھر کوئی چیز غائب نہیں، زمیں میں نہ آسمان میں۔ (سورۂ یونس)

۲۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے سیاہی ہوتو سمندر ضرور ختم ہو جائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی، اگر چہ ہم ایسا ہی سمندر اس کی مدد کو لے آئیں (الکہف ۱۸/ ۱۰۹)

۳۔ اگر زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی بن جائے، اس کے پیچھے سات سمندر اور ہوں تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔ (لقمٰن ۳۱/ ۲۷)

کلام چونکہ متکلم کے علم کا آئینہ ہوتا ہے لہذا جس ہستی کے علوم غیر متناہی اور حد و حساب سے باہر ہیں اس کے کلام کے فوائد اور اسرار و رموز بھی حد شمار سے باہر ہوں گے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمان مبارک سے لے کر آج تک ان گنت مفسرین نے تفسیریں لکھی ہیں، ان میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ میں نے اس سمندر کی غواصی کر کے تمام موتی اور جواہر نکال کر پیش کر دئے ہیں، بلکہ اگر دنیا بھر کی تمام تفسیریں یکجا کر دی جائیں پھر بھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ہم نے اس مبارک کتاب کے تمام اسرار و نکات کا احاطہ کر لیا ہے، حدیث شریف میں ہے: **لاینقضی عجائِبُہٗ** اس کے ورطۂ حیرت میں ڈال دینے والے عجائب ختم نہیں ہو سکتے۔ (۱)

ارشاد ربانی ہے:

۱۔ اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (النحل ۱۶/ ۸۹)

۲۔ ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ (الانعام ۶/ ۳۸)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب فتنے پیدا ہوں گے، صحابۂ کرام نے عرض کیا: ان سے کون نکالے گا؟ فرمایا: قرآن، اس میں تم سے پہلے اور بعد کی خبریں ہیں اور تمہارے بارے میں حکم ہے۔ (ترمذی شریف) (یعنی اس کا ماضی، مستقبل اور حال تینوں سے تعلق ہے)۔

---

(۱) مشکوٰۃ شریف۔ عربی، ص ۱۸۶

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں، ان سب کے علوم چار کتابوں میں رکھے۔تورات، انجیل، زبور اور قرآن پاک باقی تین کتابوں کے علوم قرآن مجید میں رکھے (یعنی قرآن کریم تمام کتب سماویہ کے علوم کا جامع ہے۔)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو کچھ علماء امت نے بیان کیا وہ سنت کی شرح ہے اور تمام سنت قرآن کی شرح ہے، یہ بھی فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ سب آپ نے قرآن پاک سے سمجھا، اس کی تائید نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ ہم اسی چیز کو حلال قرار دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا اور اسی چیز کو حرام قرار دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا، یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الام میں روایت کی۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو حدیث بھی صحیح طریقے سے پہنچی مجھے اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مل گئی۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب میں تمہیں کوئی حدیث بیان کروں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے اس کی تصدیق بیان کروں گا۔یہ دونوں روایتیں ابن ابی حاتم نے بیان کیں۔

بعض علماء نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تریسٹھ سالہ حیاتِ مبارکہ کا استنباط سورۂ منافقون کی اس آیت سے کیا: وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا کیونکہ یہ آیت سورت نمبر تریسٹھ کے آخر میں ہے اور اس کے بعد سورۂ تغابن ہے، تاکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کا نقصان ظاہر ہو۔

امام ابن ابوالفضل مرسی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: قرآن پاک تمام اولین اور آخرین کے علوم کا اس طرح جامع ہے کہ ان تمام علوم کا حقیقی احاطہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ علوم اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا کیے سوائے ان علوم کے

جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مختص فرمائے، پھر ان علوم کا بڑا حصہ اکابر صحابہ مثلاً خلفاء راشدین، ابن مسعود اور ابن عباس کو عطا فرمایا، یہاں تک کہ ابن عباس نے فرمایا: اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں اسے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں پالوں گا۔ (۱)

امام احمد رضا بریلوی بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

تم پر کتاب اتری بیاناً لِکُلِّ شيءٍ
تفصیل جس میں ماسبق و ماغبر کی ہے

علامہ سید محمود الوسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو حادثہ بھی قضا کے قلم سے صفحۂ زمانہ پر لکھا جاتا ہے قرآن عظیم میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں بیان کیا کہ جب سلطان صلاح الدین نے حلب فتح کیا تو قاضی محیی الدین نے قصیدہ بائیہ لکھا جو شعر و شاعری کا عمدہ شاہکار تھا، اس کے ایک شعر کا ترجمہ یہ ہے: صفر میں آپ کا ویران قلعہ کو فتح کرنا اس بات کی خوشخبری ہے کہ بیت المقدس رجب میں فتح ہو جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، قاضی محیی الدین سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ بات کہاں سے ملی؟ تو انہوں نے بتایا کہ مجھے یہ بات ابن برجان کی تفسیر سے ملی ہے، آیت کریمہ: الٓمٓ غلبت الروم فی ادنی الارض (الآیۃ) کی تفسیر میں، ابن خلکان کہتے ہیں کہ میں اس تفسیر کی تلاش میں رہا، یہاں تک کہ مجھے مل گئی، انہوں نے اس حقیقت کے معلوم کرنے کے لئے طویل حساب کا ذکر کیا تھا، —— کامل اور مکمل انصاف یہ ہے کہ دائرۂ محمدیہ کے مرکز اکابر صوفیۂ کرام کی عظمت کو تسلیم کیا جائے اور اپنے بیمار ذہن پر الزام عائد کیا جائے جو کثیر رکاوٹوں کی بنا پر اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا، اگر تمہیں چاند دکھائی نہ دے تو ان لوگوں کی بات مان لو جنہوں نے اسے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (۲)

---

(۱) امام سیوطی: الاتقان فی علوم القرآن عربی طبع مصر ج ۲ ص ۱۲۶

(۲) [illegible]: روح المعانی، ج ۱ ص ۸

بسم اللہ الرحمن الرّحیم

وحی کا عقلی ثبوت

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی

لغت میں وحی کا استعمال ان معانی میں ہوتا ہے:

(۱) اشارہ کرنا۔ (۲) لکھنا۔ (۳) پیغام بھیجنا (۴) دل میں بات ڈالنا (الہام)
(۵) خفیہ گفتگو (۶) ہر وہ بات جسے تم غیر تک پہنچاؤ۔ (۱)

لفظ وحی لغوی معنی کے اعتبار سے انبیاءِ کرام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ اس کا اطلاق غیر انبیاء کے لئے بھی آیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى۔ (سورۂ قصص: ۲۸/ ۷)

ہم نے موسیٰ کی ماں کو القا کیا۔

بلکہ حیوانات کے لئے بھی آیا ہے۔

جیسے ارشاد ربانی ہے: وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ۔ (سورۂ نحل: ۱۶/ ۶۸)

''آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو القا کیا۔''

شریعت مبارکہ کی اصطلاح میں وحی اس کلام کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر نازل فرماتا ہے، نبی وہ انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ احکام پہنچانے کے لئے مخلوق کی طرف بھیجتا ہے۔ وحی کی دو قسمیں ہیں: (۱) وحی جلی (۲) وحی خفی، امام علامہ جلال الدین سیوطی، ابن ابی حاتم کے حوالے سے زہری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک وحی وہ ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نبی کے دل میں ثابت فرما دیتا ہے اس کے ساتھ وہ نبی کلام فرماتے ہیں اور لکھتے

---

(۱) محمود بن احمد عینی، امام بدر الدین: عمدۃ القاری: ۱/ ۱۴

ہیں ، دوسری قسم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نبی کلام نہیں کرتے ، اسے لکھتے نہیں ، نہ ہی اس کے لکھنے کا حکم دیتے ہیں ، البتہ اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور انہیں بتا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کے بیان کرنے کا حکم دیا ہے۔ (۱)

مختصر یہ کہ وحی جلی کے الفاظ اور معانی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہیں ، جیسے قرآن پاک کے لفظ بلفظ وہی کلمات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے اسی کو وحی متلو کہتے ہیں ، یعنی وہ وحی جس کی نماز میں تلاوت کی جاتی ہے ۔ جب کہ وحی خفی میں معانی نازل کئے جاتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں ، جیسے حدیث پاک ، اسے وحی غیر متلو کہتے ہیں ، پھر اگر اس حدیث کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اسے ''حدیث قدسی'' کہیں گے ورنہ ''حدیث نبوی''۔

علامہ اقبال نے بیان کیا کہ ایک دفعہ فارمن کرسچن کالج ، لاہور کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے بڑی رازداری سے مجھے کہا: ''اقبال ! مجھے بتاؤ کہ کیا تمہارے پیغمبر پر قرآن کریم کا مفہوم نازل ہوا تھا اور چونکہ انہیں صرف عربی زبان آتی تھی ، انہوں نے قرآن کریم عربی میں منتقل کردیا ، یا یہ عبارت ہی اسی طرح اتری تھی ؟'' میں نے کہا: ''یہ عبارت ہی اتری تھی'' ڈاکٹر لوکس نے حیران ہو کر کہا کہ ''اقبال تم جیسا پڑھا لکھا آدمی اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ '' یہ عبارت ہی اس طرح اتری تھی ؟'' میں نے کہا: ''ڈاکٹر لوکس ! یقین ؟ میرا تجربہ ہے ، مجھ پر شعر پورا اترتا ہے تو پیغمبر پر عبارت کیوں نہیں پوری اتری ہوگی ؟ ۔ (۲)

اقسام وحی

امام ابو القاسم عبد الرحمن سہیلی نے وحی کی درج ذیل اقسام بیان کی ہیں :۔

۱۔ امام عامر شعبی نے بیان کیا کہ پہلے حضرت اسرافیل مقرر کئے گئے ، وہ تین سال

---

(۱) عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی ، امام ــــــ الاتقان عربی ، طبع مصر ۱/۴۴

(۲) وحید الدین فقیر ــــــ روزگار فقیر ، ص ۲۱

تک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، کبھی وحی کا ایک کلمہ کبھی اس سے زیادہ لاتے رہے، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام مقرر کئے گئے وہ قرآن پاک اور وحی لے کر آتے رہے۔

۲۔ نیند کی حالت میں وحی آتی رہی، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ پہلے پہل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچی خوابیں آتی رہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو فرمایا کہ ''میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں، لہذا غور کرو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ آپ وہی کریں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس بیداری کی طرح خواب میں بھی وحی آتی تھی۔ (۱)

۳۔ دل میں کلام کا القاء کیا جاتا ہے، جیسے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ ، روح القدس نے ہمارے دل میں القا کیا، حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دل میں القا فرما دیتا ہے[۲]

۴۔ گھنٹی کی آواز کی طرح وحی آتی تھی، وحی کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے بہت سخت ہوتی تھی۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ گھنٹی کی آواز کے وقت ان کا دل پوری طرح متوجہ ہو جائے اور اچھی طرح وحی کو محفوظ کر لے۔

۵۔ فرشتہ انسانی صورت میں آتا تھا، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت دحیہ ابن خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں آیا کرتے

---

(۱) اسی لئے ان کے دل نیند کی حالت میں بھی بیدار اور فیکس کی طرح ہر وقت پیغام الٰہی وصول کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، بخاری شریف میں ہے: وکذلک الانبیاء تنام اعینهم ولا ینام قلوبهم (ج ۲، ص ۱۱۳۰)

''اسی طرح انبیاء کرام کی آنکھیں سوتی ہیں، اور دل نہیں سوتے۔'' ۱۲ شرف قادری

(۲) آج کے دور میں ٹیلی پیتھی سے اس حقیقت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ ۱۲ شرف قادری

تھے۔حضرت دحیہ کلبی بہت حسین تھے۔

۶۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوتے تھے، ان کے چھ سو پر ہیں جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے تھے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پس پردہ کلام فرمائے، اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) بیداری میں جیسے شب معراج گفتگو فرمائی [۱]

(۲) خواب میں جیسے امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ میرا رب مجھ پر بہترین صفت میں جلوہ گر ہوا۔

امام سہیلی فرماتے ہیں کہ یہ وحی کی سات صورتیں ہیں اور ہم نے ہر صورت پر دلیل پیش کردی ہے، ہماری نظر سے نہیں گزرا کہ کسی نے ان صورتوں کو جمع کیا ہو۔[۲]

وحی کے دو طریقوں کا فرق کیا ہے؟

چونکہ وحی میں وحی کے لانے والے اور لینے والے میں مناسبت ضروری ہے اس لئے علماء کرام نے فرمایا کہ وحی کے دو طریقے تھے:

۱۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صورت بشری سے صورت ملکی کی طرف منتقل ہوتے تھے (یعنی صورت ملکی کا غلبہ ہوتا تھا) اور جبرائیل امین علیہ السلام سے وحی حاصل کرتے تھے اور یہ مشکل حالت ہوتی تھی۔

۲۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بشری صورت کی طرف منتقل ہوتے تھے (اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں حاضر ہوتے تھے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے وحی حاصل کرتے تھے۔[۳]

---

(۱) ہوسکتا ہے دیدار بغیر گفتگو کے ہو اور گفتگو بغیر دیدار کے، یہ اس لئے کہا تا کہ آیت کریمہ ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ (الآیۃ) کی مخالفت لازم نہ آئے۔۱۲ شرف قادری

(۲) سہیلی، امام: الروض الانف، ۱/۵۴۔۱۵۳

(۳) جلال الدین سیوطی، امام: اتقان، ۱/۴۳

امام ابن منیر فرماتے ہیں کہ وحی کے مقتضا کے مختلف ہونے سے وحی مختلف ہوتی تھی، اگر وعدہ اور خوشخبری کی وحی نازل ہوتی تو فرشتہ انسانی صورت میں نازل ہوتا اور آپ سے مخاطب ہوتا، اس صورت میں مشقت نہیں ہوتی تھی اور اگر وعید اور ڈر کی خبر لے کر آتا تو گھنٹی کی آواز کی طرح وحی نازل ہوتی (اور یہ حالت سخت ہوتی تھی)(۱)

رہا یہ مسئلہ کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کس طرح وحی حاصل کرتے تھے تو علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے روحانی طور پر حاصل کرتے تھے یا لوح محفوظ سے یاد کرتے اور اسے لاکر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر القا کر دیتے تھے۔(۲)

وحی سائنس کی روشنی میں

وحی ربانی کا انکار کرنے والے ہر دور میں بکثرت رہے ہیں، مادہ پرستی کے موجودہ دور میں بھی شریعت مبارکہ، اس کے دلائل اور وحی کا انکار کرنے والوں کی کمی نہیں ہے، ایسے لوگ یقین کی بنیاد احساس کو قرار دیتے ہیں، یعنی اسی چیز کو تسلیم کرتے ہیں جو محسوس ہو، عقلی دلائل اور وحی الٰہی سے ثابت ہونے والے امور کا اس شد ومد سے انکار کرتے ہیں کہ جاہلیت کے تاریک ترین دور کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ سائنس اور مشاہدہ نے ان کی فکر پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ انہیں مادیات اور حسیات سے ماوراء امور کے انکار سے پسپا ہونا پڑا۔

علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی مدرس کلیہ اصول الدین جامعہ ازہر شریف نے اپنی تصنیف لطیف ''مناهل العرفان فی علوم القرآن'' میں عقلی دلائل سے عقل پسندوں کو یہ حقیقت سمجھانے کی قابل قدر کوشش کی ہے کہ وحی کوئی ناممکن چیز نہیں ہے کہ اس کا فوراً انکار کر دیا جائے، بلکہ ٹھنڈے دل کے ساتھ اس کے دلائل پر غور کرنا چاہئے۔ ذیل میں ان کی گفتگو کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

---

(۱) سید محمد حقی نازلی   خزینۃ الاسرار الکبریٰ (طبع مصر) ص ۱۲

(۲) [illegible] سیوطی   الاتقان ۱/۴۳

پہلی دلیل:

ہپنا ٹزم ایک طے شدہ حقیقت ہے، جرمنی کے ڈاکٹر مسمر نے اس کا انکشاف کیا، ڈاکٹر مسمر اور اس کے شاگردوں نے اس کے ثابت کرنے کے لئے ایک صدی محنت کی، ہزاروں افراد پر کامیاب تجربات کر کے اہل علم سے ہپنا ٹزم کا علمی طور پر اعتراف کروالیا۔ انہوں نے تجربات سے درج ذیل امور ثابت کئے۔

۱۔ انسان کی ایک باطنی عقل ہے جو ظاہری عقل سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔

۲۔ معمول نیند کی حالت میں دور دراز کی چیزیں دیکھتا اور سنتا ہے، پردوں میں چھپی ہوئی چیزوں کو پڑھتا ہے اور آیندہ پیدا ہونے والی ایسی چیزوں کی خبر دیتا ہے جن کے پیدا ہونے کی عالم حس میں معمولی سی علامت بھی نہیں پائی جاتی۔

۳۔ بعض اوقات نیند کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ معمول کی روح اس کے جسم سے جدا ہو کر ایک جانب متشکل ہو جاتی ہے اور عام لوگوں کو دکھائی نہیں دیتی، اس حالت میں جسم اور روح کے درمیان معمولی سا رابطہ ہوتا ہے، اگر وہ بھی نہ ہو تو جسم کی حالت مردے جیسی ہو جائے۔

۴۔ روح کا جسم سے الگ مستقل وجود ہے۔

۵۔ جسم کے فنا ہونے سے روح فنا نہیں ہوتی۔

اس جگہ ہم اس علم، اس کی تاریخ، اس کے تجربات اور فوائد کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے، اس وقت تو ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح مادیت سے ماوراء امور کا انکار کرنے والے طبعیات کے ماہرین کے ہاتھوں روشن آیات ظاہر فرمائی ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ خود مادیات سے ماوراء امور کو زور شور سے ثابت کر رہے ہیں، یہ کھلی تائید ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ

(حم:۴۱/۵۳)

ہم انہیں اپنی نشانیاں اطراف عالم اور ان کے نفسوں میں دکھائیں گے
یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ قرآن حق ہے۔

ہم آپ کے سامنے ہپناٹزم کا ایک تجربہ بیان کرتے ہیں جو آپ کو وتی سے سمجھنے میں مدد دے گا۔ یہ تجربہ میں نے "جمعیۃ الشبان المسلمین" کی گراؤنڈ میں ایک جم غفیر کے ساتھ دیکھا، اس تجربے کا مقصد ہپناٹزم کے فن کا مظاہرہ کرنا اور یہ دکھانا تھا کہ یہ فن کسی شخص کے عقیدے اور دین کی تبدیلی کے لئے زہریلے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے ۱۳۵۱ھ میں بعض عیسائی مبلغین نے ایک صالح مسلمان نوجوان کو فتنے کا نشانہ بنایا تھا۔

اس فن کا ماہر پروفیسر کھڑا ہوا، اس نے کمزور قوت ارادی کے مالک نوجوان کو اپنا معمول بنایا، اس پروفیسر نے اپنی نگاہیں معمول کی آنکھوں میں گاڑ دیں اور کچھ کلمات کہے، چند لمحوں کے بعد ہم نے دیکھا کہ معمول سوئے ہوئے آدمی کی طرح خراٹے لے رہا ہے، اس کا رنگ تبدیل ہو گیا، جسم ساکن ہو گیا اور اس کی قوت احساس غائب ہو گئی، یہاں تک کہ ہم نے اس کے جسم میں بار بار سوئی چبھوئی، لیکن اس نے ذرہ بھر حرکت نہ کی۔ ہم نے محسوس کیا کہ وہ ہپناٹزم کے زیر اثر سو چکا ہے، پروفیسر نے اسے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا اصلی نام بتایا، پھر اسے کہا کہ تمہارا نام یہ نہیں ہے، بلکہ یہ نام ہے، پھر مختلف طریقوں سے اس کے ذہن سے پرانا نام محو کر کے نیا نام ذہن نشین کراتا رہا، یہاں تک کہ معمول نے نیا نام قبول کر لیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ معمول نوجوان ہوش میں آ گیا، ہم اسے اس کے اصلی نام سے پکارتے تھے تو وہ جواب نہیں دیتا تھا، لیکن نئے اور جعلی نام سے پکارنے پر جواب دیتا تھا۔

پروفیسر نے اس تجربے سے یہ ثابت کیا کہ ہپناٹزم کا ماہر اپنے معمول کے دل سے اس کا نام اور دینی عقائد تک مٹا سکتا ہے۔ پروفیسر نے اپنے معمول کے دل سے صرف اس کا نام محو کیا، دین کے محو کرنے کی کوشش نہیں کی، اس کی دو وجہیں تھیں، ایک تو یہ کہ دین کا

محو کرنا بدترین جرم ہے اور حاضرین اسے نفسیاتی طور پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، دوسری وجہ یہ تھی کہ آدمی کا نام اس کے دل و دماغ میں راسخ ہوتا ہے، جب اسے مٹایا جاسکتا ہے تو دین کا محو کرنا آسان ہے۔

میری نظر میں اس تجربے نے علمی اور عملی طور پر وحی کا سمجھنا آسان کر دیا، کیونکہ فرشتے کے ذریعے وحی کا مطلب یہ ہے کہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رابطہ کرتا ہے، چونکہ فرشتہ خالص روحانی ہے، اس لئے اس میں القاء اور تاثیر کی قوت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں روحانی صفائی اور طہارت وتقدس ہے اس لئے ان میں کامل مناسبت پائی جاتی ہے، جب فرشتہ رابطہ کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی عادی حالت سے الگ ہو جاتے ہیں اور آپ پر تغیر کا اثر ظاہر ہوتا ہے، آپ فرشتے سے وحی کے حاصل کرنے میں محو ہو جاتے ہیں اور جو کچھ اس سے حاصل کرتے ہیں وہ آپ کے دل پر نقش ہو جاتا ہے، جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا ہے تو آپ اپنی اصلی حالت میں آجاتے ہیں اور جو وحی آپ نے حاصل کی ہے اسے اپنے دل میں اس طرح محفوظ پاتے ہیں جیسے وہ دل میں لکھ دی گئی ہو۔

قارئین کرام! کیا ایک انسان دوسرے انسان کے دل پر ہپناٹزم کے ذریعے سے اثر انداز ہو سکتا ہے اور تمام قوتوں اور قدر کا مالک وحی کے ذریعے اپنے جس بندے کے دل پر چاہے اثر انداز نہیں ہو سکتا؟ حاشا وکلا! یہ بات نہیں ہے: اِنَّهٗ عَلٰی مَا یَشَاءُ قَدِیْرٌ" بے شک وہ قادر ہے جو چاہے کرے۔

دوسری علمی دلیل:

جدید سائنس نے اپنی مصنوعات کا عجائب گھر کھول دیا ہے، جس کا ہم مشاہدہ بھی کر رہے ہیں اور اسے استعمال میں بھی لا رہے ہیں، جیسے ٹیلیفون، مائیکروفون، ریڈیو اور لاسلکی (تار کے بغیر رابطہ سسٹم جیسے وائرلیس اور موبائل ہے) اس کے علاوہ ٹیلی ویژن اور

انٹرنیٹ ہے جس نے پوری دنیا کو گلوبل ویلج (ایک بستی) بنادیا ہے۔ان ذرائع مواصلات کے ذریعے آدمی دوردراز کے افراد کے ساتھ گفتگو کرسکتا ہے اور جو کچھ سمجھانا چاہے سمجھا سکتا ہے، کیاان مادی آلات کی موجودگی میں یہ کہا جا سکتا ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ قادر وقیوم اپنے بعض بندوں (انبیاء کرام) کی طرف فرشتے کے ذریعے یااس کے بغیر وحی بھیجنے سے عاجز ہے، نہیں ہرگز نہیں! تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوّاً كَبِيْراً وہ جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی بلند ہے۔

تیسری دلیل:

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سائنس نے بعض بے جان اور علم وارادہ سے عاری اشیاء میں قرآن پاک کی تلاوت، خطابات اور نغمے ریکارڈ کردیے ہیں جو پڑھنے اور بولنے والے کی آواز کی ہو بہو کاپی ہوتے ہیں، جیسے فونوگراف (آج کے دور میں آڈیو بلکہ وڈیو میں تو آواز کے ساتھ تصویر بھی محفوظ ہو جاتی ہے، ۱۲ قادری)

کیاان جدید آلات کے باوجود یہ بات سمجھ سے بعید ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ قادر کریم فرشتے کے ذریعے یااس کے بغیر اپنے خاص بندوں (انبیاء کرام) کے صاف اور شفاف دلوں میں مخلوق کی راہنمائی کرنے والا مقدس کلام اس طرح نقش فرمادے جسے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہو بہو بندگانِ خدا تک منتقل کردیں۔

چوتھی دلیل:

ہم اس دنیا میں بعض جانوروں کے حیرت انگیز افعال اور بہت ہی عجیب نظم وضبط دیکھتے ہیں، اور ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ ان کی سوچ بچار کا نتیجہ اور طبیعت کا تقاضا نہیں ہے، ہمارا یقین ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع ہے، اللہ تعالیٰ ہی انہیں ان عجیب وغریب افعال کا القاء فرماتا ہے۔

جب یہ حیوانات میں واقع ہے تو انسان میں بطریق اولیٰ ہو سکتا ہے، کیونکہ اس

میں اللہ کریم جل شانہ سے رابطے اور اس کا فیض حاصل کرنے کی صلاحیت نہایت قوی ہے، وحی بھی فیض حاصل کرنے ہی کی ایک صورت ہے۔

اگر آپ ان حیوانات کی مثالیں دیکھنا چاہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ القا اور الہام فرماتا ہے تو چیونٹی اور شہد کی مکھی کے مختلف افعال اور ان کے دقیق نظام کو دیکھیں۔ اس دنیا میں ایک عجیب جانور ہے جس نام ''اکسیکلوب'' رکھا گیا ہے۔ اس کے بارے میں فرانس کی ''سوربون یونیورسٹی'' کے پروفیسر ''میلن ادوار'' کا کہنا ہے کہ یہ مادہ جانور تنہا زندگی بسر کرتی ہے اور انڈے دینے کے بعد فوراً مر جاتی ہے، اس کے بچے کیڑوں کی طرح پیدا ہوتے ہیں، جن کے پاؤں نہیں ہوتے، وہ نہ تو کسی دشمن سے اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں اور نہ ہی غذا حاصل کر سکتے ہیں، اس کے باوجود ایک سال تک بند جگہ میں پُرسکون زندہ رہتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب اس مادہ جانور کے انڈے دینے کا وقت آتا ہے تو وہ ایک لکڑی میں طویل سرنگ کھودتی ہے، پھر وہ خوراک کا ذخیرہ جمع کرتی ہے جو بچے کے لئے ایک سال تک کافی ہو، یہ ذخیرہ پھولوں اور پتوں کی صورت میں ہوتا ہے، جنہیں بچھا کر ان کے اوپر ایک انڈا دیتی ہے، پھر لکڑی کا برادہ لا کر اسے گوندھتی ہے اور اس سے انڈے کے اوپر چھت بنا دیتی ہے، پھر کچھ مزید ذخیرہ لا کر اس پر چھت بچھاتی ہے اور اس پر ایک اور انڈہ دیتی ہے، اس کا یہ عمل جاری رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے انڈے ختم ہو جاتے ہیں، پھر وہ سب انڈوں کو چھوڑ کر مر جاتی ہے۔

اس سادہ اور کمزور سے جانور کو یہ محیر العقول کاریگری کس نے سکھائی؟ اور کس نے اس کے دل میں یہ بات ڈالی ہے؟ کہ عنقریب اس کے پیدا ہونے والے بے دست و پا بچے ایک سال تک زندہ رہنے کے لئے خوراک کے محتاج ہوں گے اور کس نے اسے سکھایا کہ انڈے دینے کے لئے اس قدر حیران کن اہتمام اور مشقت اُٹھائے۔

یقیناً حی و قیوم ہستی ہی موجودات کو اپنی بقا اور اصلاح کا وہ علم عطا کرتی ہے، جو

حواس کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس سے بڑی گمراہی کیا ہو سکتی ہے؟ کہ مادیت اور طبعیات کا محقق یہ تو تسلیم کر لے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ایک حقیر سے کیڑے کو الہام سے نوازتی ہے، لیکن نوع انسانی کے لئے الہام اور روحی کا انکار کر دے، حالانکہ انسان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں وحی اور الہام کا حد درجہ محتاج ہے۔ (کیونکہ اس کی فکری، عملی اور معاشی ضروریت بے حد وحساب ہیں)

پانچویں دلیل:

عبقریت (جینیئس ہونا) ہے، افلاطون نے اس کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ الہی حال (عنایت) ہے جو انسان کے لئے عالم بالا سے الہامات کے قادر ہونے کا ذریعہ ہے۔ فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ یہ عالم بالا کا حال ہے جس میں عقل کا دخل نہیں ہے۔ طبعیات کے علماء کہتے ہیں کہ یہ خود طبیعت کا عطیہ ہے جو پڑھنے پڑھانے اور سوچ بچار سے حاصل نہیں ہوتا۔

ذیل میں ہم عبقری شخصیات کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں جو وحی کے موضوع پر روشنی ڈالتی ہیں اور حیرت و گمراہی میں مبتلا افراد کے لئے راہِ راست کی طرف ہدایت کا ذریعہ ہیں۔

۱۔ کیمبرج یونیورسٹی میں نفسیات کا انگریز پروفیسر میرس اپنی مبسوط کتاب ''الشخصیۃ الانسانیۃ'' میں کہتا ہے کہ مسٹر بیدلر میں ایک خصوصیت تھی جو معجزات کے قریب ہے، وہ برجستہ ایسے اعداد بتا سکتا تھا، جنہیں ایک دوسرے سے ضرب دینے سے سات یا آٹھ ہندسوں پر مشتمل عدد حاصل ہو جائے، مثلاً اس سے دریافت کیا جاتا کہ وہ کون سے دو عدد ہیں؟ جنہیں ایک دوسرے سے ضرب دی جائے تو حاصل ضرب ۱۷۸۶۱ ہو تو وہ فوراً جواب دیتا: ۳۳۷×۵۳۔ وہ خود کہتا تھا کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ جواب کہاں سے آتا ہے؟ گویا یہ جواب اس کے لئے فطری مسئلہ تھا۔

۲۔ فرانس کے بڑے شاعر ''سولی برودوم'' سے منقول ہے کہ بعض اوقات مجھے اچانک

محسوس ہوا کہ جیومیٹری کی نظری دلیل ایک سال سے میرے دل میں ڈال دی گئی ہے، لطف کی بات یہ کہ میں نے کبھی اس کی طرف معمولی توجہ بھی نہیں کی تھی۔

۳۔ فرانس ہی کے ایک شاعر موسیو رینہ کا کہنا ہے کہ وہ عموماً اس حال میں سوجاتا ہے کہ وہ شعر کا ایک قطعہ کہنا چاہتا ہے جو مکمل نہیں ہوتا، لیکن جب وہ بیدار ہوتا ہے تو وہ قطعہ مکمل ہو چکا ہوتا ہے۔

۴۔ فرانس کا ایک دوسرا شاعر موسیہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کرتا، البتہ جو کچھ مجھ پر القا کیا جاتا ہے میں اسے نقل کر دیتا ہوں، جیسے کوئی نامعلوم انسان میرے کان میں سرگوشی کرتا ہو۔

یہ مثالیں جو ہم نے بیان کی ہیں بعض افراد میں ایسے روحانی اور باطنی روابط کے وجود پر دلالت کرتی ہیں جو انسان کو غیر عادی طریقے سے علم اور ہدایت فراہم کرتے ہیں۔ یہ مثالیں وحی کے سمجھنے میں معاون ہیں، آج بہت سے لوگ وحی کے بارے میں سخت شک میں مبتلا ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کا انکار کر دیا، ادیان اور احکام شرعیہ کا تمسخر اڑایا، حالانکہ قرآن وحدیث اور ادیان نے دنیا میں عظیم اجتماعی اور فکری انقلاب برپا کیا اور تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا، اب یہ انسانیت کی توہین ہے کہ انقلاب کے ان عظیم اسباب کو غلط اوہام یا دیدہ دانستہ بولے گئے جھوٹے اقوال پر مبنی قرار دیا جائے۔

چھٹی دلیل:

یہ بات مشاہدے میں آچکی ہے اور جدید سائنس نے اس کی تصدیق کی ہے کہ بعض لوگ ایسے روحانی مظاہرے کرتے ہیں جنہیں خوارق میں شمار کیا جا سکتا ہے اور علماء کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا کہ ایسے واقعات ہو سکتے ہیں، لطف کی بات یہ ہے کہ جن لوگوں سے ایسے خرق عادت واقعات صادر ہوئے وہ خالی الذہن تھے (یعنی انہوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت یہ مظاہرے نہیں کیے) ان واقعات کی ایسی مادی توجیہ بھی

نہیں کی جاسکتی جس کی بنیاد حس پر ہو، دنیا کے بڑے بڑے شعبدہ بازوں نے یہ مظاہرے دیکھے اور گواہی دی کہ یہ شعبدہ بازی نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ یہ روحانی مظاہرے ہیں ان میں مہارت یا چابکدستی کا عمل دخل نہیں ہے۔ (۱)

یہ وہ حقیقت ہے جسے موجودہ دور کی جدید سائنس نے تسلیم کیا ہے، سائنس دان تسلیم کرتے ہیں کہ بعض لوگوں پر کسی کوشش اور فکر کے بغیر روحانی انکشافات وارد ہوتے ہیں، تو کیا وجہ ہے؟ کہ اس علمی کشف کے مقابلے میں اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے بعض ممتاز حضرات (انبیاء کرام) پر وحی کے ذریعے علمی انکشافات کے دروازے کھول دیتا ہے، جب کہ وہ عقلی اور اخلاقی اعتبار سے درجۂ کمال پر فائز ہوتے ہیں ـــــ اب تو سر کی آنکھوں سے حق وصداقت کی صبح کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

وحی کا عقلی ثبوت:

گزشتہ صفحات میں ہم نے علمی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ وحی ممکن ہے اور واقع ہوسکتی ہے، اب ہم عقلی (اور منطقی) دلیل سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ ممکن امر بالفعل واقع ہوا ہے، وہ یوں کہ اس کے واقع ہونے کی خبر صادق اور معصوم ہستی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے اور ہر وہ چیز جس کے واقع ہونے کی خبر صادق اور معصوم ہستی نے دی ہو وہ حق اور ثابت ہے، رہی یہ بات کہ وحی کے واقع ہونے کی خبر صادق اور معصوم ہستی نے دی ہے (یعنی صغریٰ) کی دلیل کیا ہے؟ اس پر قرآن پاک کی بہت سی آیات اور احادیث شاہد ہیں (جن کا ذکر اس سے پہلے مناہل العرفان میں گزر چکا ہے) کبریٰ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کے واقع ہونے کی خبر صادق اور معصوم ہستی نے دی ہو وہ حق اور ثابت

---

(۱) راقم نے سرہند شریف میں پانچ چھ سال کا بچہ دیکھا جو قرآن پاک کا حافظ تھا حالانکہ اس نے قرآن شریف یاد نہیں کیا تھا، بلکہ محض عطیۂ ربانی تھا، گزشتہ دنوں اخبارات میں ایک بچے کے بارے میں خبریں شائع ہوتی رہیں جو مبلغ اسلام ہے۔ ۱۲ اشرف قادری

ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ صدق اور عصمت کا تقاضا ہے، ہم نے کہا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صادق اور معصوم ہیں، اس کی دلیل آپ کا پیش کردہ معجزہ ہے اور معجزہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی تصدیق کرنے کے لئے بندوں سے فرما دے کہ جو کچھ میرے رسول میری طرف سے تمہیں پہنچائیں اس میں وہ سچے ہیں۔ اور ان میں سے ایک دعویٰ یہ ہے کہ (یُوحیٰ اِلَیَّ) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔(۱)

(۱) محمد عبدالعظیم زرقانی، علامہ: مناھل العرفان فی علوم القرآن: ۱/۶۶۔۵۸

اسلام زمانے میں دبنے کو نہیں آیا

قرآن کا چیلنج قبول کرنے کی کس میں ہمت ہے؟

دنیا کی آبادی کا چوتھائی سے زیادہ حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے، مسلمان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور واجب الوجود ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، مسلمان جس ہستی کو الٰہ مانتے ہیں اسے پیدائش اور موت سے پاک مانتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک الٰہ برحق نہ کسی کا باپ ہے، نہ بیٹا ہے ار رنہ شوہر ہے، نہ وہ کسی شے کی مثل ہے اور نہ کوئی شے اس کی مثل ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں، ہر کوئی اس کا محتاج ہے۔

مسلمان اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء کرام کو برحق تسلیم کرتے ہیں، خواہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے (کہ کسی ایک کو مانیں اور دوسرے کو نہ مانیں) لیکن غیر مسلم خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی یا ہنود عموماً اُن کے دل اسلام، قرآن اور صاحب قرآن سید عالم ﷺ کی عداوت سے بھرے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کی دل آزاری کا کوئی موقع رائگاں نہیں جانے دیتے، شیطان رشدی، تسلیمہ نسرین اور کرسٹینا لیمب قسم کے بدقماش لوگ ان کی آنکھوں کا تارا ہیں جو اسلام کو گالی دینے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔

کچھ عرصہ پہلے امریکہ کی ایک کمپنی ''امیر کہ آن لائن'' نے انٹرنیٹ پر چار سورتیں نشر کیں: (۱) سورۃ الایمان (۲) سورۃ التجسد (سورۃ المسلمون) (۴) سورۃ الوصایا۔ اور دعویٰ یہ کیا کہ ہم نے قرآن کا چیلنج قبول کرتے ہوئے ایک نہیں چار سورتیں پیش کردی ہیں، اس حرکت کے ذمہ دار شخص نے پردہ نشینی اختیار کی ہوئی ہے اور اپنا نام اور پتہ ظاہر نہیں کیا، تاہم جامعہ ازہر شریف کے علماء نے انکشاف کیا ہے کہ اس شخص کا نام سکاٹ جوزف ہے

جسے ایک یہودی نے پانچ ہزار ڈالر دے کر اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی پر آمادہ کیا ہے۔ یہ شرارت ستمبر ۱۹۹۷ء سے چل رہی ہے، چند ہفتے قبل علماء ازہر شریف نے اس کا سخت نوٹس لیا اور اس کے خلاف انٹرنیٹ پر بیانات جاری کئے۔

دنیا بھر کے مسلمانوں نے مختلف ممالک سے مذکورہ امریکن کمپنی کو سینکڑوں احتجاجی مراسلے بھیجے، جس کے نتیجے میں مذکورہ کمپنی نے ان سورتوں پر پابندی لگا دی، اسی طرح ایک دوسری کمپنی ٹرائی بورڈ نے بھی ان پر بین لگا دیا، لیکن ایک تیسری کمپنی ''جیوسیٹز'' پابندی لگانے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس صورت حال میں تمام اسلامی ممالک کے وزراء خارجہ اور خاص طور پر پاکستان کے وزیر خارجہ کا فرض بنتا ہے کہ امریکہ سے احتجاج کریں اور مطالبہ کریں کہ یہ تمام کمپنیاں نہ صرف شرانگیز سلسلہ بند کریں، بلکہ عالم اسلام سے معافی بھی مانگیں۔ جہاں تک ان سورتوں کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہم چند باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں۔

۱۔ یہ چیلنج نبی اکرم ﷺ نے اپنی طرف سے نہیں دیا، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا چیلنج ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ تیرہ بخت لوگ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

۲۔ نبی اکرم ﷺ کے چیلنج کے وقت پوری دنیائے کفر قرآن پاک کی ایک مختصر سورت جیسی سورت بنا کر پیش نہ کر سکی۔ حالانکہ اس وقت فصاحت و بلاغت کے بڑے بڑے دعویدار موجود تھے، جب وہ مقابلہ کرنے سے عاجز تھے تو آج کے لوگ کہاں مقابلہ کر سکیں گے؟ جن کو عربی پر اُس درجے کا عبور حاصل نہیں ہے۔

۳۔ ماضی میں بھی لوگوں نے قرآن پاک کا چیلنج قبول کرنے کی طفلانہ حرکت کی تھی، لیکن وہ اسلام یا قرآن کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، خود ان کا نام ونشان مٹ گیا۔

۴۔ قرآن پاک کا اعجاز یہ ہے کہ ہر سورت فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے، قرآن پاک میں ماضی و مستقبل سے متعلق امور غیبیہ کی سچی خبریں دی گئی ہیں۔ جب کہ

ان من گھڑت سورتوں کی کیفیت یہ ہے کہ بدیع الزمان ہمدانی اورابوالقاسم حریری کی تحریرات کے سامنے بھی تھرڈ کلاس نظر آتی ہیں، امور غیبیہ کا تو تذکرہ ہی کہاں ہے؟

۵۔ قرآن پاک کا ایک اعجاز یہ بھی ہے کہ وہ تضاد سے پاک ہے، جب کہ یہ نام نہاد سورتیں تضادات کا پلندہ ہیں، سورۃ الایمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا گیا ہے:۔

- ——انت هو ابن الله حقا (آپ سچ مچ اللہ کے بیٹے ہیں، معاذ اللہ!)

اور ''سورۃ التجسد'' میں کہا گیا ہے۔

- ——سبحانه رب العالمين ان يتخذمن خلائقه ولدا (رب العالمین اس امر سے پاک ہے کہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کو بیٹا بنائے)
- ——اسی سورت میں بتایا گیا ہے کہ جب رب العالمین نے انہیں بھیجا۔

حل فی بطن عذراء كلمة وخرج منه جسدا

''بحیثیت کلمہ کے عذرا (حضرت مریم) کے پیٹ میں داخل ہوئے اور جسم بن کر نکلے، انسان کی طرح سوئے اورانسان کا فدیہ بن کر مر گئے۔''

اللہ اکبر! اس سے بڑا ذہنی دیوالیہ پن کیا ہوگا؟ کہ جو ایک خاتون کے پیٹ میں داخل ہوا، جسم بن کر پیدا ہوا، انسانوں کی طرح سویا اور انسانوں کی طرح فوت ہوگیا، وہ مخلوق نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ اورآپ خود مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بیٹا نہیں بناتا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے کیسے ہوگئے؟

۶۔ ایک اور سورت کا نام رکھا ہے ''سورۃ المسلمون'' یہ نام ہی غلط ہے سورۃ المسلمین ہونا چاہیے، اس میں دریدہ دہنی کی انتہا کرتے ہوئے بکواس کی ہے:۔

واذقال الله يامحمدأغويت عبادى وجعلتهم من الكافرين۔

''اے محمد! تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا ہے اور انہیں کافروں میں سے بنادیا

ہے۔''نعوذباللہ من ذلک۔

اس سے پہلے بھی بہت سے بدطینت مستشرقین نے نبی اکرم رہبر عالم ﷺ کے بارے میں زہرافشانی کی ہے، لیکن ایسے انصاف پسند مستشرقین کی بھی کمی نہیں ہے جنہوں نے دل کھول کر اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم ﷺ کوخراج عقیدت پیش کیا، پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان کتاب ''ضیاء النبی'' اور مجلّہ نقوش، لاہور (رسول نمبر) کی گیارہویں جلد میں ڈاکٹر نثار احمد کے مقالہ میں ڈریپر، لامارٹن، باسورتھ اسمتھ، لیونارڈ اور کارلائل وغیرہ کے اقتباسات پڑھے جاسکتے ہیں جنہوں نے دل کھول کر نبی آخرالزماں ﷺ کوخراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔مشہور زمانہ روایت ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے انگلینڈ میں واقع قانون کے مشہور کالج ''لنکن اِن'' میں اس لیے داخلہ لیا تھا کہ اس کے گیٹ پر دنیا کے عظیم قانون دانوں کی لسٹ لگی ہوئی تھی۔جس میں سرفہرست ہمارے آقا ومولا محمد مصطفےٰ ﷺ کا نام نامی تھا۔

اسی طرح ایک عیسائی مصنف ''دی مائیکل'' نے اپنی کتاب ''دی ون ہنڈرڈ'' میں تاریخ عالم کے ان عظیم محسنوں کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے قابل قدر کام کیا، اس فہرست میں سب سے اوپر سب سے پہلا نام محسن انسانیت بلکہ محسنِ عالم ﷺ کا اسم مبارک ہے۔جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام پچاس نمبر کے بعد ہے، چلیں ان لوگوں کو بھی چھوڑیں سیدنا روح اللہ وکلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہی سن لیں جو نبی آخرالزماں ﷺ کی تشریف آوری کی بشارتیں دیتے رہے، بشارت دینے کا تذکرہ قرآن پاک میں بھی ہے اور انجیل میں بھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

> لیکن عنقریب میرے بعد نبیوں اور پاک آدمیوں کی روشنی آئے گی، تب وہ تمام نبیوں کے اقوال کی تاریکی پر نور چمکائے گا، کیونکہ وہ اللہ کا رسول

ہے'' (انجیل برناباس، (اردو ترجمہ) فصل ۱۷، ص ۶۵)

آگے جا کر تو نام اقدس کی تصریح کر کے مسئلہ ہی صاف کر دیا، فرماتے ہیں:

''تحقیق اس کا مبارک نام محمد ہے'' (انجیل برناباس، فصل ۹۷، ص ۱۹۶)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''اور میں اپنے آپ کو اس کا مانند شمار نہیں کرتا، جس کی نسبت تم کہہ رہے ہو، کیونکہ میں اس کے لائق نہیں ہوں کہ اس رسول اللہ کے جوتے کے بند یا نعلین کے تسمے کھولوں جس کو تم مسیا (مسیحا) کہتے ہو''

(انجیل مذکور فصل ۴۲، ص ۱۱۱)

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو نبی آخر الزمان ﷺ کے بارے میں یہ فرمائیں اور ان کے نام نہاد امتی یہودیوں سے ڈالر لے کر حضور اقدس ﷺ کی توہین اور بے ادبی کریں، ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں: **موتو ابغیظکم**

۷۔ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر بے ادب اور گستاخ ہیں، بلکہ عیسائیوں کے مطابق انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھایا تھا، یہودی سیدہ مریم سلام اللہ علیہا السلام کی پاکدامنی پر بھی کیچڑ اچھالتے رہے۔ اس کے برعکس قرآن پاک نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تقدس مآبی بیان کی اور بتایا کہ وہ صدیقہ تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی رسول کلمۃ اللہ اور صاحب کتاب ہیں، اسکے باوجود موجودہ دور کے نام نہاد عیسائی یہودیوں کے ڈالروں پر مر مٹ رہے ہیں اور نبی قرآن حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں زبان درازی کر رہے ہیں۔ کیا یہی احسان شناسی ہے؟ اور کیا یہی حق پرستی ہے؟ ان کی دنیا پرستی کا تو یہ عالم ہے کہ ان ہی کے آباء و اجداد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چند سکوں کے بدلے فروخت کر دیا تھا۔

۸۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے عربی میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر لکھی تھی اور دعویٰ یہ کیا کہ یہ

معجزانہ تفسیر ہے، حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''سیف چشتیائی'' میں اس نام نہاد معجزہ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ دو سو مقامات کی نشاندہی فرمائی جہاں گرائمر کے اعتبار سے غلطیاں تھیں یا مرزا غلام احمد قادیانی نے ''مقامات حریری'' وغیرہ کتب کی چوری کی ہوئی عبارات درج کی تھیں، کچھ ایسا ہی حال پیش نظر سورتوں کا ہے جن کے بارے میں کمال ڈھٹائی سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ دیکھئے ہم نے قرآن کا چیلنج قبول کر لیا ہے، حضرت مولانا روم رحمہ اللہ کا مصرع بے ساختہ یاد آیا ہے:

ع مہ فشاند نور و سگ عوعو کند

چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

زبان بھی آزاد ہے، قلم بھی آزاد ہے، جب انسان غیرت اور حیاء سے عاری ہو جائے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے، جو چاہے بکے،

بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

سورۃ الوصایا ملاحظہ ہو، اس میں ایک جگہ لکھا ہے:۔

انا ارسلنک للعالمین مبشرا و نذیرا۔

''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے خوشخبری اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا۔''

آیت ۵ میں لکھا:

اذ قد ختمنا بک الانبیاء (ہم نے آپ کے ذریعے انبیاء کرام کو ختم کر دیا)

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کلمات میں خطاب کس کو ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:۔

۱۔ نبی آخر الزمان ﷺ کو خطاب ہو، تو یہ درست اور بجا ہے، اس سے یہ لازم آئے گا کہ سورۃ المسلمون کی آیت ۸ جھوٹ کا پلندہ جس میں کہا گیا ہے کہ:

''اے محمد ﷺ! تم نے میرے بندوں کو اغوا کر کے کافر بنا دیا ہے۔''

۲۔ یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہو تو پھر اسی سورۃ الوصایا کی آیت ۱۶ کا کیا

مطلب ہے؟ جس میں کہا گیا ہے:

وان شغل جبریل عنک فعلیک بورقةبن نوفل۔

اگر تم سے جبریل روک دیئے جائیں تو ورقہ ابن نوفل کو لازم پکڑیں۔

ورقہ ابن نوفل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں نہیں، بلکہ نبی آخر الزمان ﷺ کے زمانے میں تھے اور پہلی وحی نازل ہونے کے بعد آپ پر ایمان لا کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔

۹۔ سورۃ الوصایا کی چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

- ——(آیت نمبر ۸) ''میرے بندے اپنے گھروں میں کتا نہ پالیں اور دیواروں پر تصویر نہ لگائیں۔''
- ——(آیت نمبر ۱۰) اگر قضائے حاجت کیلئے جائیں تو اپنا پچھلا حصہ تین پتھروں کے ساتھ صاف کریں، لید سے بچیں، کیونکہ اسے ہم نے جنوں کی غذا بنایا ہے۔''
- ——(آیت نمبر ۱۱) جو شخص ان سے جہاد نہیں کرے گا اور اس کا نفس جہاد کے بارے میں گفتگو نہیں کرے گا تو وہ بحیثیت منافق مرے گا۔
- ——(آیت نمبر ۱۲) ''جن لوگوں کو جادو کا ڈر ہے وہ سات عجوہ کھجوریں کھائیں، اللہ ان کو جادو سے نجات عطا فرمائے گا۔

یہ سب احادیث مبارکہ ہیں ان کے الفاظ چرا کر آیتیں گھڑ لی گئی ہیں۔

(آیت نمبر ۲) **انا ارسلناک للعالمین مبشرا ونذیرا۔**

- ——(آیت نمبر ۱۳) **وان ینکحوا ماطاب لهم من النساء مثنی وثلاث ورباع اوماملکت ایمانهم۔**

یہ قرآن پاک کے کلمات اور جملے چرا کر آیتیں تیار کرلی گئی ہیں۔

آیت نمبر ۱۱ (ترجمہ) میرے بندوں کو کہہ دیجئے کہ جس کے ساتھ چاہیں جہاد

کریں۔

ویقتلوا من اجل رزقھم۔ اور اپنے رزق کے لئے قتل کریں۔

ڈاکہ زنی کی کتنی کھلم کھلا تلقین کی گئی ہے؟

کیا اسی قابلیت کے بل بوتے پر اکڑفوں دکھائی جا رہی ہے؟ کہ ہم نے قرآن پاک کا چیلنج قبول کرلیا ہے، حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے؟

ع نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ہر آدمی جو سر منڈوالے قلندر نہیں بن جاتا، اسی طرح جو چند سطریں عربی لکھ لے ضروری نہیں کہ وہ کنگرہ اعجاز کو چھو لے اور انٹرنیٹ پر اشتہار دے کہ ہم نے قرآن کا چیلنج قبول کرلیا ہے۔

عیسائیوں کی بائیبل میں ہر آنے والے ایڈیشن میں تبدیلیاں کی جاتی ہیں، اس کے باوجود یہ لوگ اس کی عبارت کو موجودہ دور کے مطابق ماڈرن نہیں بنا سکے۔ بائیبل پڑھنے کی کوشش کریں تو ایسی بو محسوس ہوگی جیسے ہم قدیم عمارات کے کھنڈرات میں آگئے ہیں۔ پھر کئی جگہ حیا سوز تحریریں پڑھنی پڑیں گی، مثلاً حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیوں کے حوالے سے وہ بیہودہ باتیں درج ہیں کہ کوئی شریف آدمی ان کو پڑھنا اور بیان کرنا گوارا نہیں کرے گا۔

سکاٹ جوزف صاحب! آپ قرآن پاک کا مقابلہ کیا کریں گے؟ یہ وہ کتاب ہے جس کی جدت، جودت اور انفرادیت ہر دور میں برقرار رہی ہے، اس کی کوئی آیت کسی بڑے سے بڑے ادیب کی عبارت میں رکھ دی جائے تو یوں ممتاز نظر آئے گی جیسے کسی ہار میں کوہِ نور ہیرا جڑا ہوا ہو، آپ اپنی بائیبل کی خیر منائیں اسے ماڈرن لینگویج میں لکھ کر دنیا کے سامنے پیش کردیں اور اس میں شامل کی ہوئی بیہودہ خرافات نکال باہر کریں پھر کسی اور کام کے بارے میں سوچیں۔

۱۰۔ راقم اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہے کہ سقوطِ روس کے بعد امریکہ اور یورپی ممالک کے مفکرین بجا طور پر یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اب ہمارا مقابلہ اسلام اور مسلمانوں سے ہے اور یہ خطرہ کوئی وہم و خیال کی پیداوار نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت ہے، اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کی تعلیمات انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہیں، آج ترقی یافتہ ممالک کے باشندوں کے پاس دنیا کی ہر نعمت اور آسائش موجود ہے۔ اس کے باوجود روحانی چین اور سکون سے محروم ہیں۔ یہ روحانی سکون اللہ تعالیٰ کی یاد اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ہی مل سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج امریکہ اور یورپی ممالک میں اسلام قبول کرنے کی رفتار بہت تیز ہے اور یہی وجہ ہے کہ جوزف جیسے لوگ اسلام کے خلاف اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان اپنا فرض پہچانیں اور اسے ادا کرنے کی سبیل نکالیں، اور یہ وہ کہ اسلام کی بنیادی تعلیمات معقول اور مدلل پیرائے میں انگریزی اور دوسری زبانوں میں منتقل کریں۔ پھر انہیں لٹریچر کی صورت میں بھی تقسیم کریں، اور انٹرنیٹ پر بھی پیش کریں اور اس امر کا بھی اہتمام کریں کہ جو طالب علم سوالات کریں انہیں تسلی بخش جوابات دیے جائیں اور جو منکرین اعتراضات کریں ان کے بھی مسکت جوابات دیے جائیں۔ ظاہر ہے یہ کام مسلم حکومتیں کر سکتی ہیں یا مسلم تنظیمیں، جو مالی طور پر مستحکم ہوں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!



کیاملّتِ اسلامیہ قرآن پاک کی بے حرمتی کے باوجود بیدار نہیں ہوگی؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سقوطِ روس کے بعد دنیائے کفر کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکنے والا دین صرف اور صرف اسلام ہے، غیر مسلم (یہود، ہنود اور نصاریٰ) متحد ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے درپے ہیں، گیارہ ستمبر کے بعد ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہر حربہ پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے، تمام ذرائع ابلاغ (اخبارات وجرائد، ٹی وی، انٹرنیٹ) اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی میں مصروف ہیں، مسلمانوں کو دہشت گرد ثابت کرنے اور اسلام کو دہشت گردی کا دین دکھانے کیلئے تمام زور بیان صرف کیا جا رہا ہے۔

افغانستان پر ہزاروں ٹن بارود برسا کر پورے ملک کو ''تورابورا'' بنادیا گیا، آج تک نہ تو اسامہ بن لادن ان کے ہاتھ آسکا اور نہ ہی ''نائن الیون'' کے حادثے میں اس کا ملوث ہونا ثابت کیا جاسکا۔ سرزمین عراق پر پھر ایک ''کربلا'' بپا ہے اور امریکی نہ صرف عراقی مسلمانوں کو ضروریاتِ زندگی سے محروم کرنے بلکہ ان کا خون پانی کی طرح بہانے میں مصروف ہیں، تاریخ کی کتنی بڑی دہشت گردی ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو خاک وخون میں تڑپانے کے باوجود کسی کے ضمیر پر ندامت کا بوجھ نہیں ہے، ابوغریب جیل میں وحشت ودرندگی کے وہ کھیل کھیلے گئے کہ احساس رکھنے والے امریکی بھی تھرا اُٹھے، ملت اسلامیہ کی بیٹیوں کی چیخیں عرش کے کنگروں سے ٹکراتی رہیں، غیر مسلم وحشی درندوں پر تو کیا اثر ہونا تھا اسلامی ممالک کے سربراہوں کے کانوں پر بھی جوں تک نہ رینگی اور نہ ہی ان کے عیش وعشرت میں کوئی فرق آیا۔

گوانتاناموبے میں نام نہاد تفتیش کے نام پر مسلمانوں کے بچوں کو جانوروں کی طرح پنجروں میں بند کر کے ان پر ظلم وستم کی انتہا کر دی گئی، کنٹینروں میں بند کر کے بے آب وگیاہ تپتے ہوئے صحراؤں میں چھوڑ دیا گیا جہاں وہ چیختے چلاتے اس دنیا سے رخصت سے ہو گئے، ظالموں نے ایسے ایسے ظلم کئے۔ جنہیں اگر چنگیز، ہلاکو اور ہٹلر کی روح بھی دیکھ لیتی تو وہ بھی تھرا اُٹھتی۔

دنیا میں ایک ارب سے زیادہ موجود مسلمانوں نے یہ حالات دیکھے اور اکثریت نے اسے کوئی اہمیت ہی نہیں دی، حالانکہ امت مسلمہ ایک جسم کی حیثیت رکھتی ہے کوئی ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ظالموں نے مسلمانوں کے دلوں کو چھلنی کرنے کے لئے ایک کے بعد دوسرا حربہ آزمانا شروع کیا ہوا ہے، ابھی حال ہی میں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ عراق میں ساڑھے تین سو سائنس دان اور دوسو پروفیسر شہید کئے جا چکے ہیں، پاکستان کو اس کی وفاداری کا انعام ایک کارٹون کے ذریعے دیا گیا اور پاکستان کے ذمہ داروں کو بتا دیا گیا کہ ہمارے نزدیک تمہاری اوقات کیا ہے؟

کوئی شک نہیں کہ اس تمام صورتِ حال کی بناء پر عامۃ المسلمین نا قابلِ برداشت دکھ درد میں مبتلا تھے، لیکن قرآن پاک کی بے حرمتی کی خبر تو ان پر بجلی بن کر گری، اس خبر نے ان کی زندگی کو جہنم بنا دیا اور انہیں خون کے آنسو بہانے پر مجبور کر دیا۔ امریکی دہشت گرد اخلاق، شرافت اور انسانیت سے اس قدر عاری ہو چکے ہیں کہ ان کے ذمہ داروں کو اتنی بھی توفیق نہیں کہ دنیائے اسلام کے زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کیلئے معذرت کے دو جملے ہی کہہ دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے خلاف قراردادیں پاس کرنے، ان سے مطالبے کرنے اور احتجاج کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، ؏......

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اس گھمبیر صورتِ حال کا واحد علاج یہ ہے کہ یورپین ممالک کی طرح پچاس سے زیادہ اسلامی ممالک متحد ہو جائیں اور ظالموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کریں۔

معروضی حالات میں تو حضرت عبدالمطلب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہی دعا کی جا سکتی ہے:

''اے خالق و مالک! اے جبار و قہار! تیری زندہ جاوید، سب سے مقدس اور سب سے آخری کتاب، رحمۃ للعالمین ﷺ کی لائی ہوئی کتاب کی عزت و حرمت کا معاملہ ہے، ہم دنیا بھر کے مسلمان اس کی حفاظت نہیں کر سکے، ہم نالائق ہیں، شرمسار ہیں تو اس کتاب مبین کی توہین کرنے والوں پر قہر و غضب کی بجلیاں گرا، ان پر ابابیل بھیج۔

''تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ۔''

اے اللہ! ہمیں غیرت ایمانی عطا فرما، ہمارے دلوں کو جرأت خالد عطا فرما، ہمارے بازوؤں کو قوتِ حیدری عطا فرما۔

اے خالق و مالک! ہم میں کوئی سلطان صلاح الدین ایوبی پیدا فرما، ہم میں کوئی الملک الظاہر بیبرس پیدا فرما اور ہماری خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف فرما اور اپنے حبیب ﷺ کے سامنے روز حشر شرمندہ ہونے سے بچا۔ آمین!

جولائی ۲۰۰۵ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الكريم وعلی آله وأصحابه اجمعين

جنابِ صدر گرامی قدر! ومعزز حاضرین!

میرے مقالہ کا موضوع ہے:

تفسیر فتح العزیز معروف بہ تفسیر عزیزی

سرزمین پاک وہند دنیا بھر میں وہ ممتاز خطہ ہے جہاں سے ہر فن اور ہر شعبے کے نامور افراد پیدا ہوئے، اولیاء، فقہاء، دانشور، مفکر، فلسفی، ادیب، شاعر، سیاست دان، مفسر، محدث، اصولی اور معقولی غرض یہ کہ علم وفن کا کوئی شعبہ لے لیجئے آپ کو ایک سے بڑھ کر ایک شخصیت ملے گی، مصنفین، مدرسین، خطباء اور تذکرہ نگاروں کی یہاں کمی نہیں رہی، بلکہ اس خطے میں بکثرت وہ نابغۂ روزگار حضرات گزرے ہیں جو جامع العلوم تھے اور بیک وقت دسیوں علوم میں ید طولیٰ رکھتے تھے، یہی وہ اربابِ علم وفضل تھے جنہوں نے شمع اسلام کو فروزاں رکھا اور علم وعرفان اور دانش وفکر کی قندیلیں روشن رکھیں۔ ان حضرات کا تذکرہ اور تعارف ایک تو احسان شناسی کا تقاضا ہے —— دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم ان کی جگمگاتی زندگیوں سے کسبِ نور وضیاء کریں اور اپنے لئے زندگی کی راہیں متعین کریں، بلاشبہ ان حضرات کی زندگیاں سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ اور تعلیماتِ مبارکہ کا عکس جمیل تھیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ تعالیٰ کے بعد حکیم ملتِ اسلامیہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ وہ فرد فرید ہیں جن کے فیوض وبرکات نے صرف متحدہ پاک وہند کے رہنے والوں کو سیراب نہیں کیا بلکہ ان کے علمی اور روحانی فیض نے دنیا بھر کے اربابِ علم ودانش کی راہنمائی فرمائی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یوں تو ساٹھ کے قریب تصانیف عالیہ کا ذخیرہ یادگار چھوڑا، لیکن قرآن و حدیث سے متعلق ''فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن'' (قرآن پاک کا فارسی ترجمہ) ''فوز الکبیر'' اور ''فتح الخبیر'' (اصول تفسیر کے موضوع پر) اور عربی شرح ''مسوّیٰ'' اور فارسی شرح ''مصفّٰی'' ان کی شہرہ آفاق تصانیف ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادوں نے بھی تمام زندگی قرآن وحدیث اور علوم دینیہ کی خدمت میں صرف کی اور اسلام کی تعلیم واشاعت کے سلسلے میں انمٹ نقوش یادگار چھوڑے۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے ''موضحِ قرآن'' کے نام سے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر اردو میں لکھی۔ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی نے اردو میں قرآن پاک کا ترجمہ لکھا۔ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ''تفسیر فتح العزیز'' معروف بہ ''تفسیر عزیزی'' فارسی میں لکھی، خاندان ولی اللّٰہی پر ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مقولہ بجا طور پر صادق آتا ہے، ان حضرات کا فیض مقامی نہیں بلکہ آفاقی تھا۔

چونکہ تمام مکاتبِ فکر بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث خاندان ولی اللّٰہی کے فیض یافتہ ہیں اور سب کی سندِ حدیث اِن حضرات تک پہنچتی ہے، اس لئے بلا امتیاز سب ہی ان کے ممنونِ احسان ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں، اگر ان کے فتاویٰ اور معمولات کو ان کی تصانیف کی روشنی میں مستند مان لیا جائے تو اختلافات کی خلیج بہت حد تک کم ہو سکتی ہے۔

اس سلسلے میں اس امر کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی شاگرد اور خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے شاہ صاحب کی سوانح حیات ''القول الجلی'' ان کی زندگی میں لکھی جسے انہوں نے ملاحظہ بھی فرمایا، زمانہ تصنیف کے تقریباً پونے دوسو سال کے بعد اس کے مخطوطہ کا عکس ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء میں چھپ گیا ہے، شاہ صاحب کی یہ وہ مستند سوانح حیات ہے جس سے ان کے افکار و نظریات کو سمجھنے میں صحیح راہنمائی مل سکتی ہے۔

''تفسیر عزیزی'' کے تعارف سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تفسیر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا مختصر تذکرہ پیش کردیا جائے۔

آپ ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۵ء میں پیدا ہوئے، غلام حلیم آپ کا تاریخی نام ہے، آپ کا سلسلۂ نسب چونتیس واسطوں سے حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ تمام علوم وفنون اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حاصل کئے، اور ان ہی کے دست اقدس پر بیعت ہوئے، والد ماجد کی بیعت کے وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی، چونکہ علم وفضل کے اعتبار سے اپنے بھائیوں میں بڑے تھے، اس لئے آپ ہی والد گرامی کے جانشین مقرر ہوئے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مروّجہ اور غیر مروّجہ علوم وفنون میں حیرت انگیز مہارت رکھتے تھے۔ حافظہ نہایت قوی تھا، خوابوں کی تعبیر، وعظ وخطابت اور انشا پردازی میں ید طولیٰ رکھتے تھے، ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ مشکل سے مشکل مسئلہ چٹکیوں میں حل کردیتے تھے، مخالفین اور معترضین کو فی البدیہہ ایسا جواب دیتے کہ وہ ششدر رہ جاتے۔

ایک ہندو نے سوال کیا کہ ''اللہ تعالیٰ ہندو ہے یا مسلمان''؟ آپ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ ہندو ہوتا تو گاؤکشی کا سلسلہ جاری نہ ہوتا''، یہ جواب اس کے دل میں اتر گیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہوگیا، یاد رہے کہ اس وقت شاہ صاحب کی عمر صرف سترہ سال تھی۔

ایک پادری نے کہا:

''کہ میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن اس کا جواب نقلی نہیں عقلی ہونا چاہیے''۔

شاہ صاحب نے فرمایا: ''پوچھو''۔

اس نے کہا:

''کہ آپ کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، امام حسین کی

شہادت کے موقع پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہ کی؟ محبوب کا محبوب تو بہت ہی محبوب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ضرور توجہ فرماتا اور آپ کی دعا قبول فرماتا۔

شاہ صاحب نے فرمایا:

''ہمارے پیغمبر ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی، پردۂ غیب سے ندا آئی کہ آپ کے نواسے پر بے شک ظلم کیا گیا ہے اور انہیں شہید کر دیا گیا ہے، لیکن میں کیا کروں کہ مجھے اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) کو سولی پر چڑھانے کا واقعہ یاد آ گیا ہے۔ اس جواب پر ہمارے نبی ﷺ خاموش ہو گئے۔

اس الزامی جواب پر پادری اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

ایک دن ریزیڈنٹ دہلی ملاقات کے لئے آ گیا، دورانِ گفتگو اس نے ایک سوال پیش کیا اور کہا: کوئی اس کا جواب نہیں دیتا، سوال یہ تھا:

ایک شخص راستہ بھول گیا اس نے دیکھا کہ ایک شخص سویا ہوا ہے اور دوسرا بیٹھا ہوا ہے، وہ کس سے راستہ پوچھے؟'' (مطلب یہ تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ قبر انور میں آرام فرما ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر تشریف فرما ہیں، اور ان پر موت طاری نہیں ہوئی)

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا:

''راستہ گزرنے کے لئے ہوتا ہے، بیٹھنے کے لئے نہیں ہوتا، معلوم ہوتا ہے کہ بیٹھنے والا اس انتظار میں بیٹھا ہے کہ سونے والا بیدار ہو تو اس سے راستہ معلوم کر کے منزل مقصود تک پہنچوں، اس لئے تیسرے شخص کو بھی انتظار کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی بیٹھنے والے کے ہمراہ جا سکے۔'' (۱)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علوم وفنون اور روحانیت کا بحرِ ذخار تھے،

---

(۱) محمد بیگ، مولانا: مقدمہ فتاویٰ عزیزی (طبع مجتبائی، دہلی، ص ۵۔۲

حدیث اور تفسیر کے ساتھ آپ کو خصوصی شغف تھا، آپ کے حلقۂ درس سے فیض یاب ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، چند حضرات کے نام پیش کئے جاتے ہیں:۔

۱ حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی (جن سے امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سند حدیث لی)

۲ مولانا مفتی صدر الدین آزردہ (صدر الصدور دہلی)

۳ مولانا مخصوص اللہ (برادر زادہ)

۴ شہید جنگ آزادی علامہ فضل حق خیر آبادی۔

۵ مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی بدایونی۔

۶ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادی۔

۷ حضرت شاہ ابو سعید اور ان کے صاحبزادے حضرت شاہ احمد سعید مجددی۔

۸ مولانا شاہ ظہور الحق پھلواروی۔

۹ مولانا شاہ عبد الغنی پھلواروی۔(۱)

۱۰ شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی (نواسہ اور جانشین)

۱۱ مولانا شاہ رفیع الدین (برادر)

۱۲ مولانا رشید الدین خان دہلوی۔

۱۳ حضرت شاہ غلام علی دہلوی۔

۱۴ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی۔

۱۵ شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (برادر زادہ)

۱۶ مولوی عبد الحی دہلوی (داماد) وغیرہم۔(۲)

---

(۱) محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہل سنت، طبع فیصل آباد، ص ۱۳۲

(۲) محمد بیگ، مولانا: مقدمہ فتاویٰ عزیزی، ص ۴

حضرت محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ وقت تدریس، افتاء، تبلیغ اور ارشاد و ہدایت میں صرف ہوا، تاہم آپ کی ہر تصنیف انتخاب ہے، درج ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں:۔

(1) تفسیر فتح العزیز (2) عُجالۂ نافعہ (3) بستان المحدثین (4) فتاویٰ عزیزی (5) تحفہ اثنا عشریہ (6) سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل (7) ملفوظات (8) وسیلۃ النجاۃ (9) عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس (10) سرّ الشہادتین (11) میزان العقائد

حضرت محدث دہلوی نے تیرہ سال کی عمر میں صرف ونحو، اصولِ فقہ، کلام، ہندسہ (جیومیٹری) ہیئت وغیرہ علوم میں مہارت حاصل کر لی تھی، فارسی، اردو، عربی اور عبرانی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔

ڈاکٹر ثریا ڈار لکھتی ہیں:

> صاحب علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی ج ۲ ص ۲۴۶) لکھتے ہیں،
> ''آپ علم تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے اور ہیئت، ہندسہ، مجسطی، مناظر، اصطرلاب، جرثقیل، طبیعیات، منطق، الٰہیات، اتفاق واختلافِ ملل ونحل، قیافہ، تاویل، تطبیق مختلف اور تفریق مشتبہ میں یکتائے روزگار تھے، فن ادب اور ہر قسم کے اشعار سمجھنے میں بلند مرتبہ رکھتے تھے۔'' (۱)

تفسیر فتح العزیز

قرآن پاک کی تفسیر کرنے والے کے لئے درج ذیل علوم میں مہارت ضروری ہے:

(1) لغت (2) صرف (3) نحو (4) علوم بلاغت (علم معانی، بیان، بدیع) (5) اصولِ

---

(۱) ثریا ڈار، ڈاکٹر: شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کی خدمات (ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور) ص ۲۵۲

فقہ۔ ❻ علم التوحید ❼ اسبابِ نزول کی معرفت ❽ قصص ❾ ناسخ ومنسوخ۔ ❿ قرآن کریم کے مجمل اور مبہم بیان کرنے والی احادیث۔ (۱۱) علم وہبی۔

علم وہبی اس عالم باعمل کو عطا کیا جاتا ہے جس کے دل میں بدعت تکبر دنیا کی محبت اور گناہوں کی طرف میلان نہ پایا جاتا ہو۔[1]

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نہ صرف مذکورہ بالا علوم بلکہ ان کے علاوہ دیگر بہت سے علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

حضرت محدث دہلوی نے ''تفسیر فتح العزیز'' فارسی میں لکھی ہے جو اس وقت ہندوستان میں عام رائج تھی، پہلے آیت کریمہ کا ترجمہ لکھتے ہیں پھر تفسیری مباحث بیان کرتے ہیں۔

محدث دہلوی علم وفضل کا بحرِ ذخّار تھے۔ متقدمین مفسرین کی تفسیروں پر ان کی وسیع نظر تھی، اصحاب معرفت کے بیانات ان کے پیش نظر تھے، اسی لئے وہ جس مسئلے پر بھی گفتگو کرتے اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے کر پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ فیصلہ صادر کرتے تھے، اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کا ترجمہ عام مفسرین کی طرح یہ کرتے ہیں کہ:

''ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔''

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ بعض اہل معرفت فرماتے ہیں کہ اس جگہ استعانت کا معنی مدد طلب کرنا نہیں ہے، بلکہ معاینہ (مشاہدہ) کی طلب مراد ہے، یعنی:

''اے اللہ! عبادت کرنا ہمارا کام ہے اور مشاہدہ عطا فرمانا اور عین الیقین کے مقام تک پہنچانا تیرا کام ہے۔''

اس کے بعد حضرت شیخ سفیان ثوری کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دن شام کی نماز پڑھ رہے تھے جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پر پہنچے تو بے ہوش ہو کر گر

---

(۱) محمد عبدالعظیم منذرنی، علامہ: مناھل العرفان، ۱/۱۰۴

گئے، ہوش آنے پر لوگوں نے پوچھا کہ ''شیخ آپ کو کیا ہو گیا تھا؟'' انہوں نے فرمایا:

''جب میں نے ''اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن'' پڑھا تو مجھے خوف ہوا کہ کہیں مجھے یہ نہ کہا جائے کہ جھوٹے! پھر طبیب سے دوا، امیر سے روزی اور بادشاہ سے امداد کیوں مانگتے ہو؟''

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اسی لئے بعض علماء کہتے ہیں کہ انسان کو شرم آنی چاہیے کہ وہ ہر دن اور رات میں اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہو کر جھوٹ بولے۔

ظاہر ہے کہ اگر آیت کریمہ کا یہی مطلب ہو تو کسی حاکم سے عدل وانصاف نہیں طلب کر سکتے اور کسی ڈاکٹر سے دوا بھی نہیں لے سکتے، اس طرح تو نظام زندگی معطل ہو کر رہ جائے گا، اس لئے حضرت محدث دہلوی فیصلہ کن انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس جگہ سمجھنا چاہیے کہ مخلوق سے اس طرح مدد طلب کرنا کہ بھروسہ اس پر ہو اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر نہ جانے تو یہ حرام ہے، اور اگر توجہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر جانتے ہوئے، کارخانۂ اسباب اور اللہ تعالیٰ کی حکمت پر نظر کرتے ہوئے غیر سے ظاہری طور پر امداد طلب کرے تو یہ راہِ عرفان سے دور نہیں ہوگا، شرع شریف میں بھی جائز ہے، انبیاء اور اولیاء نے بھی اس قسم کی استعانت غیر سے کی ہے۔ درحقیقت یہ استعانت غیر سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔''[1]

قرآن پاک کے لطائف ونکات کا علم بحر ناپیدا کنار ہے اور ہر دن رو بترقی ہے۔ کیونکہ ہر صاحب فن اپنی استعداد کے مطابق اپنے فن کی مدد سے قرآن کریم سے نکات

---

(۱) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی (مجتبائی، دہلی) پ ا، ص ۱

حاصل کرتا ہے، محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس علم کا احاطہ دنیا میں ممکن نہیں ہے، اس لئے ہم نے اس تفسیر میں اس عنوان پر گفتگو نہیں کی، لیکن سورۂ فاتحہ میں چند نکات بطور نمونہ بیان کرتے ہیں:۔

بسم اللہ شریف کے بارے میں نکات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب اپنے لئے سامان یا گھوڑے خریدتے ہیں تو ان پر شاہی مُہر لگادیتے ہیں تاکہ چور اور ڈاکو اس مہر کو دیکھ کر دست درازی سے باز رہیں۔ انسان جب اطاعت و بندگی میں مصروف ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے عمل پر خدائی مہر لگالے یعنی اس سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھ لے، کہتے ہیں کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے تو انہیں کشتی کے ڈوب جانے کا خطرہ تھا۔ اس خطرے سے بچاؤ کے لئے انہوں نے پڑھا: بسم اللّٰہِ مَجرِھَا وَمُرْسٰھَا ''، کشتی ڈوبنے سے محفوظ رہی، جب آدھی ''بسم اللہ شریف'' کی برکت سے نجات حاصل ہوگئی تو جو شخص ساری زندگی ہر اچھے کام کی ابتدا میں پوری بسم اللہ شریف پڑھتا رہے گا وہ کس طرح نجات سے محروم ہوگا؟

کہتے ہیں کہ ایک عارف نے وصیت کی کہ بسم اللہ شریف لکھ کر میرے کفن میں رکھ دینا، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

''میں نے سنا ہے کہ ایک فقیر نے اونچے اور بڑے دروازے پر کھڑے ہو کر صدائے سوال بلند کی، گھر والوں نے اسے معمولی سی خیرات دی، وہ واپس گیا اور کدال لا کر دروازے کو کھودنا شروع کر دیا، گھر والے نے باہر آ کر پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا کہ: یا تو دروازے کے سائز کے مطابق خیرات دو یا خیرات کے مطابق دروازہ بنالو۔''

عارف باللہ نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا: بسم اللہ شریف اللہ تعالیٰ کی کتاب کا دروازہ ہے، میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے پاس مضبوط دستاویز موجود ہوتا کہ

اس سے درخواست کرسکوں کہ میرے ساتھ رحمت کا معاملہ فرمائے۔

نیز فرماتے ہیں کہ اہل علم نے فرمایا ہے کہ بسم اللّٰہ شریف کے انیس حروف ہیں، اور دوزخ پر مقرر کردہ فرشتے بھی اُنیس ہیں، ہر حرف کے ذریعے ان میں سے ایک کی ضرر کو دور کیا جاسکتا ہے —— نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ دن رات کی چوبیس ساعتیں ہیں پانچ ساعتوں کے لئے پانچ نمازیں مقرر کی گئی ہیں، باقی اُنیس ساعتوں کے لئے یہ اُنیس حروف دئے گئے ہیں تاکہ ہر نشست و برخاست اور ہر حرکت وسکون میں اُنیس ساعتوں کو ان اُنیس حروف کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رکھا جائے۔

علما یہ بھی فرماتے ہیں کہ سورۃ براءت جو کفار کے قتل کے حکم پر مشتمل ہے، بسم اللّٰہ شریف سے خالی رکھی گئی ہے —— ذبح کے وقت بھی بسم اللّٰہ، اللّٰہ اکبر کہتے ہیں، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے، کیونکہ صورتِ ذبح صورتِ قہر ہے، رحمت اس کا تقاضا نہیں کرتی، پس جو شخص اس کلمۂ رحمت کو ہر وقت اور ہر آن پڑھتا رہے، زیادہ نہیں تو کم از کم دن میں ہر فرض نماز کی سترہ رکعتوں میں اسے اپنی زبان سے ادا کرتا رہے، یقین ہے کہ وہ غضب اور عذاب سے محفوظ رہے اور رحمت وثواب سے محظوظ ہو۔(۱)

حضرت محدث دہلوی قرآن پاک کی تفسیر قرآن وحدیث اور ارشاداتِ ائمہ مفسرین سے کرتے ہیں —— ائمہ تصوف کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں —— لغوی تحقیق پیش کرتے ہیں —— صرفی اور نحوی تحقیقات بھی پیش کرتے ہیں —— اور آیات کریمہ کے بارے میں وارد ہونے والے سوالات کے جوابات دیتے ہیں —— مذہب حنفی کی تائید وتقویت کے لئے قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرتے ہیں —— موقع محل کے مطابق تاریخی واقعات بھی پیش کرتے ہیں —— قرآن پاک کی بلاغت پر بھی اظہار خیال کرتے ہیں —— مسلک اہل سنت وجماعت کی حقانیت دلائل کی روشنی

(۱) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی فارسی ۱/۱۲-۱۳

میں بیان کرتے ہیں —— غرض یہ کہ کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتے اور لطف یہ کہ طوالت سے دامن بچاتے ہوئے گزر جاتے ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ فرمایا کہ "اگر یہ تفسیر مکمل ہوتی تو سب سے بہترین تفسیر ہوتی"۔

تفسیر عزیزی میں آیت کریمہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ کے تحت جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جانور حرام ہے جس کے بارے میں اعلان کیا گیا ہو اور تشہیر کی گئی ہو کہ وہ غیر خدا کے لئے ہے، خواہ وہ غیر بُت ہو یا روحِ خبیث —— خواہ پیر ہو یا پیغمبر، اس طرح زندہ جانور کو مقرر کر دیتے ہیں، یہ سب حرام ہے۔ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ مَلْعُوْنٌ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ جو شخص جانور کے ذبح سے غیر خدا کا تقرب حاصل کرے وہ ملعون ہے۔ ذبح کے وقت خدا کا نام لے یا نہ لے، کیونکہ جب مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں کے لئے ہے تو ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا فائدہ نہ دے گا، وہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ بھی ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہوتے —— اس عبارت میں اہلال کو ذبح کے معنی میں لینا پھر لِغَيْرِ اللّٰهِ (غیر خدا کے لئے) کی بجائے غیر اللہ کے نام سے قرار دینا تقریباً کلامِ الٰہی کی تحریف تک پہنچتا ہے۔ (ملخصاً) [1]

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس تقریر کو شاہ صاحب کی ذاتی رائے قرار دیا ہے اور فرمایا کہ یہ تفاسیر اور لغت کے خلاف ہے۔ (۲)

امام ربانی مجدد الف ثانی کی اولاد امجاد میں سے شاہ رؤف احمد نقشبندی یکے از تلامذہ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے "تفسیر رؤفی" میں "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کی تفسیر میں یہ لکھا کہ جو جانور ذبح کیا جاوے بنام غیر خدا، اس کے بعد نو معروف تفسیروں کی

---

(۱) عبد العزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی، پ ا ص ۱۱۰، ۶۱۰

(۲) سید مہر علی شاہ گولڑوی، پیر طریقت اعلاء کلمة الله فی بیان ما اهل به لغیر الله (گولڑہ شریف) ص ۲۲

عبارات مع ترجمہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''جانا (جاننا) چاہیے کہ ''تفسیر فتح العزیز'' میں کسی عدو (دشمن) نے الحاق کر دیا ہے اور یوں لکھا ہے کہ اگر کسی بکری کو غیر کے نام سے منسوب کیا ہو تو ''بسم اللہ اللہ اکبر'' کہہ کر ذبح کرنے سے وہ حلال نہیں ہوتی اور غیر کے نام کی تاثیر اس میں ایسی ہوگئی ہے کہ اللہ کے نام کا اثر ذبح کے وقت حلال کرنے کے واسطے بالکل نہیں ہوتا سو یہ بات کسی نے ملا دی ہے۔[1]

شاہ رؤف احمد نقشبندی نے اس عبارت کو الحاقی قرار دیا ہے، اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے آیت کریمہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (۲/۱۷۳) کا ترجمہ یہ کیا ہے:۔

''وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا'' (فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن)

قابل غور بات یہ ہے کہ کیا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ترجمہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے پیش نظر نہ تھا؟ اگر تھا تو وہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کہ یہ ترجمہ تحریف قرآن کے قریب ہے جیسے کہ تفسیر عزیزی کے مذکورہ بالا اقتباس میں کہا گیا ہے۔

تفسیر عزیزی کے اس مقام میں غور کیا جائے تو بھی بات واضح ہو جاتی ہے فرماتے ہیں:۔

''شریعت میں اصحابِ قبور کو نفع پہنچانے کا طریقہ یہ قرار پایا ہے کہ اموال مستحقین میں تقسیم کر کے ثواب انہیں پہنچا دیں، جانور کی جان سے انسان زندگی میں نفع حاصل نہیں کر سکتا، وفات کے بعد بھی نفع حاصل نہیں کر سکتا، ہاں میت کی طرف سے قربانی کرنے کا ذکر حدیث

(۱) رؤف احمد نقشبندی مجددی، شاہ: تفسیر رؤفی (مطبع فتح الکریم، بمبئی ۱۹۶۷ء) ج ا ص ۳۹

صحیح میں ہے لیکن اس کا معنی یہی ہے کہ (ذبیحہ کی) جان دینا اللہ تعالیٰ
کے لئے ہے، اوراس کا ثواب میت کو پہنچایا جائے یہ مطلب نہیں کہ ذبح
ہی میت کے لئے کیا جائے۔(۱)

اس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ جانور کو میّت کے لئے ذبح کیا جائے تو
حرام ہے اور اگر ذبح اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور اس کا ثواب میّت کو پہنچایا جائے تو
جائز ہے۔

شاہ صاحب ''فتاویٰ عزیزی'' میں نقل کرتے ہیں کہ ہم کسی مسلمان کے بارے
میں یہ برا گمان نہیں کرسکتے کہ وہ ذبح کے ذریعے کسی انسان کا تقرب حاصل کرے گا۔(۲)

''فتاویٰ عزیزی'' میں ایک سوال اوراس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:۔

سوال: ایک شخص نے نیت کی کہ اگر یہ کام میری حاجت کے مطابق پورا ہو گیا تو ایک
گائے سید احمد کبیر یا بکری شیخ سدو وغیرہما کے نام کی دوں گا، حاجت پوری ہو جانے کے
بعد گائے اللہ کا نام لے کر ذبح کی، حالانکہ اس کی نیت میں گائے سید احمد اور شیخ سدو کی
طرف منسوب تھی، اس گاؤ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ (ملخصاً)

جواب: ذبیحہ کے حلال اور حرام ہونے کا دارومدار ذبح کرنے والے کی نیت پر ہے، اگر
اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے یا دیگر مباح امور کے لئے ذبح کرے تو حلال
ہے ورنہ حرام ہے۔(۳)

اس عبارت کا صاف صریح مطلب یہ ہے کہ اس جانور کی نسبت سید احمد کبیر یا شیخ
سدّو کی طرف کرنے کے باوجود جب اسے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا تو وہ حلال

---

(۱) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی: پ ۱ ص ۶۱۰

(۲) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاویٰ عزیزی (مطبع مجتبائی دہلی، ص ۲۲)

(۳) ایضاً: (مطبع مجتبائی دہلی، ج ۱ ص ۲۱)

ہے، یہ فتویٰ تفسیر عزیزی کی اُس عبارت کے واضح طور پر مخالف ہے جو اس سے پہلے نقل کی گئی ہے۔اس گفتگو کا مقصد صرف اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ حضرت محدث دہلوی کا اس مسئلے میں موقف کیا ہے؟ بحث وتمحیص کا دروازہ کھولنا مقصود نہیں ہے۔



حضرت محدث دہلوی نے یہ تفسیر ۱۲۰۸ھ/۹۳-۱۷ء میں شیخ مصدق عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ مرید حضرت مولانا فخر الدین دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی فرمائش پر املا کروائی۔انہوں نے درخواست کی کہ آپ سورۂ فاتحہ اور آخری دو پاروں کی تفسیر لکھ دیں کیونکہ اکثر مسلمان پانچ نمازوں، جمعہ، جماعتوں، انبیاء واولیاء کی ارواح مقدسہ کے محاضر (یعنی ایصال ثواب کی محافل) اور اولیاء وعارفین کی قبروں کی زیارت کے وقت ان سورتوں کی تلاوت کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور ان کے مطالب ومعانی کے جاننے کا شوق رکھتے ہیں پھر سورۂ بقرہ کی تفسیر کی فرمائش کی۔

شاہ صاحب نے مختلف امراض اور ضعفِ دل ودماغ میں مبتلا ہونے کے باوجود اس وقت ہندوستان میں رائج سلیس فارسی میں تفسیر لکھوانا شروع کی،صرف ونحو کی طویل ابحاث، دوراز کار توجیہات اور غیر معتبر روایات سے گریز کرتے ہوئے املا کرواتے رہے اور لطف یہ کہ کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ ہی مسودہ اور مبیضہ تیار کرنے کی ضرورت محسوس کی۔[1] اس کے باوجود یہ تفسیر عوام میں نہیں علماء کے نزدیک بھی مقبول ومعتبر ہے،اگر صحت وتندرستی کے زمانے میں تفاسیر کا مطالعہ کر کے لکھتے تو اس تفسیر کا کیا عالم ہوتا؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے برادران محترم کی مساعی جمیلہ سے متحدہ ہندوستان کے مدارس میں قرآن وحدیث کی تعلیم کو بے مثال فروغ ملا، ایک ایسے ماحول میں جب قرآن وحدیث کو صرف بابرکت کتاب کے طور پر

(۱) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاویٰ عزیزی (طبع مجتبائی دہلی، ج ۱ص ۳)

اپنے پاس رکھا جاتا تھا، بیماروں کو آیاتِ قرآنیہ سے دم کیا جاتا تھا، قریب المرگ افراد کے سرہانے سورۂ یٰسین پڑھی جاتی تھی اور دنیا سے رخصت ہونے والوں کے لئے ایصالِ ثواب کے طور پر قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی تھی۔ بقول اقبال ؎

بآیاتش ترا کارے جزیں نیست

کہ از یٰسینِ او آساں بمیری

شاہ صاحب کی مساعی جمیلہ سے مسجدیں اور مدارس آباد ہو گئے، قال اللّٰہ و قال الرَّسُوْلُ کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور مسلمانوں کی بڑی تعداد قرآن و حدیث کے مطالب و معانی سمجھنے میں مصروف ہوئے اور کامیاب ہوئے، آج ان کا فیض تمام دینی مدارس اور عوام و خواص تک پہنچ رہا ہے۔

تفسیر عزیزی کے مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سورۂ فاتحہ، سورۂ بقرہ اور آخری دو پاروں کی تفسیر لکھوائی تھی، جب کہ مطبوعہ تفسیر سورۂ بقرہ کے تیسویں رکوع کی دوسری آیت کی نامکمل تفسیر پر ختم ہو جاتی ہے اور آخری جملہ بھی مکمل نہیں ہے۔

اس کے برعکس بعض اہل علم کا خیال ہے کہ شاہ صاحب نے پوری تفسیر لکھی تھی، لیکن اس کا اکثر حصہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ضائع ہو گیا، اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ پہلی دو سورتوں اور آخری دو پاروں کی تفسیر انہوں نے ۱۲۰۸ھ میں لکھی تھی اور ان کا انتقال ۱۲۳۹ھ میں ہوا، اکتیس سال کے طویل عرصے میں انہوں نے ضرور تفسیر کا مزید کام کیا ہوگا۔

علاوہ ازیں ''فتاویٰ عزیزی' میں سورۂ مومنون، سورۃ النساء، سورۃ الصافات وغیرہ کی آیات کریمہ کی تفسیر، تفسیر فتح العزیز سے نقل کی گئی ہے۔[1] اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کے باقی حصے کی تفسیر بھی لکھی تھی جو محفوظ نہ رہ سکی، فتاویٰ عزیزی میں

---

[1] عبد العزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاویٰ عزیزی، فارسی (طبع مجتبائی دہلی، ص ۴۶-۳۳)

تفسیر کے جو اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ عربی میں ہیں۔

پروفیسر عضد الدین نے لکھا ہے کہ اس تفسیر کے چند اوراق قلمی شکل میں ندوۃ العلماء کے کتب خانے میں نمبر ۲۲۷ کے تحت موجود ہیں اور یہ اوراق شاہ عبدالعزیز دہلوی کے نام اور اس میں سورۂ مائدہ کی آیت ۳۷ تک کی تفسیر ملتی ہے، اس مخطوطے پر ۱۲۲۷ھ درج ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ: یہ تفسیر مجھے اپنے ایک محترم بزرگ مولانا مسیح الزمان صاحب قاسمی کے ذاتی کتب خانے میں ملی ہے، جو سورۃ المؤمنین سے لے کر سورۂ یٰسین تک کی فارسی تفسیر اور ۲۵۹ صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب مطبع انصاری دہلی سے شائع ہو چکی ہے لیکن اس میں سنِ طباعت درج نہیں ہے۔[1]

مختصر یہ کہ تفسیر عزیزی کا جتنا حصہ بھی دستیاب ہے اس لائق ہے کہ ارباب علم و فضل اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائیں، دل میں بسائیں اور اسی انداز میں قرآن پاک کا مطالعہ کریں۔ خود شاہ صاحب بھی اس تفسیر پر فرحت وانبساط کا اظہار کیا ہے، فرماتے ہیں:

> آرے تفسیر فتح العزیز وامثال ایں تصانیف را اگر بفقیر نسبت کنند موجبِ شادمانیٔ خاطر میگردد۔(۲)
>
> ''ہاں اگر تفسیر فتح العزیز اور اس جیسی تصانیف کی نسبت اس فقیر کی طرف کریں تو یہ راحت قلبی کا باعث ہوگا۔''

حیات مبارکہ کے آخری دنوں میں شدید علالت کے باوجود وعظ فرمایا اور اس میں مشہور مصرع ''من نیز حاضر می شوم تصویرِ جاناں در بغل'' کو کسی قدر تبدیلی کے ساتھ یوں پڑھا:۔

---

(۱) ثریا ڈار، ڈاکٹر: شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات ص ۲۵۶

(۲) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاویٰ عزیزی ، فارسی، ج اص ۱۳۱

من نیز حاضری شوم تفسیر قرآں در بغل

شاہ صاحب نے اس وعظ میں آیۂ کریمہ ذوی القربی والیتمی وابن السبیل پر وعظ فرمایا اور آیت مبارکہ کے مطابق اپنا مال تقسیم کیا اور وصیت کی کہ:

''جیسے کپڑے میں زندگی میں پہنتا رہا ہوں ایسے ہی کپڑوں میں مجھے کفن پہنایا جائے، نماز جنازہ شہر سے باہر ادا کی جائے اور بادشاہ کو جنازہ میں حاضر ہونے سے منع کر دیا جائے۔''(۱)

۷رشوال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء بروز اتوار آفتاب علم وعرفان، سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس دارفانی سے رحلت فرما گئے، لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ پچپن بار نماز جنازہ ادا کی گئی اور ترکمان دروازہ، دہلی کے باہر والد ماجد کے پہلو میں آپ کی آخری آرامگاہ بنائی گئی۔

حکیم مومن خان مومن دہلوی نے قطعۂ تاریخ وفات لکھا جس کا تاریخی شعر یہ ہے:

دستِ بیدادِ اَجل سے بے سروپا ہو گئے
فقر ودیں فضل و ہنر لطف وکرم علم وعمل

دوسرے مصرع کے ہر لفظ کا پہلا اور آخری حرف حذف کر دیجئے، درمیانے حروف کو جمع کر لیجئے تو ابجد کے حساب سے ۱۲۳۹ کا عدد حاصل ہوگا اور یہی حضرت محدث دہلوی کا سنِ وفات ہے۔

رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ وَاَمْطَرَ عَلَيْهِ شَآبِيْبَ رَحْمَتِهٖ وَاَفَاضَ عَلَيْنَامِنْ مَعَارِفِهٖ وَفُيُوْضِهٖ، آمین! يَارَبَّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ وَخَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

---

(۱) محمد بیگ، مولانا: مقدمہ فتاویٰ عزیزی فارسی ج۱ ص۹

نوٹ: یہ مقالہ ۲۰ر ذوالحجہ مطابق ۲۹ر اپریل ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء ''برصغیر میں مطالعۂ قرآن سیمینار'' زیر اہتمام ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد میں پڑھا گیا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرَّحیم

اسوۂ حسنہ اور خدمتِ خلق

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (قرآن پاک: ۴/۶۸)

''اور بے شک آپ خُلُقِ عظیم پر ہیں''۔

حضرت ملا جیون استاد سلطان عالمگیر فرماتے ہیں کہ:

''اصح یہ ہے کہ خُلُقِ عظیم وہ طریقۂ زندگی ہے جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو اور مخلوق بھی، اور یہ بہت نادر ہے۔'' (۱)

نبی اکرم ﷺ اس طریقہ زندگی کے اعلیٰ ترین مرتبے پر فائز ہیں، آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتے، اس کی بارگاہ میں دعاؤں اور التجاؤں کا سلسلہ جاری رکھتے، رات کو اتنا طویل قیام کرتے کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اے کمبل اوڑھنے والے! رات کو قیام کیجئے مگر تھوڑا وقت (آرام بھی کیا کریں)'' (المزمل ۷۳/۲-۱)

دوسری طرف کھانے پینے اور آرام کرنے مختصر وقت کے علاوہ مخلوقِ خدا کی راہنمائی میں صرف فرماتے ہیں:

- غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا۔
- ان کے شکوک وشبہات دور کرنا۔
- صحابۂ کرام کو قرآن پاک کی تعلیم دینا۔
- ان کی تربیت اور تزکیہ فرمانا۔

---

(۱) شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون: نور الانوار (مجتبائی، دہلی) ص ۶

- ان کے احوال کی نگرانی فرمانا۔
- آنے والے وفود کا استقبال کرنا اور انہیں دعوتِ اسلام دینا۔
- مدینہ منورہ سے مجاہدین کے دستے روانہ کرنا اور بعض اوقات بنفس نفیس غزوات میں شرکت فرمانا۔
- زکات صدقات اور چندے کا وصول کرنا اور مستحقین میں تقسیم فرمانا۔
- نماز پنجگانہ، جمعہ اور عیدین میں امامت کرنا اور خطبات میں انہیں احکام اسلامیہ سے باخبر فرمانا۔
- بیماروں کی عیادت کرنا۔
- یتیموں، بیواؤں اور غلاموں کی خبر گیری فرمانا۔
- حاجت مندوں کی حاجت روائی فرمانا۔
- اہل خانہ کی دیکھ بھال کرنا اور ان کی ضروریات کا پورا کرنا۔

مختصر یہ کہ خدمتِ خلق کے ہر شعبے میں ذمہ داریوں کو نبھانا حضور سید عالم ﷺ کا ہی کام ہے۔

اس وقت موضوعِ سخن ''نبی اکرم ﷺ کی سماجی خدمات'' ہیں۔ آپ نے اعلان نبوت سے پہلے حلف الفضول میں شرکت فرمائی۔

1. ہوا یہ کہ شہر زبید کا ایک شخص اپنا مالِ تجارت مکہ معظمہ لایا جو عاص بن وائل سہمی نے خرید لیا اور قیمت ادا نہ کی، زبیدی نے اپنے حلیفوں سے مدد کی اپیل کی، مگر کسی نے بھی اس کی امداد نہ کی، نبی اکرم ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنو ہاشم، زہرہ اور بنو اسد بن عبدالعزی، عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے۔ اس اجتماع میں حضور اقدس ﷺ بھی شریک ہوئے۔ اس اجتماع میں فیصلہ کیا گیا کہ:

''ہم ظالم کے خلاف مظلوم کی امداد کریں گے، طاقت ور سے کمزور کا

اور مقیم سے مسافر کا حق دلائیں گے۔

یہ بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کا وہ چارٹر تھا جس کے تحت زبیدی کا مال اسے دلایا گیا، نبی اکرم ﷺ اعلان نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے:

''آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم ''یا آل حلف الفُضول'' کہہ کر پکارے تو ہم مدد دینے کو حاضر ہیں۔''(۱)

حلف الفضول کا معاہدہ اعلان نبوت سے بیس سال پہلے ماہ ذیقعد میں ہوا (۲) اور بہت سے مظلوم اس سے مستفید ہوئے۔

❷ یہ بھی اعلان نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے کہ قریش کے مختلف قبائل نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے لئے تیاری کی تو ہر قبیلے نے اپنے طور پر پتھر جمع کئے، جب تعمیر حجرِ اسود کے مقام پر پہنچی تو ہر قبیلے کا مطالبہ تھا کہ اسے ہم نصب کریں گے، نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ وہ جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ بنو عبدالدار اور بنو عدی نے خون سے بھرے ہوئے پیالے میں ہاتھ ڈبو کر معاہدہ کیا کہ ہم مر جائیں گے لیکن کسی دوسرے قبیلے کو حجرِ اسود نصب کرنے کا اعزاز حاصل نہیں کرنے دیں گے —— چار پانچ دن جھگڑا چلتا رہا، آخر ایک دن مسجد حرام میں جمع ہو کر میٹنگ کی کہ اس اختلاف کا خاتمہ کیسے کیا جائے؟ قریش کے معمر ترین فرد ابوامیہ بن مغیرہ نے مشورہ دیا کہ:

''اس دروازے سے سب سے پہلے آنے والے شخص کو اختیار دے دو کہ وہ فیصلہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ اس دروازے سے داخل ہوئے، سب بیک زباں بول اٹھے:

---

(۱) نور بخش توکلی، علامہ: سیرت رسول عربی، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور، ص ۴۰

(۲) عبدالرحمن بن عبداللہ سہیلی، امام: الروض الانف جمع، لاہور، ج ۱ ص ۹۱

''ہم اس امین پر راضی ہیں، یہ محمد ہیں۔''

جب حضور انور ﷺ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے صورتِ حال بیان کی اور فیصلے کی فرمائش کی، آپ نے فرمایا: ''ایک کپڑا لاؤ'' کپڑا لایا گیا، آپ نے حجرِ اسود اس پر رکھ دیا اور فرمایا:

ہر قبیلہ کپڑے کا ایک کنارہ پکڑے اور سب مل کر اس کپڑے کو اٹھاؤ۔

''سب نے مل کر کپڑا اٹھایا اور حجرِ اسود کے مقام تک لے آئے، تب آپ نے حجرِ اسود اُٹھا کر اس کے مقام پر نصب کر دیا۔'' (۱)

اس طرح آپ کی حکمت عملی سے قریش کے قبائل خونریز حادثے سے بچ گئے۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے جب قریش نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تو آپ اور آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ تعمیر کے لئے پتھر اٹھا کر لاتے تھے (۲)

اسی طرح جب ہجرت کے بعد مسجد قبا تعمیر کی گئی تو آپ نے بنفس نفیس اس میں حصہ لیا، سب سے پہلا پتھر قبلہ کی طرف آپ نے رکھا، دوسرا پتھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رکھا، ان کے بعد صحابہ کرام تعمیر میں مصروف ہو گئے، نبی اکرم ﷺ اتنے بھاری بھاری پتھر اٹھا کر لاتے کہ صحابۂ کرام انہیں اٹھانے سے عاجز رہ جاتے (۳)

اور جب مسجد نبوی شریف تعمیر کی گئی تو آپ نے اس میں بھی عملاً حصہ لیا (۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات اہل مدینہ (کوئی آواز سن کر) خوف زدہ ہو گئے، لوگ آواز کی طرف گئے تو دیکھا نبی اکرم ﷺ اس طرف سے تشریف لا رہے

---

(۱) عبدالملک بن ہشام، امام: السیرۃ النبویۃ مع شرح سہیلی (ج ۱ ص ۱۳۲-۱۳۱)

(۲) محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: بخاری شریف عربی ج ۱ ص ۲۱۵)

(۳) عبدالرحمن سہیلی، امام: الروض الانف ج ۲ ص ۱۱)

(۴) عبدالملک بن ہشام، امام: السیرۃ النبویۃ ج ۲ ص ۱۲)

ہیں اور فرمارہے ہیں کہ ''خوف اور گھبراہٹ کی کوئی بات نہیں ہے۔'' (۱)

یہ سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت مبارکہ سے اجتماعی معاملات میں گراں قدر عملی خدمات کے چند نمونے ہیں، آئندہ سطور میں انفرادی اور اجتماعی معاملات کی چند مثالیں پیش کی جائیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

نبی اکرم ﷺ امہات المؤمنین کی ضروریات کا خاص خیال فرماتے تھے ——— عصر کے بعد ایک ایک ام المؤمنین کے حجرے میں تشریف لے جاتے اور ان کی خیریت دریافت فرماتے، حضرت اسود رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ نبی اکرم ﷺ کا شانۂ اقدس میں کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا:

كَانَ يَكُونُ فِى مِهْنَةِ أَهْلِهِ يَعْنِىُ خِدْمَةَ أَهْلِهِ (۲)

''آپ اپنے گھر والوں کے کام کاج اور خدمت میں مصروف رہتے تھے۔''

جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو اہل مدینہ کے خُدام (برکت اور شفا حاصل کرنے کے لئے) برتنوں میں پانی لے کر حاضر ہو جاتے، آپ ہر برتن میں دست اقدس ڈبو دیتے، بعض اوقات سرد صبح ہوتی اس کے باوجود ان برتنوں میں دست مبارک ڈالتے (اور کسی کو فیض و برکت سے محروم نہ فرماتے۔ ۳

آپ کے اخلاق عالیہ اور لطف وکرم کا یہ عالم تھا کہ بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے کوئی بچی آپ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی۔ (۴)

ان ہی سے روایت ہے کہ ایک خاتون کی عقل میں کچھ فتور تھا، اس نے عرض کیا:

---

(۱) محمد بن عبداللہ الخطیب، امام: مشکوۃ شریف عربی، ص ۵۱۹

(۲) محمد بن عبداللہ الخطیب، امام مشکوۃ شریف عربی، ص ۵۱۹

(۳) ایضاً ص ۵۱۹ (۴) ایضاً ص ۵۱۹

''یارسول اللہ! مجھے آپ سے ایک کام ہے''، آپ نے فرمایا: ''اے ام فلاں! تم جس گلی میں چاہو ہم تمہارا کام کرنے کے لئے تیار ہیں'' وہ آپ کو ایک راستے پر لے گئی اور اس نے اپنی درخواست پیش کی۔(۱)

نبی اکرم ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ بیمار کی عیادت کرتے، جنازے کے ساتھ تشریف لے جاتے، مملوک کی دعوت قبول فرماتے۔(۲)

ایک یہودی بچہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہوگیا تو آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہوئے، اور اسے فرمایا: اسلام لے آ، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا وہ بھی پاس ہی تھا، اس نے کہا: ''ابوالقاسم (ﷺ) کی اطاعت کرو''، وہ اسلام لے آیا، نبی اکرم ﷺ یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ ''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے اسے آگ سے نجات عطا فرمائی۔''(۳)

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دعوتِ اسلام کا مشن آپ کی نگاہ سے کسی وقت اوجھل نہیں ہوتا تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدۂ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو آپ اُن کی قبر میں لیٹ گئے اور ان کے لئے دعا فرمائی:۔

اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنتِ اَسد کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو کشادہ فرما، اپنے نبی کے طفیل اور مجھ سے پہلے انبیاء کے طفیل، بے شک تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔(۴)

---

(۱) محمد بن عبداللہ الخطیب، امام — مشکوٰۃ شریف عربی ص ۵۱۹

(۲) ایضاً: — ص ۵۱۹

(۳) محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: — بخاری شریف عربی ج ۱ ص ۱۸۱

(۴) علی بن احمد سمھودی، امام: — وفاء الوفاء، ج ۳ ص ۸۹۹

حضور سید عالم ﷺ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ کسی سائل کو انکار نہیں فرماتے تھے، ایک خاتون نے بارگاہِ رسالت میں چادر لا کر پیش کی جس کے کناروں پر انہوں نے کڑھائی کی ہوئی تھی، نبی اکرم ﷺ نے قبول فرمالی، جب باہر تشریف لائے تو وہ چادر زیب تن فرمائی ہوئی تھی، ایک صحابی نے عرض کیا: ''یہ چادر کتنی اچھی ہے، مجھے عطا فرمادیں۔''

صحابہ کرام نے انہیں کہا:

''آپ نے اچھا نہیں کیا، نبی اکرم ﷺ کو اس کی حاجت تھی، اور آپ اسے استعمال میں بھی لے آئے تھے، آپ کو پتا ہے کہ حضور ﷺ (کسی سائل کے سوال کو) رد نہیں فرماتے۔''

انہوں نے کہا:

''اللہ کی قسم! میں نے چادر پہننے کے لئے نہیں مانگی، میں نے تو اس لئے مانگی ہے کہ میرا کفن بنے۔''

(آپ نے انہیں چادر عطا فرمادی) اور وہ ان کا کفن بنی۔(۱)

اور اگر کوئی چیز حاضر نہ ہوتی تو قرض لے کر سائل کی حاجت پوری فرما دیتے، ایک شخص نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اس وقت ہمارے پاس کوئی چیز موجود نہیں ہے، ہمارے نام پر ضرورت کی چیز خرید لو، جب مال آئے گا تو ہم ادا کر دیں گے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دی''، یہ بات آپ کو پسند نہ آئی، ایک انصاری نے عرض کیا:

''یارسول اللہ! آپ خرچ کریں اور اس بات کا خوف نہ کریں کہ ربِ عرش آپ کو کمی آنے دے گا۔''

---

(۱) محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: بخاری شریف عربی، ج ۱ ص ۱۷۰

یہ سن کر آپ مسکرائے اور چہرۂ انور پر بشاشت کے آثار دکھائی دینے لگے۔(۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کیا خوب کہتے ہیں: ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا

نہیں ، سنتا ہی نہیں ، ما نگنے والا تیرا

ایک سفر میں آپ نے صحابہ کرام کو ایک بکری کا گوشت پکانے کا حکم دیا، ایک صحابی نے کہا: ''میں اُسے ذبح کروں گا''، دوسرے نے کہا: ''میں اُس کی کھال اتاروں گا'' تیسرے نے کہا: ''میں اس کا گوشت پکاؤں گا''، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہم ایندھن اکٹھا کر کے لائیں گے'' صحابۂ کرام نے عرض کیا: ''یہ کام کرنے کے لئے ہم جو حاضر ہیں''. فرمایا:

''ہمیں علم ہے، لیکن ہمیں تمہارے درمیان ممتاز ہو کر بیٹھنا پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو ناپسند فرماتا ہے جو اپنے دوستوں میں ممتاز ہو کر بیٹھے۔''(۲)

آپ کی نوازشات سے ہر محتاج امداد فیض یاب ہوتا تھا، آپ نے ایک کنیز دیکھی جو راستے میں بیٹھی ہوئی رو رہی تھی، آپ نے پوچھا: ''کیوں رو رہی ہو؟'' اس نے بتایا: ''کہ میرے آقا نے آٹا خریدنے کے لئے دو درہم دئے تھے، وہ مجھ سے گم ہو گئے ہیں، آپ نے اسے دو درہم عطا فرمادئے، کچھ دیر بعد پھر اس طرف سے گزر ہوا تو وہ بدستور بیٹھی ہوئی رو رہی تھی، آپ نے فرمایا: ''اب کیوں رو رہی ہو؟ اس نے کہا، ڈرتی ہوں کہ دیر سے واپس گھر جانے پر مار پڑے گی۔''

آپ اس کے ساتھ اس کے مالک کے گھر تشریف لے گئے اور دروازے پر پہنچ

---

(۱) عیاض بن موسیٰ، قاضی — شفاء شریف، ج ا ص ۶۶۔۶۵

(۲) عبد الحق محدث دہلوی، شیخ — مدارج النبوۃ فارسی، ج ا ص ۳۲

کر سلام کہا، صاحب خانہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے، ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کیسے تشریف لائے؟ آپ نے صورتِ حال بیان کی تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آزاد ہے۔(۱)

نبی اکرم ﷺ چونکہ رحمۃ ''للعالمین ہیں اسلئے آپ کی رحمت اور احسان سے صرف مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی مستفیض ہوئے، آپ کی امانت اور دیانت کے نہ صرف غیر مسلم معترف تھے، بلکہ فائدہ بھی اٹھاتے تھے، اسکا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی امانتیں مشرکین مکہ کے پاس رکھنے کی بجائے حضور سید عالم ﷺ کے پاس رکھتے تھے، یہاں تک کہ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے تو اس وقت بھی مشرکین مکہ کی امانتیں آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں، آپ نے حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا: ''ایک ایک امانت اس کے مالک کے سپرد کرنے کے بعد مدینہ طیبہ چلے آنا'' چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تین دن اور تین راتیں مکہ معظمہ میں رہے اور امانتیں ادا کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔(۲)

حضرت ثُمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہونے کے بعد عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے تو مشرکین نے انہیں گرفتار کرلیا اور کہنے لگے ثمامہ! تم صابی ہو گئے ہو؟ یعنی اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑ کر نئے دین میں داخل ہو گئے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں، بلکہ میں نے بہترین دین، دینِ محمدی کی پیروی کی ہے، حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے غلے کا ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہیں پہنچے گا، یمامہ پہنچ کر پابندی لگادی کہ یمامہ سے غلہ مکۂ مکرمہ نہ جانے پائے۔ مکۂ معظمہ میں قحط پیدا ہو گیا، مجبور ہو کر مشرکینِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو لکھا کہ آپ صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، آپ

---

(۱) ابن کثیر، علامہ: البدایۃ والنھایۃ، ج ٦، عربی ص ۴۰، ۳۹

(۲) عبدالملک بن ہشام، امام: السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۱۰

نے ہم سے قطع رحمی کی ہے، آباء کو تلوار سے قتل کیا ہے اور بیٹوں کو بھوک سے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انہوں نے غلے سے پابندی اٹھالی۔(۱)

مختصر یہ کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی شان رحمۃ للعالمین سے اپنوں اور بیگانوں سب کو فیض یاب فرمایا، خوش قسمت حضرات نے آپ کی دعوتِ اسلام کو قبول کیا، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے بنے اور خلقِ خدا کی خدمت کو اپنی زندگی کا شعار بنالیا، آج کی اہم ضرورت یہ ہے کہ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کریں، کیا ستم ہے کہ آج لوگ غربت اور بھوک سے تنگ آکر مینارِ پاکستان سے چھلانگیں لگا رہے ہیں، عید کے موقع پر بچوں کو نئے کپڑے لے کر دینے سے عاجز ہونے کی وجہ سے اپنے گردے فروخت کر رہے ہیں، کوئی خودکشی کر رہا ہے۔

آیئے عہد کریں کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر ملک میں نظامِ مصطفیٰ نافذ کرنے کی کوشش کریں گے اور ملک پاک کو امن وسکون کا گہوارہ بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۳ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

۱۰ جولائی ۱۹۹۷ء

صوبائی سیرت کانفرنس زیرِ انتظام محکمہ اوقاف ۵ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ/ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۹۷ء کے لئے لکھا، مجموعۂ مقالات سیرت میں چھپ بھی گیا، فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

---

(۱) ابن ہشام ، السیرۃ النبویۃ، ج ۲، ص ۳۶۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا اسلوب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اما بعد!

فقد قال اللّٰہ تعالٰی :

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (النحل:۱۶/۱۲۵)

''اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ حکمت اور اچھی نصیحت سے اور ان سے بہترین طریقے پر بحث کرو۔''

نبی اکرم ﷺ اعلانِ نبوت کے بعد مکہ معظمہ میں تیرہ سال دعوتِ اسلام میں مصروف رہے، اس عرصے میں تقریباً ایک سو افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے، سرورِ عالم ﷺ نے ان کی سیرت کی اس طرح تعمیر فرمائی کہ ان میں سے ہر فرد یگانۂ روزگار بنا، یہ حضرات مہاجرین کے محترم لقب کے ساتھ ملقب ہوئے۔ ہجرت کے بعد حضور اکرم ﷺ سے براہِ راست اکتسابِ فیض کرنے والے خوش قسمت حضرات صحابۂ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر گئی، مدینہ منورہ کے خوش بخت صحابۂ کرام انصار کہلاتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں چار کارنامے نہایت نمایاں نظر آتے ہیں:

1. دنیا کے سامنے دینِ اسلام پیش کیا جو دنیا و آخرت کی کامیابیوں کی ضمانت ہے۔
2. نئی حکومت تشکیل دی۔
3. عرب کے مختلف قبائل کو ایک امت اور ایک قوم بنا دیا۔
4. ایک ایسا قانون نافذ کیا جس کے سامنے تمام قوم نے سرِ تسلیم خم کیا۔

یہ وہ کارنامے ہیں جنہیں انجام دینے کیلئے صدیوں کی ضرورت تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کے تین صدیوں بعد مسیحیت اس قابل ہو سکی کہ اپنا تحفظ کر سکے، نبی اکرم ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے نئی حکومتیں قائم ہوتی رہیں، لیکن یہ حکومتیں ایسی قوموں میں قائم ہوتی رہیں جن میں پہلے سے بادشاہت کا نظام چلا آ رہا تھا، ان میں کسی نئی حکومت کا قائم ہو جانا کوئی عجیب بات نہ تھی، لیکن عربوں میں باقاعدہ حکومت قائم نہ تھی، ان میں حکومت کے شعبے مختلف لوگوں میں بٹے ہوئے تھے، ایسی قوم میں مضبوط حکومت کا قائم کرنا ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ پھر عرب قوم مختلف اور متصادم قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی، ان قبائل کو ایک قوم کی صورت میں ڈھال دینے کیلئے طویل عرصے کی ضرورت تھی تب جا کر ان میں اجتماعیت پیدا ہو سکتی تھی، انہیں چند سالوں میں ایک قوم بنا دینا بھی تاریخ کا نادر واقعہ ہے۔

پھر اس قوم میں تیئس (۲۳) سال کے مختصر عرصے میں ایسے قانون کا نافذ کر دینا جو نہ صرف اس قوم کی ضروریات کو پورا کرتا ہو بلکہ اس کی ترقی کا ضامن ہو اور پوری قوم کا بغیر کسی اختلاف کے اس قانون پر عمل پیرا ہو جانا بھی ایسا واقعہ ہے جس کی مثال پوری دنیا میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

یہ عظیم الشان کارنامے اس امر کی دلیل ہیں کہ اُنہیں انجام دینے والا اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسولِ برحق ہے، ان کارناموں نے دنیا بھر کے مفکرین اور دانشوروں کو حیرت میں مبتلا کیا ہوا ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ ایک ہستی نے مختصر ترین دور میں اتنا بڑا انقلاب کیونکر برپا کر دیا؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید اپنے نبی اور رسول مکرم ﷺ کے شامل حال تھی اور یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ کی دعوت و تبلیغ کی معجزانہ تاثیر کا نتیجہ تھا۔

یوں تو انبیاء و مرسلین جسمانی، روحانی اور اخلاقی اعتبار سے بہترین صفات کے

حامل تھے، تاہم رسول ہونے کیلئے چار اوصاف بنیادی حیثیت رکھتے ہیں:

❶ کامل ومکمل صداقت:

یعنی ہر حال میں سچ کہنا، وعدہ ہو یا وعید ہو، خبر ہو یا کسی سوال کا جواب ہو، سنجیدگی سے گفتگو کی گئی ہو یا مزاح سے، اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا ہر قول معیارِ صداقت پر پورا اترتا ہے اور واقع کے مطابق ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے کسی بھی قول یا بیان میں جھوٹ کا پہلو پایا جاتا ہو تو لوگ اس پر اعتماد ہی نہیں کریں گے، اور رسالت کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی۔

❷ قول و فعل کی مطابقت:

یعنی رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے جو احکام بیان کرتے ہیں خود ان تمام احکام پر عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے ہیں، لازمی بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کی مخالفت خیانت ہے اور کوئی بھی خائن رسول بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

❸ کامل اور مسلسل تبلیغ:

اللہ تعالیٰ کے رسول کی شان یہ ہے کہ وہ لوگوں کی ناراضگی، ایذاء رسانی اور مخالفت کی پروا نہیں کرتے، اگر وہ لوگوں کے دباؤ میں آ کر احکام الٰہیہ کی تبلیغ سے کنارہ کش ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا دعوائے رسالت سچا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا مقام یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں کسی دوسرے کی رضا یا ناراضگی کو خاطر میں نہیں لاتے۔

❹ عظیم عقل:

کیونکہ لوگ آنکھیں بند کر کے اسی ہستی کی پیروی پر آمادہ ہوں گے جس کے بارے میں وہ سمجھتے ہوں کہ وہ عقل کے عظیم ترین مقام پر فائز ہے، تب ہی انہیں اطمینان ہو

گا کہ وہ شخصیت ہمیں غلط راستے پر نہیں لے جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قوم میں سب سے زیادہ عقل مند ہوں، تب ہی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہوئے پیغام اور احکام کے بارے میں اپنی قوم اور خاص طور پر دانشوروں اور پڑھے لکھے لوگوں کو مطمئن کر سکیں گے اور مخالفین کے اعتراضات کے مسکت جواب دے سکیں گے۔

جب کسی شخصیت میں یہ چاروں صفات پائی جائیں اور رسول ہونے کی دوسری علامات بھی پائی جائیں اور اس شخصیت کی سچائی کے قبول کرنے سے کوئی قطعی مانع بھی نہ پایا جائے تو ماننا پڑے گا کہ وہ واقعی دعوائے رسالت میں سچے ہیں ﷺ۔

نبی اکرم سرور دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ یہ چاروں اوصاف آپ کی ذات اقدس میں بدرجہ اتم موجود ہیں، آپ کی صداقت کا اعتراف صرف اپنوں کو ہی نہیں بیگانوں کو بھی تھا، امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ ابو جہل نے نبی اکرم ﷺ کو کہا کہ:

''ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے، ہم تو اس پیغام کو جھٹلاتے ہیں جو آپ لائے ہیں۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ.

(الانعام:۳۳)

''اے حبیب! یہ (کافر) آپ کی تکذیب نہیں کرتے، لیکن ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔''

ابو سفیان تجارت کیلئے ملک شام گئے ہوئے تھے جب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے شاہِ روم ہرقل کو اسلام کا دعوت نامہ پہنچا، اس نے ابو سفیان اور ان کے ساتھیوں کو بلا کر

چند سوالات کیے، اور آخر میں ان جوابات پر تبصرہ کیا، ایک سوال اور اس کے جواب کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ روم نے کہا:

''میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ دعوائے رسالت سے پہلے آپ ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ آپ کا جواب نفی تھا، مجھے اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ انسانوں کے بارے میں تو جھوٹ نہ بولیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولیں'' (۱)

دوسری صفت'' قول وفعل کی مطابقت'' کا سب سے زیادہ شاندار مظاہرہ بھی نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ میں ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ. (الزمر: ٦٦)

''بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔''

امام بخاری اور مسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ رات کو اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ کے پائے اقدس میں ورم آ جاتا، میں نے عرض کیا:

''یا رسول اللہ! آپ اتنی دیر کھڑے ہو کر نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام امور کی مغفرت فرما دی ہے۔''

فرمایا: ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟'' (۲)

امت کیلئے پانچ نمازیں فرض ہیں، لیکن آپ باقاعدگی کے ساتھ تہجد بھی ادا فرماتے ــــــ امت پر رمضان کے روزے فرض ہیں، مگر آپ پیر اور جمعرات کا روزہ

---

(۱) محمد بن اسماعیل بخاری، امام: صحیح بخاری عربی (طبع دہلی) ج ۱، ص ۴

(۲) ایضاً: ص ۲/ ۷۱۷-۷۱۶

رکھتے ـــــ سفر و حضر میں ایام بیض (چاند کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخوں) کے روزے رکھتے ـــــ شعبان کے اکثر روزے رکھتے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ یَذْکُرُ اللّٰہَ علٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ [1] ''ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے، حصن حصین کا مطالعہ کیجئے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات اقدس کا ایک ایک لمحہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزرتا تھا؟

تبلیغ اسلام کے سلسلے میں نبی اکرم ﷺ نے جس محنت اور تسلسل سے کام کیا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس قدر تکلیفیں برداشت کیں، دعوت و تبلیغ کی تاریخ میں اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی، حدیث شریف میں ہے:

مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ.

''جتنی تکلیفیں ہمیں دی گئیں کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے شخصی طور پر لوگوں سے رابطہ کیا ـــــ عرب کے مختلف قبیلوں سے ملاقات کر کے اسلام کا پیغام پیش کیا ـــــ تبلیغ دین کیلئے سفر کیا ـــــ لوگوں کے اجتماعات میں تشریف لے گئے ـــــ اپنے نمائندے بھجوائے ـــــ وفود حاضر ہوتے اور مبلّغ بن کر واپس ہوتے ـــــ سلاطین اور امراء کو اسلام کی دعوت دی ـــــ صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ دین کی تعلیم حاصل کریں اور دوسرے لوگوں کو تعلیم دیں ـــــ مجاہدین کو حکم دیا کہ دعوتِ اسلام پیش کرنے سے پہلے جنگ نہ کریں ـــــ نیز تمام مسلمانوں کو تبلیغِ اسلام کا حکم دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام کا پیغام دنیا کے ایک کونے سے دوسرے تک پہنچ گیا۔

نبی اکرم ﷺ کا پیغام کیا تھا؟ ارشاد فرمایا:

''اے لوگو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔''

یعنی شرک چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہ مانو۔

---

(۱) محمد بن اسماعیل بخاری، امام: صحیح بخاری عربی (طبع دہلی) ج ۱ ص ۸۸

شاہ روم نے دریافت کیا کہ: ''وہ تمہیں کیا حکم دیتے ہیں؟'' اس کے جواب میں ابوسفیان نے کہا:

''وہ کہتے ہیں، اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، تمہارے آباء واجداد جو کچھ کہتے تھے اُسے چھوڑ دو، اس کے علاوہ وہ ہمیں نماز، سچائی، پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں'' (۱)

یہ اعلان اہلِ مکہ کیلئے دھماکے سے کم نہ تھا، ایک ایک فرد دشمنِ جاں بن گیا، عقبہ ابن ابی مُعیط نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل زمین پر آ گئے، نماز پڑھتے ہوئے اونٹنی کی بچہ دانی آپ کی پشت پر ڈالی گئی، آپ کو سب و شتم کیا گیا، شاعر، کاہن اور جادوگر کہا گیا، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے، آپ کے صحابہ کرام کو اذیتیں دی گئیں، بعض کو شہید کر دیا گیا، تین سال تک شعب ابوطالب میں صحابہ کرام کے ساتھ محصور رہے، اس عرصے میں مشرکین نے مکمل بائیکاٹ کیا، طائف والوں کو دعوتِ اسلام دی تو انہوں نے آپ پر پتھر برسائے، یہاں تک کہ جسدِ اقدس لہولہان ہو گیا، نعلین شریفین خونِ مبارک سے تر ہو گئے۔

نبی اکرم ﷺ عرب کے معزز ترین قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں، خود صداقت وامانت کا پیکر ہیں، عمر شریف چالیس سال سے زیادہ ہے، اپنی سابقہ زندگی کو بطور چیلنج پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''تمہیں میری پوری زندگی میں کوئی عیب دکھائی دیا ہے؟'' کسی کو انگشت نمائی کی جرأت نہیں ہوتی، پھر مقصد کتنا عظیم ہے کہ اپنی قوم کو جہنم سے بچانا چاہتے ہیں، لیکن قوم ہے کہ پوری ڈھٹائی سے اپنے کفر پر مصر ہے، سبّ وشتم کرتے ہیں، حملے کرتے ہیں، شہید کرنے کے منصوبے بناتے ہیں، صحابہ کرام کو ناقابلِ برداشت اذیتیں دیتے ہیں، یہ سب کچھ برداشت کرنا اور اپنے مشن پر نہ صرف قائم رہنا بلکہ اسے کامیابی سے

---

(۱) محمد بن اسماعیل بخاری، امام: بخاری عربی (طبع دہلی) ج۱، ص۴

ہمکنار کرنا اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہی کا کام ہوسکتا ہے، کوئی دوسرا شخص یہ عظیم کارنامہ انجام نہیں دے سکتا، صلی اللہ علیہ وسلم۔

پھر عظیم راہنمائی اور انتہائی قیمتی تعلیم پر کسی قسم کے معاوضے کا مطالبہ نہیں بلکہ صاف ارشاد فرمایا جاتا ہے:

لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْراً اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبیٰ.

''ہم تبلیغ دین پر تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے، ہاں ہماری قرابت اور رشتے داری کا پاس کرو۔

یعنی ہماری رشتے داری کا لحاظ کرتے ہوئے ہمارے قریب آؤ اور حلقہ بگوشِ اسلام ہوجاؤ، یہ مطلب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا۔(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تعلیم کا ایک انداز یہ ہے کہ صحابۂ کرام دنیا کی کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتے تو آپ ان کی توجہ کا رخ کمالِ حکمت عملی سے اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیتے، ہوازن کے قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی جس کی چھاتی میں دودھ اترا ہوا تھا۔ اسے جو بھی بچہ ملتا اسے سینے سے چمٹا لیتی اور اسے دودھ پلاتی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟''

صحابۂ کرام نے عرض کیا:

''کہ اس کے بس میں ہو تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالے گی؟''

فرمایا:

''یہ عورت اپنے بچے پر جس قدر مہربان ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے کہیں زیادہ ہے۔''(۲)

---

(۱) محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: بخاری شریف، ج ۱، ص ۴۹۶

(۲) ایضاً: ج ۲، ص ۸۸۷

بعض اوقات صحابہ کرام کسی دنیاوی چیز کی طرف متوجہ ہوتے تو آپ ان کی توجہ آخرت کی طرف مبذول فرما دیتے، ایک دفعہ صحابہ کرام ریشمی کپڑے کو چھو کر دیکھ رہے تھے اور اس کی خوبصورتی کی تعریف کر رہے تھے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔''(۱)

مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد جہاد کا حکم نازل ہوا، یہ بھی دعوتِ اسلام کا ایک طریقہ تھا، جنگ سے پہلے پیشکش کی جاتی تھی کہ:

''اسلام لے آؤ، یا ذمی بن جاؤ اور اگر ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کیلئے بھی تیار نہیں ہو تو جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔''

مستشرقین کا یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے، کیونکہ ذمی جب اسلامی سٹیٹ سے معاہدہ کر لیتے تھے تو انہیں اپنے دین پر قائم رہنے کی پوری آزادی ہوتی تھی اور انہیں اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔

چوتھی صفت ''عقلِ کامل'' ہے، نبی اکرم ﷺ کی کامل ترین عقل کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے جس انقلاب کا منصوبہ پیش کیا تھا اسے آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں برپا کر کے دکھا دیا، آپ کی احادیث شریفہ کا مطالعہ کیجئے قرآن پاک کے بعد، حکمت و دانش کا ایسا خزانہ آپ کو کہیں نہیں ملے گا۔

اس میں شک نہیں کہ یونان میں بڑے بڑے مشہور فلاسفہ پیدا ہوئے لیکن وہ سب گفتار کے غازی تھے، ان میں کردار کا غازی کوئی بھی نہ تھا، ان میں:

- ـــــ اخلاص اور للّٰہیت کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پائے کا ایک بھی نہ تھا،
- ـــــ حق کی سختی کے ساتھ حمایت کرنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

---

(۱) محمد بن عبداللہ الخطیب، امام: مشکوٰۃ شریف عربی ص ۵۷۴

- ——— سخاوت میں حضرت عثمان غنی،
- ——— علم وحکمت اور شجاعت میں حضرت علی مرتضی،
- ——— زہد میں حضرت ابوذر اور
- ——— عبادت و ریاضت میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا ثانی یونان والوں میں کوئی نہ تھا، جس محسنِ انسانیت ﷺ کے شاگردوں کا یہ عالم ہو، حکمت و دانش میں اس کا مدِ مقابل کون ہوسکتا ہے؟

ماننا پڑے گا کہ حضور سید عالم ﷺ کا اندازِ تبلیغ اور اسلوبِ دعوت سب سے انوکھا، سب سے نرالا اور سب سے زیادہ کامیاب تھا۔

آج اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہمیں جھنجوڑ کر خوابِ غفلت سے جگا رہا ہے، مقبوضہ کشمیر، بوسنیا، فلسطین اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی امداد کیلئے جہاد کا حکم دے رہا ہے:

> ''تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے؟ حالانکہ کمزور مرد، عورتیں اور بچے جو کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں، ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی کارساز مقرر فرما اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی مددگار بنا۔''

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

○

یہ مقالہ ۲۳ رجمادی الآخرہ مطابق ۲۸ نومبر ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء کو ''قومی سیرت کانفرنس، مظفر آباد'' میں پڑھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرتِ مبارکہ کی روشنی میں جماعتی نظم اور آدابِ گفتگو

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ .

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (آل عمران: ۳/۱۱۰)

''تم ان سب اُمتوں سے بہتر ہو جو لوگوں کے سامنے ظاہر کی گئیں، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''

اس آیت کریمہ میں اُمت مُسلمہ کے مقام اور اس کی ذمہ داری کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔ اس اُمت کا مقام یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے طفیل یہ امت اقوامِ عالم کے لئے آئیڈیل کی حیثیت رکھتی ہے اور سب امتوں سے افضل ہے، ایک وجہ تو یہی ہے کہ جب آقا ﷺ تمام رسولوں سے افضل ہیں تو آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔

علامہ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَمَّا دَعَی اللّٰہُ دَاعِیْنَا لِطَاعَتِہٖ ؎ بِاَکْرَمِ الرُّسُلِ کُنَّا اَکْرَمَ الْاُمَمِ

فضیلت کی دوسری وجہ اس آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ اُمت اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کیساتھ نیکی کا حکم دیتی ہے اور برائی سے منع کرتی ہے اور یہی اس امت کا فریضہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ فضیلت ان ہی مومنوں کو حاصل ہوگی جو پہلے خود نیکی پر عمل پیرا ہوں گے اور برائی سے دور رہیں گے پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ

انجام دیں گے ورنہ تو اس شدید وعید کا سامنا کرنا پڑے گا:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف ۶۱/۳)

''اللہ کے نزدیک سخت ناپسند ہے وہ بات جس پر تم خود عمل پیرا نہ ہو''۔

اس جگہ قابل غور بات یہ ہے کہ اس فریضے کو ادا کون کرے؟ اور اولین ذمہ داری کس کی ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ

❶ یہ اولین ذمہ داری اربابِ اقتدار کی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (الحج ۲۲/۴۱)

''وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز قائم رکھیں، اور زکوٰۃ دیں اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور اللہ ہی کے لئے تمام کاموں کا انجام ہے''

❷ دوسرے نمبر پر یہ ذمہ داری علمائے کرام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران ۳/۱۰۴)

تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کرے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔

❸ تیسرے نمبر پر عام اہل ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''تم میں سے جو شخص خلافِ شرع کام دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کر دے، اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے منع

کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا
کمزور ترین درجہ ہے۔'' (مسلم شریف)

جب سے پاکستان بنا ہے یہاں کے حکمرانوں نے نظامِ مصطفےٰ کے نافذ کرنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ نتیجہ یہ ہے کہ فتنہ وفساد اور فسق وفجور کا دور دورہ ہے۔ باطل کی یلغار پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ایسے عالم میں علمائے اہل سنت اور مشائخ کی ذمہ داری ہے کہ اس فریضہ کے ادا کرنے کے لئے پہلے خود علم اعتقاد اور اخلاصِ عمل سے آراستہ ہوں پھر اپنے اہل وعیال کو نظامِ مصطفےٰ کے سانچے میں ڈھالیں۔

ارشاد ربانی ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا قُوا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (تحریم ۶۶/۶)

''اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔''

پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کا پیغام اپنے علاقے اپنے ملک اور اس کے بعد پوری دنیا کے باشندوں تک پہنچائیں ''اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' تمام افراد انسانیت کو شامل ہے اسی طرح ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' بھی عام ہے، کسی خطے یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اجتماعیت کی ضرورت

ظاہر ہے کہ یہ عظیم الشان کام ہم جیسا کوئی بھی شخص تن تنہا انجام نہیں دے سکتا، ارشاد ربانی: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ'' کا بھی یہی مفاد ہے کہ کارِ دعوت کے لئے ایک جماعت ہونی چاہیئے۔

دین اسلام نے اجتماعیت پر بہت زور دیا ہے، سرکار دو عالم ﷺ نے مکہ معظمہ میں پیکر ایمان وتقویٰ اور نمونہ اخلاص صحابہ کرام کی جماعت تیار کی، مدینہ منورہ میں انصار

بھی اس مقدس جماعت میں شامل ہو گئے، اہل ایمان کی یہی مقدس وہ جماعت تھی جن کے تعاون سے سرکار دو عالم ﷺ نے مدینہ طیبہ میں اسلامی سٹیٹ قائم کی اور ایسا انقلاب برپا کیا جس پر آج بھی اقوام عالم انگشت بدنداں ہیں، ارشاد ربانی ہے:

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا

(آل عمران ۳/ ۱۰۳)

''جب تم دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت عطا فرمائی تو تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔''

معلوم ہوا کہ اجتماعیت کے لئے محض کچھ لوگوں کا مل بیٹھنا کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ دلوں کے فاصلے دور کر کے اخوت ومحبت کی فضا قائم کی جائے اور مل کر ایک مقصد کے لئے کام کیا جائے —— اسلامی عبادات نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور دعا میں بھی اجتماعیت کا فلسفہ کارفرما ہے، آج ہم اہلِ سنت و جماعت کثرت میں ہونے کے باوجود پس ماندہ اور ملکی سطح پر غیر مؤثر ہیں۔ تو اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم غیر منظم ہیں اور جماعت کی لڑی میں منسلک نہیں ہیں۔

جماعتی ضبط:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

جماعت کے طور پر کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا امیر مقرر کیا جائے ورنہ ہر شخص دوسروں پر اپنی رائے ٹھونسنے کی کوشش کرے گا۔ اگر جماعت کے اراکین میں اختلاف ہو جائے تو امیر ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَـاأَيُّهَـاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوْااللّٰهَ وَاَطِيْعُوْ االرَّسُوْلَ وَاُوْلِيْ الْاَمْرِ مِـنْـكُـمْ فَـاِنْ تَـنَـازَعْـتُـمْ فِيْ شَيْئٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰـهِ وَالرَّسُوْلِ۔ (النساء۴/۵۹)

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر کسی چیز میں تمہارا نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔''

امیر کی اہمیت اور ضرورت کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایئے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب تین آدمی سفر میں ہوں تو وہ اپنے میں سے کسی کو امیر بنائیں۔

امیر کون بنایا جائے؟ اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ وہ ایمان، علم اور تقویٰ میں دوسروں سے بہتر ہو اور اس میں قیادت کی صلاحیت ہو۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

اِجْعَلُوْ اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ (سنن دارقطنی ۲/۸۸)

''تم ایسے لوگوں کو امام بناؤ جو تم میں سے بہتر ہوں۔''

امیر کا انتخاب بھی ان ہی بنیادوں پر ہونا چاہئیے، یہ نہ ہو کہ رشتے داری، دوستی، دھڑے بندی یا ذاتی منفعت کی بنا پر کسی شخص کو منتخب کر لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوْ الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا (النساء۴/۵۸)

''بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو۔''

ووٹ (رائے) بھی ایک امانت ہے اس شخص کو دینا چاہیے جو اس کا اہل ہو۔ امیر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ امارت کا طلبگار نہ ہو، حضور سید عالم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

''تم امارت کا سوال نہ کرنا، اس لئے کہ اگر سوال کرنے پر تمہیں امارت دی گئی تو تم اس کے سپرد کردیے جاؤ گے (تمہاری امداد نہیں کی جائے گی) اور اگر مانگے بغیر تمہیں امارت دی گئی تو تمہاری امداد کی جائے گی۔''[1]

ایک دوسری روایت میں ہے:

تم امارت کا شوق رکھتے ہو؟ یہ امارت قیامت کے دن ندامت کا باعث ہو گی، دودھ پلانے والی تو بڑی اچھی لگتی ہے لیکن دودھ چھڑانے والی بری لگے گی۔[2]

اب یہ بھی ملاحظہ فرمالیں کہ امیر کا مقام کیا ہے؟ اور یہی اس مقالے کا اہم نکتہ ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ہماری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ہماری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے ہماری اطاعت کی، اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے ہماری نافرمانی کی۔'' (۳)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

''اگر تم پر غلام کو امیر بنا دیا جائے جس کی ناک اور کان کٹے ہوئے ہوں وہ کتاب اللہ کے ساتھ تمہاری قیادت کرے تو تم اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔'' (۴)

مطلب یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ اطاعت صرف ایسے امیر کی کی جائے جو خوبصورت ہو، دلکش ہو اور گورے چٹے رنگ کا ہو یا اس کی آواز کانوں میں رس گھولنے والی ہو، بلکہ امیر امیر ہے چاہے اس کی شکل اور وضع کیسی ہی ہو۔ جب اسے امیر بنالیا گیا تو اس

(۱) صحیحین، مشکوۃ شریف، ص:۳۲۰ (۲) بخاری شریف، مشکوۃ شریف، ص:۳۲۰

(۳) بخاری شریف، ص ۴۱۵، مشکوۃ شریف، ص:۳۱۹ (۴) مسلم شریف۔ مشکوۃ شریف، ص:۳۱۹

کی اطاعت شرعاً واجب ہے امیر کی اطاعت رسول اللہ کی اطاعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ وہ خلاف شریعت حکم نہ دے ورنہ اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''مسلمان پر سننا اور اطاعت کرنا لازم ہے چاہے وہ کام اسے پسند ہو یا نہ ہو، بشرطیکہ اسے کسی گناہ کا حکم نہ دیا جائے اور جب اسے گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سننا واجب ہے اور نہ اطاعت واجب ہے۔''(۱)

ہماری جماعتوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں اطاعت امیر کی شرعی اہمیت کا تصور ہی نہیں ہے، اور اگر امیر کی اطاعت نہیں کرنی تو پھر جماعت بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

دوسری طرف قائدین کی دلچسپی کے فقدان کا یہ عالم ہے کہ کسی رکن کے ذمہ کام لگانے کے بعد بھول جاتے ہیں کہ ہم نے کسی کے ذمہ یہ کام لگایا تھا، اگر وہ رکن کام نہیں کرتا تو اس امر کا اہتمام کیا جائے کہ اسے ایک سے زائد مرتبہ یاد دلایا جائے اور اس سے باز پرس کی جائے، اس کے باوجود کام نہیں کرتا تو اسے برطرف کر کے کسی ذمہ دار کو وہ کام سپرد کیا جائے۔

جماعتوں کی ناکامی کی ایک دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ جماعت کے عہدیدار جز وقتی کام کرتے ہیں اور ان سے مفت کام لیا جاتا ہے جماعت کو چاہیے کہ فنڈ اکٹھا کرے اور عہدیداروں کو معقول وظیفہ دے کر ان سے ہمہ وقت کام لیا جائے۔ اس کے بغیر ان سے باز پرس ہو سکتی ہے نہ ہی سرزنش۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ میں اگر ایک طرف یہ واقعہ ملتا ہے کہ حضرت

(۱) بخاری شریف، مشکوۃ شریف:۳۱۹

کعب بن ابن مالک اور ان کے دو ساتھی اعلان عام کے باوجود غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے، سرکار دو عالم ﷺ کے حکم پر صحابۂ کرام نے ان کا سوشل بائیکاٹ کیا اور یہ سلسلہ پچاس دن تک چلتا رہا[1]، تو دوسری طرف یہ بھی ملتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے اہل مکہ کو مکہ آپریشن کی اطلاع دینے کی کوشش کی، اہل مکہ تک پہنچنے سے پہلے یہ پیغام پکڑا گیا۔ اس سیکرٹ راز کے افشا کرنے کی کوشش پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں'' لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا:

> یہ اہل بدر میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر جلوہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (۲)

مقصد یہ ہے کہ امیر کو سختی کیساتھ جماعتی ڈسپلن کی حفاظت کرنی چاہیے اس کے ساتھ ہی اس میں عفو و درگزر کا مادہ بھی ہونا چاہیئے، خاص طور پر ان لوگوں کے حق میں جن کی جماعتی خدمات مسلّم ہوں۔

جماعت کے ہر رکن کو چاہیئے کہ وہ وقتاً فوقتاً جماعت کا پرچار کر کے ملنے والوں کو اس کے مقاصد سے ملنے اور جماعت کے خلاف افواہیں پھیلانے والوں (ففتھ کالم) کے ساتھ نہ تو خود شریک ہو اور نہ ان کی حوصلہ افزائی کرے۔ ہر رکن کو چاہیئے کہ وہ ابھی سے ۱۲ اپریل ۲۰۰۰ء کو ملتان میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی سنی کانفرنس کا بھی چرچا شروع کر دے۔

آداب گفتگو

آداب گفتگو سے میری مراد یہ ہے کہ دعوت دینے والے حضرات کو کن اوصاف سے موصوف ہونا چاہیے؟ ظاہر ہے کہ زندگی کے ہر شعبے کی طرح تبلیغِ دین کے سلسلہ میں

---

(۱) محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: صحیح بخاری شریف، ج ۲، ص ۱۳۵۔۱۳۴

(۲) ایضاً: ج ۲، ص ۶۱۲

بھی سرکار دو عالم ﷺ کی ذات اقدس ہی ہمارے لئے راہنما ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

''تمہارے لئے اللہ کے رسول میں حسین راہنمائی ہے''۔

دین کے مبلغ کو جن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے، ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

❶ **اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی سچی محبت اور اطاعت:**

حدیث شریف میں ہے کہ جس شخص میں تین اوصاف پائے جائیں وہ ان کی بدولت ایمان کی حلاوت (مٹھاس) پالے گا، ان میں سے ایک یہ ہے:

اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّاسِوَاهُمَا (بخاری شریف: ۱/۷)

یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی ﷺ اسے ہر ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔

یہی جذبۂ محبت، اطاعت و فرمانبرداری کا باعث ہے اور یہی تبلیغ دین کا محرک ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں بن سکتا۔

حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (۱)

''یہاں تک کہ ہم اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔''

لیکن محبت ہے کیا؟ اس کی وضاحت دوسری حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِّمَاجِئْتُ بِهٖ (۲)

(۱) بخاری شریف: ۱/۷
(۲) کنز العمال ۱۰۸۴

جب تک کہ اس کی خواہش ہمارے لائے ہوئے احکام کے تابع نہیں ہو جاتی،

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمانِ کامل حاصل کرنے کے لئے صرف اپنے ظاہر کو احکام شریعت سے آراستہ کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ باطن میں تبدیلی کا آنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ نفس کا اس قدر تزکیہ ہو جائے کہ وہ خلافِ شریعت امور کا ارادہ ہی نہ کرے، یہ وہ مقام ہے جس کے حصول کے لئے رہبرِ کامل اور فیضانِ نظر کی ضرورت ہوتی ہے۔

❷ دین کا علم اور فہم حاصل ہو:

علم وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ انسان کے قلب میں القا فرماتا ہے۔ جب یہ نور نہیں ہو گا تو نہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگی اور نہ ہی اس کے احکام کی خبر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (النور:۲۴/۴۰)

''جسے اللہ تعالیٰ نور عطا نہ فرمائے تو اس کے لئے کوئی نور نہیں ہے''۔

شیخ سعدی فرماتے ہیں:

پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

علم کے لئے شمع کی طرح پگھلنا چاہیے کیونکہ علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کی پہچان نہیں ہو سکتی۔ جب علم ہی نہ ہوگا تو اطاعت کیسے ہو سکتی ہے؟ اور تبلیغ کا تو کوئی مطلب ہی نہ رہے گا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں:

اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا (۱)

''قریب قیامت جب اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھا لے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنا لیں گے، جو خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے''۔

---

(۱) مشکوۃ شریف، ص ۳۳

عربی کا ایک شاعر کہتا ہے:

اِذَا كَانَ الْغُرَابُ دَلِيْلَ قَوْمٍ
سَيَهْدِيْهِمْ طَرِيْقَ الْهَالِكِيْنَ

''جب کوا کسی قوم کا رہنما بن جائے تو، وہ انہیں ہلاکت کے راستے کی راہنمائی کرے گا''

❸ اخلاص نیت:

تمام عقائد اور اعمال کا دارومدار نیت اور اسکے اخلاص پر ہے کہ جو کام کیا جائے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو!

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

''جس شخص نے علم طلب کیا تا کہ اس کے ذریعے علماء کا مقابلہ کرے۔ یا بیوقوفوں سے جھگڑا کرے یا لوگوں کے چہروں کو اپنی طرف پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اسے آگ میں داخل کرے گا''(۱)

ایک دوسری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت والے دن ایک شہید، ایک قرآن کے عالم اور قاری اور ایک دولت مند کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ میں نے تمہیں اتنی نعمتیں دی تھیں، تم نے ان کا شکریہ ادا کیا؟ وہ اپنے اپنے کارنامے بیان کریں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے سب کچھ لوگوں کو دکھانے کے لئے کیا تھا یعنی خالص میری رضا کے لئے نہیں کیا تھا چنانچہ حکم دیا جائے گا اور ان لوگوں کو گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔(۲)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ہم وعظ وخطابت کے جوہر اس لئے دکھاتے ہیں کہ لوگ واہ واہ کریں، نعرے لگائیں، داد دیں اور ہمیں امتیازی کرسیوں پر بٹھائیں تو کیا ہم

(۱) مشکوٰۃ شریف، ص ۳۴ (۲) مشکوٰۃ شریف، ص ۳۳

للّٰہیت کے مقام پر فائز ہو سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہوگا اور اگر ہم خطابت کرنے کا باقاعدہ معاوضہ طے کریں اور کھانے پینے کے ایک مینو مقرر کر دیں اور اس کے باوجود بروقت اپنا پروگرام کینسل کر دیں تو اسے اخلاص اور للّٰہیت کے کس خانے میں فٹ کیا جا سکے گا؟ اور سامعین کے دل و دماغ میں وہ صالح انقلاب کیسے جنم لے گا؟ جو اولیاء کرام کے ارشادات سے پیدا ہوا کرتا تھا۔

ہمیں تو بتایا گیا ہے کہ مقام احسان واخلاص یہ ہے کہ:

اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔(۱)

''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

اگر یہ کیفیت ہم پر طاری ہو جائے اور طاری رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہ ہو۔

❹ داعیانہ لگن:

سرورِ دو عالم ﷺ نے جس محبت اور ولولے کیساتھ دعوت اسلام کا کام کیا اور اپنی حیات ظاہرہ میں اسلامی انقلاب برپا کر کے دکھایا۔ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اعلان نبوت کے بعد مکۂ معظمہ میں تیرہ سالہ دور بڑا ہی مشکل اور کٹھن تھا، دشمنان اسلام نے دعوت اسلام کو روکنے کیلئے ہر حربہ اور ہر ظلم روا رکھا، لیکن کسی بھی موقع پر نبی اکرم ﷺ کی استقامت میں سرمو فرق نہ آیا، ابو طالب نے جب مشرکین کی پیشکش پیش کی کہ: ''آپ ہمارے بتوں کی مخالفت چھوڑ دیں اور جو چاہیں ہم سے مطالبہ کریں ہم اسے پورا کریں گے۔'' تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) بخاری شریف ص ۱۲

''اگر وہ ہمارے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ بھی دیں تو بھی ہم اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے سے گریز نہیں کر سکتے۔''(۱)

ابو طالب کے آخری وقت ابو جہل اور اُمیہ بن مغیرہ کی موجودگی میں فرمایا:

''کلمہ طیبہ پڑھ لو ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہاری گواہی دیں گے۔''(۲)

داعیانِ حق کو حضور ﷺ کی مکی زندگی اور اس دور میں آپکی استقامت کا خاص طور پر مطالعہ کرنا چاہئے، مدینہ طیبہ میں مشرکینِ مکہ کے حملوں اور منافقین کی سازشوں کے باوجود دعوتِ تلقین کا عمل مسلسل جاری رہا، ایک یہودی بچہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا تو سرکار بنفسِ نفیس اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس موقع پر بھی تبلیغ کے فریضے سے چشم پوشی نہ فرمائی، اس بچے کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جو اس نے قبول کر لی، سرکار دو عالم ﷺ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا (مفہوماً)(۳)

غرض یہ کہ حق کے داعی کو کسی بھی لمحے فریضۂ دعوت سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِکَ رَجُلاً وَّاحِدًا خَیْرٌ لَّکَ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ حُمْرُ النَّعَمِ۔(۴)

''اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک شخص کو ہدایت عطا فرمائے تو یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تمہارے لئے سرخ اونٹ ہوں۔''

اس حدیث سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر مبلغِ دین کی کوشش سے زیادہ لوگ راہ راست پر نہ آئیں تو بھی اسے بددل نہیں ہونا چاہیے۔

---

(۱) ابن کثیر: البدایۃ والنہایۃ، بیروت۔ ۴۸/۳

(۲) مسلم بن الحجاج، امام: مسلم شریف، کراچی، ۱/۴۰

(۳) مشکوٰۃ شریف: ص: ۱۳۷ (۴) مشکوٰۃ شریف ص ۶۴-۵۶۳

❺ **قول وفعل میں یکسانیت:**

خادم دین کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو کچھ کہے خود اس پر عمل کرے۔ نبی اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ صحابۂ کرام پر پانچ نمازیں فرض تھیں، آپ پر نماز تہجد بھی واجب تھی، صحابۂ کرام پانچ نمازیں پڑھتے تھے اور آپ چھ ادا فرماتے تھے، خود صوم وصال (افطار کئے بغیر مسلسل روزے) رکھتے، جب کہ صحابۂ کرام کو منع فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو آگ کے اندر ڈال دیا جائے گا اس کی انتڑیاں نکل کر آگ میں گر جائیں گی، وہ اپنی انتڑیوں میں اس طرح گھومے گا جس طرح گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے، جہنمی اس کے گرد جمع ہو کر کہیں گے:

''اے فلاں تیرا کیا حال ہے؟ کیا تو ہمیں نیکی کا حکم نہیں دیتا تھا اور برائی سے منع نہیں کرتا تھا؟''

وہ کہے گا:

''میں تمہیں نیکی کا حکم دیا کرتا تھا، لیکن خود اسے اختیار نہیں کرتا تھا، اور تمہیں برائی سے منع کیا کرتا تھا اور خود اس کا مرتکب ہوتا تھا۔''(۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَاتَفْعَلُوْنَ۔

''تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔''

❻ **حکیمانہ دعوت:**

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔

---

(۱) مشکوۃ شریف ص ۴۳۶

''اپنے رب کے راستہ کی طرف بلایئے، حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان پر حجت قائم کیجئے احسن طریقہ سے۔''

نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو صرف قرآن وحدیث کے احکام ہی سے آگاہ نہیں فرماتے تھے، بلکہ موقع محل کے مطابق انہیں قائلِ معقول بھی فرماتے تھے، ایک صحابی نے عرض کی کہ: ''میری بہن فوت ہوگئی ہے، اس نے حج کی نذر مانی تھی''، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا تو تم اسے ادا کرتے؟ عرض کیا: ''جی ہاں!'' فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا قرض ادا کرو وہ ادا کرنے کے زیادہ لائق ہے۔''(۱)

دین متین کے داعی کا فریضہ ہے کہ حکمت ودانش کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم ﷺ کا پیغام عوام وخواص تک پہنچائے، قرآن پاک کے حوالے سے گفتگو کرے، حدیث شریف کی مستند کتابوں سے مطالعہ کر کے تبلیغِ احکام کرے۔ غیر مستند روایات اور غیر ثقہ کتابوں کے حوالے سے گریز کرے، آج کمپیوٹر پر حدیث پاک کی کتابیں آچکی ہیں، یہ وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا موضوع ہے۔ ایک عام آدمی بھی اٹھ کر کہہ سکتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، مسلم بزرگان دین اور اسلافِ امت کے اقوال پیش کیجئے، معقول اور مدلّل طریقِ گفتگو اختیار کیجئے، غیر سنجیدہ اور ناشائستہ لب و لہجہ اختیار نہ کیجئے۔

علماء کو چاہیے کہ وہ سال بھر کے لئے مختلف موضوعات منتخب کریں، اولین ترجیح دین کی بنیادی تعلیمات کو دیں، توحید، صفات باری تعالیٰ، تنزیہ وتقدیس، نبوت، فضائل و کمالات مصطفےٰ ﷺ، عبادات، معاملات، حشر ونشر، فضائلِ قرآن، فضائلِ صحابہ واہل بیت، مناقبِ اولیاء، اسکے ساتھ فرقِ باطلہ اور بدعات کا ردّ کریں اور انداز ایسا دلنشیں کہ ہر بات سامعین کے دل ودماغ میں اتر جائے۔

---

(۱) مشکوٰۃ شریف ۲۲۱

حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنا موقف ایک ہمدرد اور مخلص راہنما کے طور پر پیش کریں، نہ تو کسی کو مدمقابل بنائیں اور نہ ہی اپنا موقف کسی پر ٹھونسنے کی کوشش کریں۔

7 شفقت ورحمت:

نبی اکرم ﷺ سراپا رحمت ہیں، آپ نے کبھی اپنی ذات کے لئے انتقام نہ لیا، البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کرتا تو اللہ تعالیٰ کے لئے اسے سزا دینے میں بھی توقف نہ فرماتے، اپنوں اور بیگانوں کو وہ شفقت ومحبت عطا فرمائی کہ بیگانے یگانے اور یگانے دیوانے بن گئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔

(آل عمران ۱۵۹/۳)

''اللہ کی عظیم رحمت سے آپ مومنوں کے لئے نرم دل ہو گئے، اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے اردگرد سے بھاگ جاتے، پس آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لئے بخشش کی دعا کریں۔''

ایک اعرابی مسجد میں پیشاب کرنے لگا، صحابۂ کرام نے اسے منع کرنے کی کوشش کی تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس کا پیشاب مت روکو اور حکم دیا کہ اس کے پیشاب پر پانی کا ڈول لا کر بہا دیا جائے۔

مبلّغ کی حیثیت ایک ڈاکٹر کی ہے جو مریض سے نفرت نہیں رکھتا، بلکہ مرض کا دشمن ہے، وہ اگر مریض کا اپریشن بھی کرتا ہے تو اس کے پیش نظر مریض کی ہمدردی اور خیر خواہی ہوتی ہے۔ اسے ذلیل کرنا مقصد نہیں ہوتا۔

لیکن نرمی کا مطلب یہ بھی نہیں کہ انسان کفر، گمراہی اور بدعات سے صلح کر لے

اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صفت یہ بیان کی ہے:

اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ۔ (الفتح /۲۹)

''کافروں پر سخت اور آپس میں شیر و شکر۔''

❽ **علماء اہلِ سنت کی باہمی رواداری:**

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ قائدانہ صلاحیتوں کے حامل بزرگ دنیا سے تشریف لے گئے، جن کے سایۂ شفقت میں تمام علماء اور مشائخ اہلِ سنت یک جا ہو جایا کرتے تھے، ان کی موجودگی میں اہلِ باطل کو اس دلیری کیساتھ سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی جس قدر اس وقت ہے، آج ہمارے ہاں سیاسی، مذہبی اور روحانی سطح پر اس حد تک تقسیم ہو چکی ہے کہ ایک حلقے کا آدمی دوسرے کیساتھ خندہ پیشانی سے مصافحہ کرنے کا روادار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹ جاؤ۔''

نیز فرمایا ہے:

''وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ۔

''اور آپس میں جھگڑا نہ کرو تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔''

اس لئے ضروری ہے کہ آپس کے فروعی اختلافات کو شدت کا ایسا رنگ نہ دیا جائے کہ اہلِ سنت کا شیرازہ ہی بکھر جائے۔

ارباب اقتدار کی قصیدہ خوانی:

علماءِ حق کا یہ شیوہ رہا ہے کہ انہوں نے وقت کے حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق بلند کیا اور استقامت کا پہاڑ ثابت ہوئے، امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل عظیم ابتلا سے دوچار ہوئے، شیخ عز الدین بن عبد السلام اسی

ابتلاء کی بنا پر سلطان العلماء کے لقب سے ملقب ہوئے ۔امام ربانی مجدد الف ثانی کے بارے میں علامہ اقبال نے یہ کہہ کر خراجِ عقیدت پیش کیا:

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

امام احمد رضا بریلوی نے یہ کہہ کر ہماری راہنمائی فرمائی:

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا، پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

حضرات علماء ومشائخ!

آپ حضرات کے سامنے لب کشائی کی جرأت پر معذرت خواہ ہوں "اَلْمَـأمُوْرُ مَـعْـذُوْرٌ" کے تحت امید ہے کہ محسوس نہیں فرمائیں گے راقم نے اس مقالے میں حضرت مولانا سید شاہ تراب الحق قادری مدظلہ (کراچی) کی کتاب "دعوت تنظیم" سے استفادہ کیا ہے، مزید تفصیل ان کی کتاب سے حاصل کی جاسکتی ہے۔مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی کی مہربانی سے مجھے یہ کتاب دستیاب ہوئی اور راقم یہ چند صفحات قلم بند کر سکا۔

محررہ ۱۰ / شعبان ۱۴۲۰ھ /
نومبر ۱۹۹۹ء

یہ مقالہ تربیتی کیمپ برائے قائدین جماعت اہلِ سنت پاکستان
۲۰ / نومبر ۱۹۹۹ء ادارہ تعلیمات اسلامیہ خیابان سرسید میں پڑھا گیا

معجزۂ اسراء ومعراج

تحریر: ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی (دمشق)

ترجمہ: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسراء سے مراد مکہ مکرمہ کی مسجد حرام سے لے کر بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ تک کا سفر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور اعزاز عطا فرمایا، اس کے بعد کا سفر معراج ہے، یعنی مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کی بلندیوں تک اور وہاں سے اس مقام تک جہاں جن وانس اور فرشتوں کے علوم کی بھی رسائی نہیں ہے، یہ تمام سفر ایک رات میں ہوا۔

اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام کی تاریخ میں اختلاف ہے کہ کیا یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے دسویں سال تھا یا اس کے بعد؟ ابن سعد نے ''طبقات کبریٰ'' میں یہ روایت بیان کی ہے کہ سفر معراج ہجرت سے اٹھارہ مہینے پہلے پیش آیا۔

جمہور مسلمانوں کے نزدیک یہ مبارک سفر جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھا، اسی لئے اس واقعہ کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خداداد روشن معجزات میں سے شمار کیا گیا ہے۔

امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ تفصیل سے روایت کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:

''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس براق لایا گیا، جو دراز گوش سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، وہ حد نظر پر قدم رکھتا تھا ـــــ شب اسراء کے دولہا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے اور دو رکعت

نماز پڑھائی، پھر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے دو برتن پیش کئے جن میں سے ایک میں (جنتی) شراب اور دوسرے میں دودھ تھا، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دودھ پسند فرمایا، جبرائیل امین علیہ السلام نے عرض کیا: ''آپ نے فطرت کو پسند فرمایا ہے۔'' پھر آپ کو یکے بعد دیگرے پہلے دوسرے اور تیسرے آسمان پر لے جایا گیا، یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہی تک تشریف لے گئے، تب اللہ تعالیٰ نے آپ پر وہ وحی نازل فرمائی جو اس نے چاہی، مسلمانوں پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں، جب کہ اصل میں پچاس نمازیں تھیں۔'' (۱)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ اس مقدس سفر میں مشاہدہ فرمایا تھا دوسری صبح لوگوں کے سامنے بیان فرمادیا، مشرکین نے اپنے دوستوں کو جمع کیا اور انہیں یہ عجیب وغریب خبر سنائی اور اس کا تمسخر اڑایا، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ: ''جب آپ بیت المقدس گئے ہیں اور اس میں نماز بھی پڑھی ہے تو ہمیں بیت المقدس کے باقی ماندہ حصوں کی تفصیلات بتائیں''، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بیت المقدس تشریف لے گئے تو آپ کے خیال شریف میں یہ بات نہ آئی کہ آپ اس کے مختلف حصوں پر نظر ڈالتے، ان کی شکل وصورت نوٹ فرماتے اور اس کے ستونوں کی گنتی فرماتے، اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی صورت آپ کے سامنے منکشف فرمادی، اور آپ نے مشرکین کے سوالات کے جوابات تفصیل سے بیان فرمادئے۔

امام بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) اگر آپ واقعۂ اسراء ومعراج پڑھنا چاہتے ہیں تو صحیح بخاری ومسلم یا کسی بھی حدیث کی مستند کتاب میں پڑھیں، ''معراج ابن عباس'' ایسی کتاب پر ہرگز اعتماد نہ کریں، کیونکہ یہ کتاب جھوٹ اور بے سروپا روایات سے بھری ہوئی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سے بے تعلق ہیں۔ ۱۲ البوطی

''جب قریش نے ہماری تکذیب کی تو ہم حطیم کعبہ میں کھڑے ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بیت المقدس منکشف فرما دیا اور ہم اسے دیکھ دیکھ کر مشرکین کو اس کی علامات اور نشانیاں بتانے لگے۔''

بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا کر بتایا کہ تمہارے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ فرماتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ وہ اس ناقابل یقین خبر کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، لیکن انہوں نے فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ کے رسول گرامی نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے، میں تو اس سے بھی بڑی باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں (یہ ان کی شانِ صدیقی کا اظہار تھا۔۱۲ اشرف قادری)

شب معراج کی صبح حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا طریقہ اور اوقاتِ نماز بتائے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز کے شروع ہونے سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح صبح وشام دو دو رکعتیں ادا کرتے تھے۔

مسائل ونتائج:

① ۔رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اورمعجزات:

بعض محققین پورا زور تحقیق اس بات پر صرف کر دیتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی، عام انسانی زندگی تھی، وہ لمبی چوڑی گفتگو سے بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں معجزات اور خوارق کا عمل دخل نہ تھا، بلکہ آپ ان کا انکار فرماتے تھے، انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، اور معجزات کا مطالبہ کرنے والوں کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے، اور ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے کہ معجزات اور خوارق کا دکھانا میرا کام نہیں ہے اور نہ ہی ان تک میری رسائی ہے، اپنے اس دعوے پر اس قسم کی آیت

سے استدلال کرتے ہیں: ''قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ'' اے حبیب! فرمادیجئے کہ آیات (معجزات) تو اللہ ہی کے پاس ہیں، وہ قاری یا سامع کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ معجزات اور آیات سے یکسر دور اور خالی ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی عادت کریمہ یہ رہی ہے کہ وہ اپنے سچے نبیوں کی تائید معجزات سے فرماتا رہا ہے۔

جب ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں اس نظریئے کا منبع اور سرچشمہ بنظر غائر تلاش کرتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ یہ نظریہ دراصل بعض مستشرقین اور غیر مسلم مفکرین مثلاً گستاف، لوبون، اوجست، کونٹ، ہیوم، گولڈزیہر وغیرہم کی سوچ کا نتیجہ ہے، ان کے اس نظریئے کی بنیاد اور بڑا سبب یہ ہے کہ وہ خالقِ معجزات جل شانہٗ پر ایمان ہی نہیں رکھتے، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان، دل میں راسخ ہو جائے تو اس کے بعد ہر چیز پر ایمان لانا آسان ہو جاتا ہے اور دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں رہ جاتی جو حقیقۃً معجزہ کہلانے کی مستحق ہو۔

پھر ان سے بعض مسلمانوں نے یہ نظریہ حاصل کیا، عالم اسلام کی بدقسمتی یہ ہے کہ ان لوگوں نے بغیر کسی مضبوط تائید کے ان غیر مسلموں کے افکار کو پھیلانے کے لئے اپنی تمام قوتیں اور تمام علوم صرف کر دئے، یہ لوگ ان کے فریب کی ملمع کاری سے مسحور ہو گئے اور یورپ میں ہونے والے علمی کام کی چکاچوند سے ان کی آنکھیں چندھیا گئیں، ان مسلمانوں میں شیخ محمد عبدہٗ، محمد فرید وجدی (مصنف ''دائرۃ المعارف'') اور حسین ھیکل (مشہور صحافی اور مصنف) سرفہرست ہیں۔(۱)

پھر مسلمانوں سے فکری جنگ کرنے والوں اور انہیں شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے والوں نے غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ بعض مسلم مفکرین جو کچھ کہہ رہے ہیں اس

---

(۱) پاک وہند کے علماء میں سے شبلی نعمانی بھی اسی زمرے میں آتے ہیں انہوں نے کئی معجزات کا انکار کیا اور جنگ بدر کا وہ پس منظر ہی بدل ڈالا جو احادیث صحیحہ اور کتب سیرت سے ثابت ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے ''غزوات النبی'' از علامہ فیض احمد اویسی... رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ اشرف قادری

سے ہمارے لئے مسلمانوں سے فکری محاذ آرائی اورانہیں ان کے دین کے بارے میں مبتلائے شکوک کرنے کے لئے نئی راہیں کھل گئی ہیں اور نئے میدان میسر آگئے ہیں، اب ہمیں اسلامی عقائد سے براہِ راست جنگ نہیں لڑنی پڑے گی اور نہ ہی مسلمانوں کے دماغوں میں لادینی افکار کی آبیاری کرنی پڑے گی۔

چنانچہ مستشرقین نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعض صفات کا تذکرہ بڑے زور و شور سے شروع کر دیا، مثلاً یہ کہ آپ بڑے بہادر تھے، عبقری (جینئس) تھے اور عظیم قائد تھے، انہوں نے بڑی دماغ سوزی سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ کی ایسی تصویر پیش کی جس کا ماورائے عقل امور یعنی معجزات اور خوارق عادت سے دور کا بھی تعلق نہ تھا، تاکہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ذہنوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک نئی تصویر نقش کر دیں، کبھی آپ کو بحیثیت عبقری پیش کریں، کبھی عظیم قائد اور کبھی بے مثل شجاع کی صورت میں پیش کریں، لیکن یہ تصویر کسی بھی صورت میں نبی اور رسول کی نہ ہو، ان منکرین نے معجزات اور خوارق سے تعلق نہ رکھنے والے القاب مثلاً عبقری اور بطل جلیل کا پروپیگنڈا کر کے حقائق نبوت اور نبوت کے بنیادی اوصاف مثلاً وحی، علوم غیبیہ اور خوارق کو میتھولوجیا یعنی قصوں اور کہانیوں کی دنیا میں پہنچا دیا، جب انہوں نے معجزات ہی کو تسلیم نہیں کیا تو معجزات میں سرفہرست امور، یعنی وحی اور نبوت کو کب تسلیم کریں گے؟

اس پس منظر میں فطری امر ہے کہ مختلف لوگ اور مختلف قومیں بڑی تعداد میں جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوئیں، آپ کے جھنڈے کے نیچے آئیں اور انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ وہ لوگ آپ کی عبقری شخصیت اور قائدانہ صلاحیتوں سے متاثر ہوئے تھے، غور کیجئے تو ان کا یہ مقصد جسے وہ ہدف بنائے ہوئے ہیں کھل کر سامنے آجاتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ''مسلمین'' کی قرآنی اصطلاح

کی بجائے ''محمدیین'' کے نئے نام کی اشاعت میں مصروف ہیں۔

جب ہم اس موضوع پر منطقی انداز میں غور وفکر کر کے حقیقت معلوم کرنا چاہیں تو پتا چلے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی شان کے بارے میں اس تخیل اور تصور کی بنیاد کیا ہے؟ اس سلسلے میں چند امور توجہ طلب ہیں:

ا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں نمایاں ترین چیز وحی ہے (اس سلسلے میں ہم اپنی اس کتاب فقہ السیرۃ میں تفصیلی گفتگو کر چکے ہیں) اس وقت ہم دوبارہ اس موضوع پر کسی قدر غور کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں کسی شک وشبہ کے بغیر نمایاں ترین صفت، نبوت ہے، اور نبوت ان اوصاف غیبیہ میں سے ہے جو ہمارے حسی پیمانوں کی زد میں نہیں آتے، اسکا مطلب یہ ہوا کہ خرق عادت معجزہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصلِ وجود میں موجود ہے، لہذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے معجزات اور خوارق کی نفی اسی وقت ہوسکتی ہے جب وصف نبوت ہی کا انکار کر دیا جائے اور اسے آپ کی حیات مقدسہ سے خارج کر دیا جائے، بدیہی بات ہے کہ یہ خود دینِ اسلام کے انکار کے مترادف ہے، اگرچہ بعض مستشرق مفکرین نے اس نتیجے کی تصریح نہیں کی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذکاوت، اعلیٰ درجے کی عبقریت، شجاعت اور بہترین سیاست دان ہونے کے بیان پر اکتفاء کیا ہے، دراصل انہوں نے مقدمات بیان کر دئے اور نتائج کی تصریح کرنے سے گریز کیا، کیونکہ لازمی امر ہے کہ مقدمات کو تسلیم کرنے کے بعد نتائج کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

یہ الگ بات ہے کہ بہت سے مستشرقین سے ضبط نہ ہوسکا تو انہوں نے صاف لفظوں میں نتیجے کی تصریح بھی کر دی، مثلاً شبلی شمیل کہتا ہے کہ دین پر ایمان لانا ایک ناممکن معجزے پر ایمان لانا ہے۔(ا)

(ا) ڈاکٹر شبلی شمیل نے یہ گفتگو بوکنز کی کتاب کے عربی ترجمہ کے مقدمہ میں کی ہے، بوکن نے یہ کتاب ڈارون کی نشوو ارتقاء کی تھیوری کی شرح میں لکھی ہے۔ ۱۲ البوطی

آپ جانتے ہیں کہ جب اصل دین ہی شک یا انکار کی زد میں ہو تو جزئی معجزات کے اثبات یا انکار پر بحث کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا۔

۲۔ جب ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ اور آپ کی مبارک زندگی کے واقعات میں غور کرتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست اقدس پر بہت سے معجزات جاری فرمائے، جنہیں تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں، اور ان کے رد کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ یہ معجزات ہم تک صحیح اور متواتر سندوں کے ذریعے پہنچے ہیں، عقل وفکر کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ قطعی اور یقینی ہیں۔

ان ہی معجزات میں سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا نمودار ہونا ہے، امام بخاری نے یہ حدیث کتاب الوضوء، امام مسلم نے ''کتاب الفضائل''، اور امام مالک نے مؤطا کی ''کتاب الطہارۃ'' میں اور دوسرے ائمۂ حدیث نے مختلف اور کثیر سندوں سے روایت کی، علامہ زرقانی نے امام قرطبی سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا نمودار ہونا صحابۂ کرام کے عظیم اجتماعات میں کئی دفعہ واقع ہوا، اور یہ واقعہ اتنی کثیر سندوں سے مروی ہے جو تواتر معنوی کے درجے کو پہنچ گئی ہیں اور ان سے مجموعی طور پر علم یقینی حاصل ہو جاتا ہے۔ (۱)

ان ہی معجزات میں سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مشرکوں کے مطالبے پر چاند کا دو ٹکڑے ہونا ہے، یہ حدیث امام بخاری نے کتاب احادیث الانبیاء اور امام مسلم نے کتاب ''صفۃ القیامۃ'' میں اور دیگر بہت سے محدثین نے روایت کی، ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس بارے میں صحیح سندوں کے ساتھ احادیث متواترہ وارد ہیں، اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند دو پارہ ہوا اور یہ آپ کے روشن معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔ (۲)

---

(۱) دیکھئے زرقانی علی المؤطا ۱/۶۵

(۲) تفسیر ابن کثیر ۴/۲۶۱

اسی قسم کے معجزات میں سے اسراء و معراج ہے، جس کی مناسبت سے ہم یہ گفتگو کر رہے ہیں، اس سے متعلق حدیث متفق علیہ ہے جس کے قطعی ثبوت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اور جمہور مسلمانوں کا اس امر پر اجماع ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نمایاں ترین معجزات میں سے ہے۔

یہ امر باعث تعجب ہے کہ یہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفتِ عبقریت کا چرچا کرتے ہیں اور آپ کی حیاتِ مبارکہ کے حوالے سے معجزات اور خوارق کا نام تک نہیں لیتے، ان احادیث متواترہ سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں جو صحت کے قطعی درجہ تک پہنچی ہوئی ہیں، ان کا ذکر اثباتاً کرتے ہیں، اور نہ ہی نفیاً، گویا حدیث کی کتابیں ان کے ذکر سے بھری ہوئی نہیں ہیں، حالانکہ ان میں سے ہر ایک حدیث دس سے زیادہ سندوں سے مروی ہے۔

سامنے کی بات ہے کہ اس تجاہل کا سبب یہ ہے کہ وہ اس دشوار اشکال سے فرار حاصل کرنا چاہتے ہیں جو ان احادیث میں نظر و فکر کے وقت انہیں پیش آئے گا، کیونکہ یہ احادیث ان کے دماغوں میں گردش کرنے والے نظریئے کے کھلم کھلا خلاف ہیں۔(۱)

۳۔ معجزہ ایسا لفظ ہے کہ غور و فکر کرنے پر اس کا ذاتی معنی دکھائی نہیں دیتا، اس کا جو معنی مراد لیا جاتا ہے وہ محض نسبی ہے (یعنی ایک زمانے اور وقت کے لحاظ سے ہے) اہل علم کی اصطلاح کے مطابق ہر وہ امر معجزہ ہے جو خلاف عادت ہو اور انسان کے لئے معمول کی چیز نہ ہو، جہاں تک عام معمول اور مالوف کا تعلق ہے تو وہ زمانوں، ثقافتوں، عقول اور علوم کے مختلف ہونے سے بدلتا رہتا ہے، کئی چیزیں جو کچھ عرصہ پہلے معجزہ (خلاف عادت) تھیں آج وہ معروف اور مطابق عادت ہیں، اسی طرح کئی چیزیں جو متمدن اور ثقافت آشنا معاشرے

---

(۱) ان لوگوں میں سے ''حیاتِ محمد'' کے مصنف بھی ہیں، وہ عجیب انداز میں نغمہ سرا ہیں، وہ اس قسم کی احادیث کے الزام سے بچنا چاہتے ہیں، تا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں قائم کردہ ان کے خیالی نظریہ کے تار و پود نہ بکھر جائیں۔ ۱۲ البوطی

میں معمول کی چیزیں ہیں وہ غیر ترقی یافتہ ماحول اور معاشرے میں معجزہ سمجھی جاتی ہیں۔

بلکہ حق یہ ہے کہ جسے ہر عاقل سمجھتا ہے کہ کوئی چیز معروف ہو یا غیر معروف ہر ایک اپنے اصل کے اعتبار سے معجزہ ہے، ستارے معجزہ ہیں، آسمانوں کی حرکت معجزہ ہے، قانونِ جاذبیت (یہ نظریہ کہ زمین کشش ثقل رکھتی ہے) معجزہ ہے، انسان میں اعصابی نظام معجزہ ہے، انسانی جسم میں خون کی حرکت معجزہ ہے، انسانی روح معجزہ ہے، بلکہ خود انسان بھی معجزہ ہے، فرانسیسی عالم ''شاتو بریان'' نے کتنی دقتِ نظری کا مظاہرہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ انسان میتافیزیقی حیوان ہے یعنی ایسا غیبی حیوان ہے جس کی اتھاہ گہرائی تک ہمارا علم پہنچنے سے قاصر ہے۔

ہاں انسان طویل مشاہدے اور ایک عرصے تک عادی ہونے کی بنا پر ان امور کے معجزے ہونے اور معجزے کی اہمیت کو بھول جاتا ہے، اور جہالت اور فریب خوردگی کی بنا پر سمجھتا ہے کہ معجزہ صرف وہی ہے جو عرف اور عادت کے خلاف یک دم رونما ہو جائے، پھر وہ جن چیزوں سے مانوس ہوتا ہے اور جن کا عادی ہوتا ہے ان ہی کو اشیاء کے ماننے یا نہ ماننے کا معیار قرار دے دیتا ہے...... تہذیب وتمدن، ترقی اور علم کے بہت سے مدارج طے کرنے کے باوجود، انسان کی یہ جہالت لائق تعجب ہے۔

انسان تھوڑا سا غور کرے تو یہ حقیقت کھل کر اس کے سامنے آ جاتی ہے کہ جس خالق تعالیٰ نے یہ تمام کائنات بطور معجزہ پیدا فرمائی ہے، اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ وہ اس میں ایک اور معجزہ زائد کر دے یا کائنات میں پیدا کیئے ہوئے نظاموں میں سے کسی نظام کو تبدیل کر دے، انگریز مستشرق ولیم جونز نے ایسا ہی غور وفکر کیا جس کے نتیجے میں وہ کہتا ہے کہ جس قدرت نے یہ جہان پیدا کیا ہے وہ اس بات سے عاجز نہیں کہ اس میں سے کسی چیز کو حذف کر دے یا کسی چیز کا اضافہ کر دے، یہ آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ ایسا ہونا ہماری عقل میں نہیں آتا، کیا اس جہان کا وجود میں آنا ہماری عقل سے بعید نہیں ہے؟ یقینا

ہے،تو کیا اس جہان میں کسی چیز کا کم یا زیادہ کر دینا اس سے بھی زیادہ بعید از عقل ہے؟

اس مفکر کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہ جہان موجود نہ ہوتا اور کسی معجزات اور خوارق کے منکر کو کہا جاتا کہ ایسا جہان عنقریب وجود میں آجائے گا،تو وہ شخص فوراً کہتا کہ یہ بات میری عقل میں نہیں آتی ، ایسا نہیں ہوسکتا، یہ صحیح ہے کہ بقول اس کے معجزات اس کی عقل میں نہیں آتے ،لیکن ایسے جہان کا موجود ہونا تو کسی طرح بھی اس کی عقل میں نہ آتا۔(یعنی وہ شخص معجزات کی نسبت زیادہ شد ومد سے وجودِ عالم کا انکار کرتا ، جب عجائب خانۂ عالم کا وجود تسلیم ہے تو وجود معجزات بھی مان لو۔۱۲ قادری)

یہ وہ تحقیق اور تفصیل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے خداداد معجزات کے بارے میں ہر مسلمان کے ذہن نشین رہنی چاہیے۔

---

❷ ۔معجزۂ اسراء ومعراج اُن حوادث کے پہلو بہ پہلو جو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش آرہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قریش کے ہاتھوں طرح طرح کی مصیبتیں اٹھائیں،آخری مصائب میں سے وہ تکالیف تھیں جو طائف کے لوگوں کی طرف سے پیش آئیں،جن کا ذکر اس سے پہلے اس کتاب (فقہ السیر ۃ) میں گزر چکا ہے،آپ ربیعہ کے دو بیٹوں کے باغ میں بیٹھ کر کسی قدر آرام کرتے ہیں،آپ کا شعور پوری طرح بیدار ہے، آپ تنہائی اور کمزوری کے احساس کے ساتھ ساتھ شدت کے ساتھ ناصر حقیقی کی نصرت و امداد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں،اور یہی وہ مقام ہے جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندے کی عبودیت کا اظہار ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش آنے والے مصائب کا تذکرہ کیا اور اس کی نصرت وامداد کی دعا کی ،ساتھ ہی آپ کے خیال شریف میں یہ بات آئی کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ آفات وبلیات کسی امر کے سبب اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی

بنا پر پیش آ رہی ہوں؟ اس لئے آپ نے دعا میں یہ بھی عرض کیا:

اے اللہ! اگر تو ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی چیز کی پروا نہیں ہے۔

اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے عزم اور ہمت کو پختہ اور مستحکم کرنے کے لئے دعوتِ اسراء و معراج کے شرف سے مشرف فرمایا، یہ دعوت اس امر کی دلیل تھی کہ آپ اپنی قوم کی طرف سے جو اذیت اور تکلیف اٹھا رہے ہیں وہ اس لئے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت آپ کے شامل حال نہیں، یا اللہ تعالیٰ آپ سے ناراض ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے مُحبّوں اور محبوبوں کے ساتھ سنت اور عادت کریمہ ہے، اور یہی ہر دور اور ہر زمانے میں اسلامی دعوت کی سنت رہی ہے۔

❸۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفر مبارک کے پہلے مرحلے کی انتہاء بیت المقدس پر ہوئی، دوسرے مرحلے میں ساتوں آسمانوں کے سفر کا آغاز بیت المقدس سے ہوا، اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بیت المقدس کو کیا عظمت اور تقدس حاصل ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس دین کی دعوت دینے کے لئے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام بھیجے گئے تھے اور جس دین کی دعوت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ان میں کتنا قوی تعلق ہے؟ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جن دوسرے انبیاء کو مبعوث فرمایا وہ بھی اصولی طور پر ایک ہی دین کے داعی تھے۔(۱)

واقعۂ اسراء و معراج سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر عصر اور ہر زمانے میں مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اس ارض مقدسہ کی حفاظت کریں اور مداخلت کی نیت رکھنے والے دشمنانِ اسلام کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیں، حکمت الٰہیہ اس دور کے مسلمانوں کو یہ درس دیتی ہے کہ کمزوری اور بزدلی کو بالائے طاق رکھ دیں، اس مقدس سرزمین پر یہودیوں کے ناجائز قبضے کو بزدلوں کی طرح تسلیم نہ کریں، اور اس مقدس خطے کو یہودیوں کے ناپاک

---

(۱) ان میں اگر اختلاف تھا تو صرف فروعی اور طریق کار کا اختلاف تھا، ورنہ دین کی بنیادی تعلیمات سب کے ہاں مشترک تھیں۔۱۲ اشرف قادری)

قدموں سے پاک کردیں اوراس پر ایک دفعہ پھر مسلمانوں کا قبضہ بحال کردیں۔(۱)

کون جانتا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو بے مثال جرأت اور دلیری کا مظاہرہ کیا اوراس خطۂ مقدسہ کو صلیبی حملوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنی تمام تر قوت صرف کردی، یہاں تک کہ حملہ آور عیسائیوں کو ناکام و نامراد ہو کر پسپا ہونا پڑا، ممکن ہے ان کے کارناموں کے پیچھے اسراء کا یہ عظیم واقعہ ہی کارفرما ہو۔

❹ - جب جبرائیل امین علیہ السلام نے ایک برتن میں دودھ اور دوسرے میں شراب پیش کی تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دودھ کو پسند فرمایا، اس میں اشارہ تھا کہ اسلام دین فطرت ہے، یعنی اسلام وہ دین ہے جس کے تمام عقائد اور احکام انسانی فطرت کے اصلی جذبات سے ہم آہنگ ہیں، اسلام میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو انسان کی اصلی فطرت سے متصادم ہو، انسانی فطرت اگر طول وعرض اور عمق رکھنے والا جسم ہوتا تو دین اسلام اس کے قامتِ زیبا کا نہایت حسین لباس ہوتا۔

اسلام کے پھیلاؤ کی وسعت اور لوگوں کے اس کی جانب تیزی سے مائل ہونے کا راز بھی یہی ہے، کیونکہ انسان تہذیب وتمدن اور مادی اعتبار سے جتنے مدارج بھی طے کر لے وہ اپنی طبیعت سے دور، تکلفات اور خودساختہ معمولات کا طوق اپنے گلے سے اتار پھینکے گا اور فطرت انسانی کے داخلی جذبات کی طرف کھنچتا رہے گا، یادرکھیے کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو انسانی فطرت کے گہرے جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کرسکتا ہے۔

❺ - اسراء اور معراج کے بارے میں جمہور متقدمین اور متاخرین مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھا۔

---

(۱) آج یاسر عرفات اسرائیل کے ساتھ صلح کر چکے ہیں، عرب ممالک اسرائیل کو تسلیم کررہے ہیں، امریکہ اور دیگر یورپین ممالک اس کی سرپرستی کررہے ہیں، اس عالم میں اللہ تعالیٰ ہی سے دعا ہے کہ مسلم قوم کو توفیق عطا فرمائے کہ مسلمانوں کے قبلۂ اول کو یہودیوں کے ناجائز تسلط سے آزاد کرائے۔ ۱۲ اشرف قادری

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

''حق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم اقدس سمیت سفر اسراء پر تشریف لے گئے تھے، جمہور متقدمین اور اکثر متاخرین فقہاء، محدثین اور متکلمین اسی کے قائل ہیں، ان احادیث کے ظاہر سے بغیر کسی دلیل کے عدول نہیں کیا جا سکتا، اور انہیں ظاہر پر محمول کرنے میں کوئی استحالہ بھی نہیں ہے، حتی کہ تاویل کی حاجت ہو۔(۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

''اسراء اور معراج عالم بیداری میں جسم و روح کے ساتھ ایک رات میں واقع ہوئے، جمہور محدثین، فقہاء اور متکلمین اسی کے قائل ہیں، احادیث صحیحہ کا ظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، اور اس سے عدول مناسب نہیں ہے، کیونکہ کوئی عقلی (اور قطعی) دلیل اسے محال قرار نہیں دیتی، یہاں تک کہ تاویل کی حاجت ہو۔(۲)

اسراء اور معراج کے جسمانی اور روحانی طور پر ہونے کی ناقابل تردید دلیل یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے اس خبر کو ناقابل یقین قرار دیا، اس پر تعجب کا اظہار کیا اور فوراً تکذیب پر اتر آئے، اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں یہی خبر دی ہوتی کہ ہم نے خواب میں یہ سفر طے کیا ہے تو مشرکین کے تعجب، انکار اور اس خبر کو ناقابل یقین قرار دینے کی کوئی وجہ نہ ہوتی، کیونکہ خواب میں دیکھی جانے والی اشیاء کی کوئی حد ہی نہیں ہے، بلکہ ایسا خواب تو اس وقت بھی کسی مسلمان یا کافر کو دکھائی دے سکتا ہے (کہ وہ خواب میں دور دراز مقامات کی سیر کرے اور واپس آ جائے۔۱۲ قادری) اگر خواب ہی کا

---

(۱) نووی شرح صحیح مسلم ۲/۲۹۰

(۲) فتح الباری علی صحیح البخاری۔ ۷/۱۳۶۔۳۷

معاملہ ہوتا تو مشرکین بیت المقدس کی صفات، دروازوں اور ستونوں کے بارے میں بطور التزام اور چیلنج سوال نہ کرتے۔

رہا یہ سوال کہ یہ معجزہ کیسے پایۂ تکمیل کو پہنچا؟ اور عقل اس کا کس طرح تصور کرے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح کائنات اور زندگی کے دوسرے معجزات پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں، اسی طرح یہ معجزہ بھی مکمل ہوا، ہم ابھی اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس کائنات کے تمام مظاہر درحقیقت معجزات ہی ہیں، تو جس طرح عقلیں ان کو آسانی اور سہولت سے تسلیم کرلیتی ہیں اسی طرح اس معجزے کو بھی آسانی سے تسلیم کرسکتی ہیں (اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان اور انصاف شرط ہے۔۱۲ قادری)!

❻۔واقعۂ اسراء ومعراج کا مطالعہ کرتے وقت ''معراج ابن عباس'' نامی کتابچے کا ہرگز مطالعہ نہ کریں، کیونکہ یہ جعلی کتاب ایسی باطل اور بے اصل روایات پر مشتمل ہے جن کی کوئی سند نہیں ہے، جس شخص نے اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ ان جھوٹی باتوں کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کھاتے میں ڈال دے، حالانکہ ہر صاحب علم بلکہ ہر صاحب عقل انسان جانتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان سے بری ہیں، اور انہوں نے معراج الرسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نام کی کوئی کتاب نہیں لکھی، بلکہ تصنیف وتالیف کی تحریک ہی بنوامیہ کے دور کے آخر میں شروع ہوئی۔

جب علماءِ سوء کو یہ کتاب ہاتھ آئی اور انہوں نے دیکھا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب ایسی جھوٹی روایات موجود ہیں جو بہت سے لوگوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لیے کافی ہیں، تو انہوں نے اس کتاب کو رواج دینا اور لوگوں کو

(۱) اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز کا رسالۂ مبارکہ 'منبہ المنیۃ فی وصول الحبیب الی العرش والرؤیۃ' لائق مطالعہ ہے جس میں انہوں نے احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عرش مجید پر پہنچنا اور دیدار الٰہی سے مشرف ہونا ثابت کیا ہے۔۱۲ اشرف قادری

اس کی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیا، اس کتاب کی تعریف وثنا کرنے والوں میں سے ذاکٹر لویس عوض ہے۔ اور تمہیں کیا خبر کہ لویس عوض کیا ہے؟ حالانکہ دوسرے لوگوں سے پہلے یہ لوگ جانتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف اس کتاب کی جھوٹی نسبت کی گئی ہے۔ اور اس کی تمام احادیث باطل ہیں، لیکن ان دشمنان اسلام کے نزدیک ہر وہ جھوٹ بڑی تیزی سے ساتھ سچ کا بادہ اوڑھ لیتا ہے جو مسلمانوں کے افکار کو پراگندہ اور دین کو مشکوک کر سکتا ہو۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں
(اقبال)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو تمام رسولوں کا سردار اور تمام انبیاء کا خاتم منتخب فرمایا اور دین اسلام کو کامل ترین، دین مصطفےٰ اور آخری شریعت قرار دیا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو انبیاء کرام علیہم السلام کے درمیان اور آپ کے دین کو تمام ادیان کے درمیان منتخب فرمایا، اسی طرح اس دین حنیف کے حاملین کو تمام لوگوں کے درمیان منتخب فرمایا، وہ تھے رسول اکرم ﷺ کے صحابہ کرام۔

یہ وہ اصحاب ایمان تھے جو حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور انہوں نے آپ کی تصدیق کی جب کہ دوسرے لوگ آپ کی تکذیب کر رہے تھے، صحابہ کرام نے سرکار دو عالم ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپ کی نصرت وحمایت کی جبکہ دشمن آپ کو شہید کرنے کی سازشیں کر رہے تھے، صحابہ کرام نے ہر مشکل گھڑی میں نبی اکرم ﷺ کی تائید کی۔

یہ وہ قدسی صفات نفوس ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ نازل کئے ہوئے نور (قرآن پاک) کی پیروی کی، وہ آپ کے مخلص وزراء، اصحاب محبت انصار اور سچے مددگار تھے، وہ آپ کی شریعت کا دفاع کرتے رہے، آپ کے دین پر حملوں کا جواب دیتے رہے، اللہ تعالیٰ کے دین کی ترویج کے لئے اپنی جانیں اور اموال قربان کرتے رہے، انہوں نے اسلام کا پیغام پھیلانے کے لئے اپنے وطن چھوڑ دیئے یہ وہ منتخب ترین جماعت ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنا دین زمین پر نافذ فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں افضل الانبیاء، تمام رسولوں سے مکرم تر رسول، نبی عربی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی صحبت کا شرف عطا فرمایا، وہ امت مسلمہ کے افضل ترین اور اعلیٰ ترین افراد ہیں، ان کا مقام بلند اور مرتبہ نہایت عالی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن

پاک میں ان کے اوصاف بیان کئے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی ہے۔

فضائل صحابہ اور قرآن پاک

اس جگہ ہم چند آیات کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

1 : اے نبی (غیب کی خبریں دینے والے!) آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور آپ کے پیروکار مومن۔ (کافی ہیں) ۱

2 : لیکن رسول گرامی اور وہ جو ان کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا، ان کے لئے بھلائیاں ہیں اور وہی کامیاب ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنتیں تیار کی ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہ عظیم کامیابی ہے۔ ۲

3 : اور سبقت والے پہلے مہاجرین، انصار اور جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی، اور ان کے لئے باغات تیار کئے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں، اور یہ عظیم کامیابی ہے۔ ۳

4 : محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر بہت سخت، آپس میں مہربان ہیں، تو انہیں رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھے گا، وہ اللہ کا فضل اور خوشنودی تلاش کرتے ہیں، ان کے چہروں میں ان کی نشانی ہے سجدے کے اثر سے یہ ان کی صفت ہے تورات میں اور ان کی صفت ہے انجیل میں۔ ۴

5 : وہ جنہوں نے اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل کی بعد اس کے کہ انہیں زخم لاحق ہو چکا تھا ان میں سے نیکوکاروں کے لئے عظیم اجر ہے۔ ۵

---

(۱) الانفال: ۸/۶۴ (۲) التوبۃ: ۹/۸۸-۸۹ (۳) التوبۃ: ۹/۱۰۰

(۴) الحجرات ۲۹/۲۹ (۵) آل عمران: ۳/۱۷۲

6: وہ لوگ جو ایمان لائے، ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی اور امداد کی، وہی سچے ایمان والے ہیں، ان کے لئے مغفرت اور عزت والا رزق ہے[1]

فضائل صحابہ اور احادیث مبارکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں پر صحابہ کرام کی عزت و شرافت کا اظہار کرنے کے لئے ان کی محبت و تعظیم پر ابھارا اور انہیں گالی دینے سے منع فرمایا جیسے کہ احادیث شریفہ میں واقع ہے:

1 : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے صحابہ کو گالی نہ دو، قسم ہے اس ذات اقدس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کی مثل سونا خرچ کردے تو ان کے سیر اور آدھے سیر کو نہیں پہنچ سکے گا۔[2]

2 : حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہماری امت کے افضل لوگ ہمارے زمانے والے ہیں، پھر جو ان کے ساتھ متصل ہیں، پھر جو ان کے ساتھ متصل ہیں، حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے بعد دو زمانوں کا ذکر فرمایا یا تین کا، پھر ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی دیں گے، حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی، وہ خیانت کریں گے اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، وہ نذر مانیں گے اور اسے پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا ظاہر ہوگا۔[3]

3 : حضرت ابو بردہ اپنے والد ماجد (حضرت ابو موسیٰ اشعری) رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، پھر ہم

---

(۱) الانفال: ۸/۷۴ (۲) مشکوۃ شریف، عربی ص ۵۵۳

(۳) صحیح مسلم باب فضائل الصحابہ (طبع دہلی) ۲/۳۰۹

نے کہا کہ کتنا اچھا ہو اگر ہم بیٹھ جائیں اور حضور ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھیں حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں: کہ ہم بیٹھ گئے، پس آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''تم یہیں رہے ہو؟'' ہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، پھر ہم نے کہا کہ ہم بیٹھتے ہیں، آپ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھیں گے'' آپ نے فرمایا: ''تم نے اچھا کیا'' یا فرمایا: ''تم صواب کو پہنچے، حضرت ابوموسیٰ فرماتے ہیں: پھر آپ نے سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور آپ بکثرت سراقدس آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے، اور فرمایا:

''ستارے آسمان کے لئے سبب امان ہیں، جب ستارے چلے جائیں گے تو آسمان کو وہ کچھ آئے گا جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے، ہم اپنے اصحاب کے لئے باعث امان ہیں، جب چلے جائیں گے تو ہمارے اصحاب کو وہ کچھ آئے گا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، ہمارے اصحاب ہماری امت کیلئے ذریعۂ امن ہیں، جب ہمارے اصحاب چلے جائیں گے، تو ہماری امت کو وہ کچھ درپیش ہوگا جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔''[1]

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فضیلت بیان فرمائی ہے، کہ وہ امت کو بدعات، دین میں (مخالف شریعت) نو پیدا امور، فتنوں دلوں کے اختلافات اور ایسے ہی دیگر امور کے ظہور سے بچانے والے ہیں، جیسے کہ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو اس قسم کے امور سے بچانے والے ہیں۔

4 : حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمارے صحابہ کرام کی عزت کرو کہ وہ تمہارے بہترین افراد ہیں، پھر وہ جو ان کے ساتھ متصل ہوں گے، پھر وہ جو اُن سے متصل ہوں گے۔[2]

(۱) صحیح مسلم کتاب الفضائل (طبع دہلی) ۲/۳۰۸ (۲) مصنف عبدالرزاق ۱۱/۳۴۱

5 : حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا اور لوگوں کے گروہ جہاد کریں گے، انہیں کہا جائے گا کہ'' کیا تم میں وہ شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہو؟ مجاہدین کہیں گے:'' ہاں!'' تو ان کیلئے دروازہ کھول دیا جائے گا، پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا اور کچھ لوگ جہاد کریں گے، تو پوچھا جائے گا کہ'' تم میں وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کی صحبت پائی ہو؟'' مجاہدین کہیں گے:'' ہاں!'' تو ان کے لئے دروازہ کھول دیا جائے گا، پھر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا اور کچھ لوگ جہاد کریں گے، ان سے پوچھا جائے گا کہ تم میں وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے اصحاب (تابعین) کی صحبت پائی ہو؟ مجاہدین کہیں گے، ہاں! تو دروازہ کھول دیا جائے گا۔[1]

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المناقب (طبع دہلی) ۱/۵۱۵

جانشینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات چاندنی پھیلی ہوئی تھی، میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! کیا کسی کی نیکیاں آسمانی ستاروں کے برابر بھی ہوں گی؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، عمر کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کے برابر ہیں۔'' میں نے عرض کیا: ''تو پھر ابوبکر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّمَا جَمِيعُ حَسَنَاتِ عُمَرَ كَحَسَنَةٍ وَاحِدَةٍ مِّنْ حَسَنَاتِ أَبِي بَكْرٍ

''عمر کی تمام نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔'' (رضی اللہ عنہ) (۱)

اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو آپ کی راست گوئی، خلوص و ایثار، دینِ اسلام کی اشاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کی کامل پیروی حدیث مذکور کی تفسیر وتشریح نظر آئے گی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ بہت بڑا اعزاز حاصل تھا کہ انہیں نوعمری کے زمانے سے ہی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل تھا اور جب حضور نے اعلانِ نبوت فرمایا، تو مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی قبائل میں جاتے اور انہیں دعوت اسلام سے روشناس کراتے، حج کے موقع پر دور دراز سے آئے ہوئے لوگوں کے خیموں میں جا کر اسلام اور ہادیٔ اسلام سے متعارف کراتے، چونکہ مکہ مکرمہ میں آپ مقتدر شخصیت کے مالک تھے اور قریشِ مکہ آپ کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اس

---

(۱) رواہ رزین، مشکوٰۃ شریف ص: ۵۶۰

لیے آپ کی تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ سینکڑوں افراد ایمان لے آئے، قریش کے کئی ممتاز افراد جنہیں عشرہ مبشرہ میں سے ہونے کا بھی شرف حاصل ہے مثلاً: حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر بن عوام، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کی کوششوں سے ہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے، آپ نے متعدد ایسے مسلمانوں کو خرید کر آزاد کیا جنہیں صرف کلمۂ توحید کی بنا پر ظلم وستم کی چکی میں پیسا جا رہا تھا۔

کفارِ مکہ اعلانِ توحید سنتے ہی مشتعل ہو گئے اور راہبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درپے آزار ہو گئے اور تکلیف وایذا رسانی کے ذریعے تبلیغ اسلام میں زبردست رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے، اس پُر آشوب دور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت ہمت واستقلال سے تکالیف برداشت کیں لیکن کسی مرحلہ پر بھی دینِ متین کی تبلیغ واشاعت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت وخدمت میں ذرہ برابر بھی توقف نہ کیا۔

اسلام لاتے وقت آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، وہ سب آپ نے خدمتِ اسلام پر صرف کر دئے۔

محبوب ربّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی وفا کیشی اور بے لوث خدمات کو نہ صرف شرفِ قبولیت بخشا بلکہ اُن کا اظہار بڑے واضح الفاظ میں فرمایا:

لَيْسَ أَحَدٌ اَمَنَّ عَلَيَّ فِيْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ مِنْ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ أَبِيْ قُحَافَةَ (۱)

''مجھ پر ابوبکر بن ابی قحافہ سے بڑھ کر کسی نے جانی اور مالی احسان نہیں کیا۔''

حضرت ابوبکر صدیق کی جاں نثاری اور جرأت وہمت کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آپ ہر معرکے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، جنگ بدر کے موقع پر جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عریش (چھپر) تیار کیا گیا، تو مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ یہاں پہرہ کون دے گا؟ تا کہ کوئی کافر اس طرف نہ آنے پائے، اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

---

(۱) **الصواعق المحرقه** :ص ۲۲ بحوالہ بخاری شریف

تعالیٰ عنہ ہی تھے جو برہنہ تلوار لے کر پہرہ دیتے رہے، جنگ اُحد کے دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان حضرات میں سے تھے جو ثابت قدم رہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشیر خاص اور وزیر ہونے کی سعادت حاصل تھی یعنی آپ صرف عملی طور پر ہی تبلیغ و جہاد میں حصہ نہ لیتے تھے بلکہ فکر و نظر کے لحاظ سے بھی شریک ہوتے تھے اور ہر اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ پر پورا پورا اعتماد تھا، امام طبرانی اور ابونعیم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ أَيَّدَنِیْ بِأَرْبَعَةِ وُزَرَاءَ اِثْنَيْنِ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ جِبْرِيْلُ وَمِيْكَائِيْلَ وَاثْنَيْنِ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ أَبِیْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ (۱)

''اللہ تعالیٰ نے مجھے چار وزیروں سے تقویت دی ہے، دو آسمان کے ہیں: جبریل اور میکائیل اور دو زمین کے رہنے والے ہیں: ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔''

امام احمد اور طبرانی نے تو یہاں تک بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فرمایا:

لَوِاجْتَمَعْتُمَا فِیْ مَشُوْرَةٍ مَّا خَالَفْتُكُمَا (۲)

''اگر تم دونوں کسی مشورے پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔''

یہ حقیقت واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ سے زیادہ علم و فضل اور ذہانت کے مالک تھے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ: ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور اُن نعمتوں کے درمیان اختیار دیا جو اس کے پاس ہیں، تو اُس بندے نے خدائی نعمتوں کو اختیار کر لیا۔''

---

(۱) الصواعق المحرقہ: ص ۷۸

(۲) الصواعق المحرقہ: ص ۸۰

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ بے اختیار رو پڑے اور عرض کیا:

''حضور! (ﷺ) ہم اپنے آباء وامّہات کو آپ پر فدا کرتے ہیں۔''

صحابۂ کرام انہیں روتا ہوا دیکھ کر متعجب ہوئے کہ یہ کونسا رونے کا مقام ہے؟

صحابۂ کرام کو بعد میں پتہ چلا کہ محبوبِ خدا ﷺ اپنی رحلت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں:

وکان ابوبکر اعلمنا۔ ''ابوبکر ہم سب سے زیادہ عالم تھے۔''

جہاں دیگر اجلہ صحابہ کے ذہن غور وفکر کے بعد پہنچے تھے، وہاں صدیق اکبر کا ذہن بات سنتے ہی پہنچ گیا تھا۔

مرضِ وصال میں جب سید عالم ﷺ کی ناسازی طبع زور پکڑ گئی تو آپ نے فرمایا:

مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ۔ ''ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''حضور وہ رقیق القلب ہیں، آپ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکیں گے۔''

آپ نے پھر وہی حکم دیا، حضرت عائشہ صدیقہ نے دوبارہ وہی معذرت پیش کی، تو حضور نے ازراہِ عتاب فرمایا:

''ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، تم تو وہی یوسف والیاں ہو۔''

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آٹھ دن نمازیں پڑھائیں۔

ویسے تو احادیث میں بے شمار صاف اور صریح اشارات ہیں، جن سے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی خلافت حقہ کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً: امام احمد وغیرہ راوی ہیں کہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے مرضِ وصال میں فرمایا:

''عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلاؤ تاکہ میں ابوبکر کے لیے کتاب لکھ دوں تاکہ ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہ کرے۔

پھر فرمایا:

دَعِیۡهِ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنۡ یَّخۡتَلِفَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡ اَبِیۡ بَکۡرٍ (۱)

اسے رہنے دو خدا کی پناہ کہ مومن ابوبکر صدیق ﷜ کے بارے میں اختلاف کریں۔

لیکن اس جگہ اختصار کے پیش نظر صرف اتنا اشارہ کرنا مقصود ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا پورے اصرار کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کو نماز پڑھانے کے لیے مقدم کرنا جبکہ دوسرے جلیل القدر صحابۂ کرام موجود تھے، اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ مستحق خلافت ہیں، کیونکہ خلافت کا اصل مقصد امورِ دینیہ کو حکم ربانی کے مطابق قائم کرنا اور بدعات ومنکرات کو ختم کرنا ہے، دنیاوی امور اور ظاہری نظم ونسق مقصود بالتبع ہیں، اسی لیے اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجهه الکریم نے فرمایا:

''نبی اکرم ﷺ نے ابوبکر صدیق (﷜) کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، اس وقت میں بھی موجود تھا کہیں غائب نہیں تھا اور نہ مریض تھا، اس لیے ہم نے اپنی دنیا (خلافت) کے لیے اُس شخص کو پسند کیا ہے جسے نبی اکرم ﷺ نے ہمارے دین (امامت نماز) کے لیے پسند فرمایا تھا۔

قول مشہور کے مطابق ۱۲؍ ربیع الاول ۱۱ھ کو آخر وہ واقعہ پیش آ گیا، جس کی خلش حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس دن سے بے قرار کیے ہوئے تھی، جس دن نبی اکرم ﷺ کا ایک خطبہ سن کر آپ کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا تھا، یعنی آفتاب نبوت ورسالت چشم ظاہر بیں سے روپوش ہو گیا، اور ملت اسلامیہ خوفناک تاریکی میں ڈوب گئی، مسلمانوں پر رنج والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، بڑے بڑے صحابۂ کرام دم بخود ہو گئے،

---

(۱) الصواعق ص ۳۲

حتیٰ کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایسے باہمت شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ:

''جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا میں اس تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔''

دیگر صحابہ کرام کی بے چینی بھی آخری حدوں کو چھو رہی تھی، کیونکہ والیٔ امت ﷺ کے تشریف لے جانے سے مسلمان اپنے آپ کو یتیم بچے کی طرح تصور کر رہے تھے، جو بالکل بے یار و مددگار ہو اور اس کے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہو۔

اس ہمہ گیر اضطراب اور پریشانی کے اندھیروں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نیر تاباں بن کر نمودار ہوئے۔ حد درجہ رقیق القلب ہونے کے باوجود آپ نے کمالِ ضبط وتحمل کا مظاہرہ کیا اور مسجد نبوی میں منبر شریف پر جلوہ افروز ہو کر فرمایا:

''اے لوگو! جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) آپ کا وصال ہو گیا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا (اسے خبر ہونی چاہیے) کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر کبھی موت طاری نہیں ہو سکتی۔''

اس کے بعد آپ نے آیہ کریمہ: وَمَامُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ ـ کی تلاوت فرمائی اور بے یقینی کی حالت کو ختم فرما دیا۔ (ترجمہ آیت کریمہ:) ''محمد تو صرف رسول ہیں، ان سے پہلے رسول گزر چکے، پس اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے؟''

اس کے ساتھ ہی ایک اور مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا، انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں اکٹھے ہوئے اور خلافت کے بارے میں صلاح مشورہ کرنے لگے، ان کی رائے یہ تھی کہ خلیفہ انصار میں سے ہونا چاہیے، بعض نے یہ بھی رائے دی کہ ایک خلیفہ مہاجرین میں سے ہو اور ایک انصار سے، یہ لمحہ انتہائی نازک تھا، اس وقت اگر ایک قدم بھی غلط اٹھ جاتا تو امت

مسلمہ کبھی نہ ختم ہونے والے انتشار کا شکار ہو جاتی، اس اجتماع کی خبر جب حضرت عمر فاروق ؓ کو پہنچی تو وہ بلا تاخیر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو ساتھ لے کر مجلس انصار میں پہنچے۔ ان کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ ؓ بھی تھے۔

اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جس زیرکی اور فرزانگی کا ثبوت دیا، اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی، آپ نے انصار سے خطاب فرمایا اور ان کے سامنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد رکھا کہ: ''الأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ '' ائمہ اور حکمران قریش میں سے ہوں گے، پھر اعلیٰ تدبر اور فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے اپنی تقریر کے آخر میں یہ تجویز پیش کی کہ مہاجرین میں سے امیر ہو اور انصار میں سے وزیر اور کوئی کام انصار کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور ساتھ ہی حضرت عمر فاروق ؓ اور حضرت ابو عبیدہ ؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تم ان میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو مجھے منظور ہے، لیکن حضرت عمر فاروق ؓ نے آگے بڑھ کر کہا: اے ابوبکر، اپنا ہاتھ بڑھایئے اور فوراً ان کی بیعت کر لی اور اس کے بعد حضرت ابو عبیدہ ؓ، مہاجرین اور انصار نے بھی بیعت کر لی، اور بتدریج تمام صحابہ کرام نے آپ کی بیعت کر کے آپ کو خلیفۂ برحق تسلیم کر لیا۔

بیعتِ خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جو تاریخ ساز خطبہ دیا اس کا ایک ایک جملہ قیامت تک اربابِ اقتدار کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

> ''حمد و ثنا کے بعد! مجھے تم پر والی (خلیفہ) بنایا گیا ہے، میں تم سے بہتر نہیں ہوں —— اگر میں صحیح کام کروں تو میری امداد کرنا اور اگر غلط کام کروں تو میری راہنمائی کرنا —— صدق امانت ہے اور جھوٹ خیانت —— تم میں سے ضعیف میرے نزدیک طاقتور ترین ہے —— میں اسے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا حق دلاؤں گا، اور تم میں سے

طاقتور (میرے نزدیک) کمزور ہے حتی کہ میں اس سے حق لے لوں،
ان شاء اللہ تعالیٰ!

جو لوگ جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں ذلت میں مبتلا کر دے گا، اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ اس پر عام بلا مسلط کر دے گا ——— جب تک میں اللہ و رسول کی اطاعت کروں میری اطاعت کرنا، اور جب میں اللہ و رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت لازم نہیں ہے، اٹھو نماز کے لیے، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔(۱)

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

''مجھے والئی خلافت بنا دیا گیا ہے، حالانکہ میں اسے ناپسند رکھتا ہوں، بخدا میری دلی خواہش ہے کہ اس معاملے کو کوئی دوسرا اپنے ذمہ لے لیتا۔''

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، مسند آرائے خلافت ہوئے تو عرب کے متعدد قبائل مرتد ہو گئے، یہود الگ فتنہ سامانی میں مصروف تھے، منافقین کو کھل کر اپنا خبث باطن ظاہر کرنے کا موقع مل گیا۔ مسیلمہ کذاب اور طلیحہ اسدی کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ بلاشبہ حالات اس قدر نازک صورت اختیار کر گئے تھے کہ انسان ان کے تصور سے ہی لرز اٹھتا ہے، یہ وہ خطرناک ماحول تھا، جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قوت ایمانی، جرات و ہمت اور ناقابل تسخیر شخصیت کام آ گئی، آپ نے کمالِ تدبر اور حیرت انگیز نظم و نسق کے ذریعے ملت بیضا کی کشتی کو گرداب فنا سے بچا لیا، اور فتنہ و فساد کو جڑ سے اکھیڑ پھینکا، بلا مبالغہ آپ کی ذات مقدس مسلمانوں کے لیے ابرِ رحمت اور اہل ارتداد کے لیے برق خاطف ثابت ہوئی۔

---

(۱) الصواعق المحرقہ ص ۱۱

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ وہ خوش قسمت خلیفہ تھے، جنہیں قدم قدم پر تائید ایزدی حاصل تھی، اور نبی اکرم ﷺ کے فیضِ صحبت نے آپ کو وہ عزم و استقلال بخشا تھا کہ آپ کبھی خطرات اور ناسازگاریٔ حالات سے متاثر نہ ہوتے، بلکہ حوادث میں جتنی تیزی آتی جاتی اتنی ہی آپ کی ہمت اور بلند ہو جاتی اور آپ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے مردانہ وار طوفانِ مصائب سے نبرد آزما ہو جاتے۔

۱۱ھ میں پہلے پہل آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کو سات سو افراد کی جمعیت کے ساتھ ملک شام کی طرف روانہ کیا، بعض صحابۂ کرام نے یہ رائے دی کہ ہر طرف بغاوت وارتداد کے شعلے بلند ہو رہے ہیں، اس لیے اس لشکر کو روانہ نہ کیا جائے، لیکن آپ نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ کچھ بھی ہو جائے میں اس لشکر کو کبھی نہیں روکوں گا جسے نبی اکرم ﷺ نے بھیجا تھا۔

حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جاتے ہی یہ خبر مشہور ہوگئی کہ مدینہ طیبہ فوج سے بالکل خالی ہے، اس وقت خلیفہ وقت میں اتنی قوت بھی نہیں کہ وہ اپنی حفاظت ہی کر سکیں، چنانچہ تقریباً ایک درجن قبائل نے جن میں سے بعض طلیحہ اسدی کے زیر اثر تھے، مدینہ منورہ کا محاصرہ کر لیا، اور ایک وفد بھیج کر مطالبہ کیا کہ ہم ''نماز ادا کر سکتے ہیں لیکن زکوٰۃ ادا نہیں کر سکتے، اگر ہمارا مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا تو ہم قوت سے کام لیں گے۔''

بعض صحابۂ کرام نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر مشورہ دیا کہ فی الحال ان لوگوں سے نرمی برتی جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو طبعاً نرم مزاج اور متواضع شخصیت کے مالک تھے، دین کے معاملے میں کسی نرمی اور جھکاؤ کے لیے تیار نہ ہوئے اور صاف فرما دیا کہ:

''اگر یہ لوگ ایک رسّی (زکوٰۃ کے اونٹ کا بندھن) یا بکری کا بچہ بھی جو دربارِ رسالت میں پیش کیا کرتے تھے، دینے سے انکار کریں گے، تو

میں ان سے بھی جہاد کروں گا۔

''آپ کا یہ الہامی فیصلہ تھا۔'' جسے بعد میں تمام صحابہ کرام نے تسلیم کیا، اور پھر ان قبائل نے اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنایا، اور مدینہ منورہ پر حملہ کر دیا جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ مورچہ بند صحابہ نے روکا، اس وقت مدینہ منورہ میں نہ گھوڑے تھے اور نہ تیز رو اونٹ، اس مشکل کو آپ نے یوں حل کیا کہ دودھ دینے والی اونٹنیوں پر مجاہدوں کو سوار کر کے باہر نکلے اور ڈٹ کر مقابلہ کیا حتی کہ محاصرین کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہیں منتشر ہونا پڑا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا لشکر کامیاب و کامران ہو کر واپس لوٹ تو کچھ دنوں کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گیارہ محاذ بنائے، ایک جھنڈا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دیا اور طلیحہ اسدی کی سرکوبی پر مامور فرمایا، باقی جھنڈے دیگر صحابہ کرام کو دئے اور انہیں مرتد ہونے والے قبائل کی طرف روانہ کیا۔

آپ نے تقریباً تمام قبائل کو یہی پیغام بھیجا کہ ''توبہ کر کے پھر مسلمان ہو جاؤ ورنہ ہلاکت و بربادی کے علاوہ تمہارا کچھ انجام نہ ہوگا'' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، طلیحہ اسدی کی جانب روانہ ہوئے۔ تو حضرت عدی بن حاتم کی تحریک و تبلیغ سے بنی طے نہ صرف طلیحہ اسدی کے لشکر سے الگ ہو گئے بلکہ تائب ہو کر لشکر اسلام میں شامل ہو گئے، اس کے باوجود طلیحہ اسدی نے ہمت نہ ہاری اور مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہوا، گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ولولہ انگیز قیادت اور مسلمانوں کی حیرت انگیز شجاعت نے دشمن کو شکست فاش سے دوچار کر دیا، دشمن نے راہِ فرار اختیار کی اور بعد ازاں بنو اسد اور غطفان مشرف بہ اسلام ہوئے اور طلیحہ اسدی بھی ایمان لے آئے۔

جنگ یمامہ میں کثیر التعداد حفاظ صحابہ کرام شہید ہو گئے تھے، اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ اگر حفاظِ کرام اسی طرح جنگوں میں

شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید کا بیشتر حصہ ضائع ہو جائے گا، لہذا آپ قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے قدرے ردّ و کدّ کے بعد حضرت زید بن ثابت ﷺ کو اس عظیم کام پر مقرر فرمایا، چنانچہ قرآن پاک کو کتابی صورت میں یکجا کرنے کا مہتمم بالشان کارنامہ بھی دور صدیقی میں انجام دیا گیا۔

یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ عہد صدیقی خلافت راشدہ کی مضبوط ترین بنیاد اور کتاب خلافت کا روشن ترین باب تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے صرف اٹھائیس مہینوں میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے جو قیامت تک ملت اسلامیہ کی راہنمائی کرتے رہیں گے۔ سب سے پہلے آپ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں اپنی حکمت عملی سے ملتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ ہونے سے بچالیا اور انصار و مہاجرین کو ایک پلیٹ فارم پر مجتمع کر دیا پھر نہایت سنگین حالات میں جیش اُسامہ روانہ کر کے بتا دیا کہ ایک مسلمان کو کسی حال میں یہ زیب نہیں دیتا کہ فرمانِ نبوی ﷺ کے خلاف کرے، عرب کے گوشے گوشے سے اٹھنے والے فتنۂ ارتداد کو موت کی نیند سلا دیا۔ منکرینِ زکوٰۃ کو مرتد قرار دے کر فرائض الٰہیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آئینی اور اجماعی تحفظ دے دیا، خانہ ساز دعویدارانِ نبوت کو پوری قوت سے کچل کر آنے والی نسلوں کو یہ سبق دیا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، لہذا اگر کوئی شخص کسی زمانے میں بھی نبی بننے کا دعویٰ کرے تو اسے تسلیم کرنے کی بجائے حاکمِ اسلام پر لازم ہے کہ اس سے جہاد کرے اور اسے اس کے پیشرو مسیلمہ کذاب کے پاس پہنچا دے۔ اس کے علاوہ اسلامی افواج کی پیش قدمی یہاں تک آگے بڑھتی ہے کہ:

- ——— ایک طرف اسلامی فوجیں ایران کے دارالحکومت مدائن کے قریب پہنچ جاتی ہیں،
- ——— تو دوسری طرف عراق میں دُور دراز تک گھس جاتی ہیں،
- ——— تیسری جانب شام میں رومی فوجوں کو شکست پر شکست دی جا رہی ہے، اور فتوحاتِ اسلامیہ کے اثرات شام کے پایہ تخت دمشق تک محسوس کیے جا رہے ہیں۔

قرآن پاک کی تدوین ہو چکی تھی اور منبع عدل وانصاف نظامِ اسلام کے ہمہ گیر انقلاب کے لیے راستہ صاف ہو چکا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی مصروفیات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ شخص واحد اس قدر بے شمار کام کس طرح انجام دیتا تھا:

- ——فرائض ربانیہ کی بجا آوری، یتیموں،
- ——بیوہ عورتوں اور مجاہدین کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کے علاوہ،
- ——پیش آنے والے مسائل کا کتاب وسنت اور آراء صحابہ کی روشنی میں فیصلہ کرنا اور
- ——دور دراز مختلف محاذوں پر جہاد کرنے والی افواج کو قدم قدم پر بروقت ہدایات جاری کرنا،
- ——اہل اسلام میں جہاد کی روح پھونکنا اور بوقت ضرورت بلا تاخیر کمک پر کمک بھیجنا۔

ایسے امور ہیں جو عقل انسانی کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ جبکہ اس وقت ذرائع نقل وحمل نہایت محدود تھے، آپ ہر کام میں اس بات کو پیش نظر رکھتے تھے کہ جو کام کیا جائے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ہو اور یہ تصور کسی وقت ذہن سے محو نہ ہونا چاہیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے دربار میں جواب دہ ہونا ہے۔ سپہ سالاروں اور ان کے مشیروں کو اسی قسم کی ہدایات جاری کرتے تھے، چنانچہ حضرت خالد بن سعید ؓ کو شام کی طرف روانہ کرتے وقت دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی فرمایا:

> ''مجھے امید ہے کہ تم نے سچے دل سے خدا کی خوشنودی اور اس کے انعام کی خاطر جان دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تمہاری سیرت ایسی ہونی چاہیے کہ ''عالم دین'' دین پر ثابت قدم رہیں اور ''جاہل'' دین سے دلچسپی لے کر اچھے پیرو بن جائیں۔ مفسدہ پردازنادانوں کو ڈانٹ ڈپٹ میں رکھنا، عام مسلمانوں کے خیر خواہ رہنا، سپہ سالار کو ایسے

مشورے دینا جن سے حق کا بول بالا ہو، مسلمانوں کا بھلا ہو، تمہارا ہر کام
''خوشنودیٔ مولا'' کے لیے ہو اور اس احساس سے گویا کہ تم اس کو دیکھ
رہے ہو، خود کو مُردوں میں شمار کرلو، ہم سب عنقریب مر جائیں گے، پھر
دوبارہ جلائے جائیں گے، اور ہمارے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔''(۱)

حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کی پوری زندگی توکل علی اللہ کی تفسیر تھی، یہی روح آپ نے مجاہدین اسلام میں بھی پھونک دی تھی، یہی وجہ تھی کہ مجاہدین اسلام دشمن کی کثرت وقوت کی پروا کیے بغیر بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرا جاتے تھے اور فتح ونصرت ان کے قدم چومتی تھی، حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷜ نے ملک شام سے کمک بھیجنے کی درخواست کی اور ساتھ ہی قیصر شاہِ روم کے پیغام کی اطلاع دی جس کے آخری الفاظ یہ تھے:

''میں اتنی فوجیں بھیجوں گا کہ زمین پر ان کا سمانا مشکل ہو جائے گا۔''

مرکز سے فوراً جواب پہنچا جس نے مجاہدین کے حوصلے بلند کر دیے۔ حضرت صدیق اکبر نے لکھا:

''ان کے پاس جتنی رسد آئے گی، میں اتنی یا اس سے دگنی رسد بھیجوں گا، خدا کا شکر ہے نہ تمہاری تعداد کم ہے اور نہ تم کمزور ہو، میری سمجھ میں نہیں آتا پھر تم ان سے لڑتے ہوئے کیوں گھبراتے ہو؟ اللہ ضرور تم کو فتح عطا کرے گا اور دشمن پر غالب کرے گا۔''(۲)

حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کا امت مسلمہ پر یہ احسان بھی کچھ کم نہیں کہ آپ نے وصال سے کچھ پہلے امیر المومنین غیظ المنافقین حضرت عمر فاروق ﷜ کو خلیفہ نامزد کیا جن کی ناقابل انکار اور شاندار خدمات اسلام کا اعتراف غیر مسلم بھی کرتے ہیں۔

---

(۱) خورشید احمد فاروق: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرکاری خطوط: ص ۱۲۳

(۲) ایضاً: ص ۱۳۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خلیفۂ اوّل
حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اَصدَقُ الصّادقیں، سَیّدُ المُتّقِیں
چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

(امام احمد رضا)

آپ کا نامِ نامی عبداللہ، کُنیت ابوبکر اور لقب صدیق، عتیق، یارِ غار اور ''خلیفۂ رسول اللہ'' (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہ وسلم) ہے۔ عام فیل سے دو سال اور کچھ دن کم چار ماہ بعد ۵۷۳ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب یوں ہے، ابوبکر بن عثمان (ابوقحافہ) بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ، حضرت مُرّہ پر جاکر آپ کا نسب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ معاشرہ میں آپ کا مقام نہایت بلند تھا، حتی کہ رؤسائے قریش میں شمار ہوتے تھے، خون بہا کا فیصلہ آپ کے سپرد تھا، اس معاملہ میں تمام قریش آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے تھے، جود و سخا، صلہ رحمی، مہمان نوازی، بردباری وحلم اور صداقت و دیانت آپ کے نمایاں اوصاف تھے، جن کا انکار آپ کے بدترین دشمن کفار قریش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ قسّامِ ازل نے آپ کو ابتداء ہی سے فطرتِ سلیمہ، قلب ونظر کی پاکیزگی، حق کو قبول کرنے والا دِل اور بے پناہ ذکاوت وفطانت عطا فرمائی تھی۔ امام زہری فرماتے ہیں آپ کو اللہ جل مجدہٗ کے بارے میں ساری زندگی میں کبھی شک واقع نہیں ہوا، آپ نے مشرف باسلام ہونے سے پہلے بھی کبھی شراب نہیں پی، آپ کو ابتداء ہی سے سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفاقت کا

شرف حاصل تھا۔فیضِ صحبت نے آپ کے دلِ انور کوایسا روشن آئینہ بنا دیا تھا جو باطل کے عکس کوکسی صورت میں قبول نہیں کرتا تھا۔اورحق وصداقت کےنور کوبغیرکسی تردد کے قبول کر لیتا تھا۔یہی وجہ تھی کہ جب نبی آخرالزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کے سامنے پیغامِ اسلام پیش کیاتو آپ نے فوراً قبول کرلیا،اور مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین اسلام اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں، جوآب زر سے لکھنے کے قابل ہیں،آپ کی دعوت پر''عشرہ مبشرہ''میں سے پانچ صحابہ کرام حضرت عثمان غنی ، زبیر بن عوام،عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مشرف باسلام ہوئے۔ آپ نے ایسے سات حضرات کوخرید کرآزاد کیا جنہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں تکلیف دی جارہی تھی ، ان ہی حضرات میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔آپ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی چارپشتیں شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئیں، یہ فضیلت اورکسی خاندان کو حاصل نہیں ہوئی۔وہ چارپشتیں یہ ہیں عبداللہ بن اسما بنت ابوبکر بن ابوقحافہ، اسی طرح یہ سلسلہ ہے۔ابوعتیق بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

آپ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں،جن کی تفصیل کے لے ایک دفتر بھی ناکافی ہے،آپ نے واقعۂ معراج کی تصدیق اس اعتماد وایقان سے فرمائی کہ کفار کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں،اور مسلمانوں کونیا جوش وجذبہ حاصل ہوا۔اسی قوت ایمانی کی بناء پرآپ کو''صدیق'' کالقب دیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب ہجرت تمام صحابۂ کرام میں سے آپ ہی کورفیقِ سفرمنتخب فرمایا،اس سفر کے دوران آپ نے خلوص و ایثاراور دوستی کا وہ ریکارڈ قائم کیا کہ''یارِغار'' کالقب ایک مثال بن گیا۔آپ ہر جہاد میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے اور جانبازی کا مظاہرہ کیا، جب آپ مشرف باسلام ہوئے تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے جوآپ نے سب کے

سب راہِ خداوندی میں صرف کردے۔ ۹ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو "امیر حج" مقرر فرمایا۔

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت خاتم النبیین، سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد متفقہ طور پر آپ کو خلیفہ منتخب کیا گیا اور دنیائے اسلام کی مایۂ ناز اور مقدس ترین ہستیوں نے آپ کی خلافت کو تسلیم کیا اور بیعت کی، خود حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ہمارے دین کے لئے اختیار فرمایا۔ (یعنی نماز کی امامت کے لئے) اس لئے ہم نے انہیں اپنی دنیا کے لئے منتخب کیا (یعنی امامت وخلافت کے لئے) اور یہ امر واقعی ہے کہ آپ میں وہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔ جو کسی خلیفہ راشد میں ہونے چاہئیں۔ تقویٰ و پرہیز گاری، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت ومحبوبیت اور اتباعِ سنت کا کامل جذبہ، کتاب وسنت کا علم، سیاست، شجاعت، صداقت اور سخاوت غرض جس وصف میں بھی آپ کو دیکھا جائے، اس میں آپ کی حیثیت نمایاں اور نقطۂ عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ ذیل میں مختصر طور پر ان امور کی وضاحت کی جاتی ہے۔

تقوی وپرہیزگاری:

ارشاد ربانی ہے:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى وَلَسَوْفَ يَرْضٰى۔(۱)

سب سے زیادہ متقی آگ سے بچایا جائے گا، جو اپنا مال پاکیزگی کے لئے دیتا ہے، اس پر کسی کا احسان نہیں جس کی جزا دی جائے، لیکن اپنے

(۱) والیل، پ ۳۰

ربِّ اعلیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اور وہ عنقریب راضی ہو جائے گا۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:۔ مفسرین کا اتفاق ہے کہ ''اتقی'' (سب سے زیادہ متقی) سے مراد ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔''(۱)

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو''

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق تمام صحابہ سے زیادہ متقی ہیں اور جو سب سے زیادہ متقی ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں سب سے زیادہ عزت وفضیلت والا ہے، نتیجہ یہ نکلے گا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام صحابۂ کرام سے افضل ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ اسی فضیلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خاص اُس سابقِ سیرِ قربِ خدا ... اوحدِ کاملیت پہ لاکھوں سلام
سایۂ مصطفٰے ، مایۂ اصطفا ... عزِّ ونازِ خلافت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعد الرُسُل ... ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
اصدق الصادقیں ، سیّد المتقیں ... چشم وگوش وزارت پہ لاکھوں سلام

محبت ومحبوبیت

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ تمام عمر اسلام لانے سے پہلے اور بعد آپ کے ساتھ رہے، اور وصال کے بعد پہلوئے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ

(۱) الحجرات ۱۴/۲۶

وسلم میں جگہ ملی۔حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی قدس سرہ فرماتے ہیں:

زیست میں، موت میں اور قبر میں ثانی ہی رہے
ثانی اثنین کے اس طرح ہیں مظہر صدیق

امام ترمذی نے حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوبکر پر رحم فرمائے۔انہوں نے اپنی صاحبزادی کا نکاح مجھ سے کیا، مجھے دارِ ہجرت (مدینہ منورہ) کی طرف سوار کیا۔بلال کو اپنے مال سے آزاد کیا اور اسلام میں ابوبکر کے مال کی مثل مجھے کسی کے مال نے نفع نہ دیا۔(1)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پرورش فرمائی اور اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح اُن سے کیا۔لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی صاحبزادی اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا اور جانی و مالی خدمات میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، حتی کہ خود سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعترافِ خدمت کے طور پر فرمایا:۔

لَیْسَ فِی النَّاسِ اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَیَّ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ مِنْ اَبِیْ بَکْرِ ابْنِ اَبِیْ قُحَافَةَ (۲)

لوگوں میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے ابوبکر بن ابی قحافہ سے بڑھ کر مجھ پر احسان کیا ہو۔

اقبال نے اسی حدیث کا مضمون اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔

آں امنَ النّاس بر مولائے ما
آں کلیم اوّلِ سینائے ما

---

(۱) ابن حجر مکی: الصواعق المحرقہ، ص ۷۱ (۲) ایضاً، ص ۲۲

ہستی او کشتِ ملّت را چو ابر
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

ہجرت کے موقع پر جب غارِ ثور کے پاس پہنچے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، حضور! پہلے غار میں جاتا ہوں۔ ''فَاِنْ کَانَ فِیْہِ شَیْئٌ اَصَابَنِیْ دُوْنَکَ'' (۱) اگر غار میں کوئی موذی ہو تو وہ آپ کو تکلیف نہ دے، مجھے دے، چنانچہ غار کے تمام سوراخوں کو بند کر دیا اور ایک سوراخ جو باقی بچ گیا تھا، اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا، مشتاقِ زیارت سانپ نے تمام راستے بند پا کر آپ کے پائے اقدس پر ڈنگ مارا، اس وقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعابِ دہن لگا دینے سے تکلیف دور ہو گئی۔ لیکن وہ زہر ہر سال عود کرتا رہا، آخر اسی سے شہادت پائی، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں:

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صِدّیق بلکہ غار میں جاں اُن پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جانِ فروضِ غُرر کی ہے

آپ کی شانِ محبوبیت اس حدیث سے ظاہر ہے، جسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''ذاتُ السلاسل'' (ایک جگہ کا نام) کی جنگ سے واپس آئے تو دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ قَالَ عَائِشَۃُ، قُلْتُ مِنَ الرِّجَالِ قَالَ اَبُوْھَا۔ (۲)

آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا عائشہ، عرض کیا مردوں سے؟ فرمایا اس کا باپ (ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

---

(۱) مشکوٰۃ شریف: ص ۵۵۶، بروایت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (۲) مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۵

امام طبرانی حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا، تم نے ابوبکر کے بارے میں کچھ کہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، ہاں آپ نے فرمایا، کہو ہم سنتے ہیں۔ انہوں نے درج ذیل اشعار عرض کیے:

وَثَانِیَ اثْنَیْنِ فِی الْغَارِ الْمُنِیْفِ وَقَدْ
طَافَ الْعَدُوُّ بِہٖ اِذْ صَعِدَ الْجَبَلَا
وَکَانَ حِبَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ قَدْ عَلِمُوْا
مِنَ الْبَرِیَّۃِ لَمْ یَعْدِلْ بِہٖ رَجُلاً

ابوبکر صدیق، مقدس غار میں دو میں سے دوسرے تھے۔ جب دشمن پہاڑ پر چڑھ کر غار کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔ لوگ جانتے تھے کہ حضور کسی کو آپ کے برابر قرار نہیں دیتے۔

یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوب مسکرائے اور فرمایا:

''صَدَقْتَ یَاحَسَّانُ ھُوَ کَمَاقُلْتَ۔''(۱)

اے حسان تو نے سچ کہا وہ اسی طرح ہیں جیسے تم نے کہا۔

اتباع سنت

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک لشکر کا امیر بنا کر شام کی سرحد کی طرف روانہ کیا، ابھی وہ مقامِ ذی خشب میں پہنچے تھے کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، بہت سے صحابۂ کرام کا خیال تھا کہ عرب کے متعدد قبائل کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے حالات نہایت سنگین ہو گئے ہیں، اس

---

(۱) ابن حجر: الصواعق المحرقۃ، ص ۸۵

لئے اس لشکر کو روانہ نہ کیا جائے اور اگر اس لشکر کو بھیجنا ہی ہے تو حضرت اسامہ (جن کی عمر بیس سال سے بھی کم ہے) کی جگہ کسی عمر رسیدہ اور تجربہ کار شخص کو امیر لشکر بنایا جائے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی کہ اگر مجھے یہ خطرہ بھی ہو کہ درندے مجھے چیر پھاڑ ڈالیں گے، تب بھی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کروں گا، جب یہ لشکر کامیاب ہو کر واپس ہوا تو بہت سے لوگوں کو ثابت قدمی نصیب ہوئی، اس سے آپ کی قوتِ ایمانی اور اتباع رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبۂ کامل کا پوری طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔

کتاب وسنت کا علم

امام احمد، ابوداؤد وغیرہما نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ بنوعمرو بن عوف میں آپس میں جنگ ہوگئی، جب یہ بات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ اُن میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: اگر نماز کا وقت ہو جائے اور میں نہ پہنچوں، تو ابوبکر سے کہنا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، چنانچہ نماز کا وقت ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق نے نماز پڑھائی۔ (۱)

امام بخاری ومسلم حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ جب حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طبع مبارک ناساز ہوئی، تو آپ نے فرمایا:

مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاس (۲) — ابوبکر کو کہو: لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اس حدیث کو متعدد صحابہ نے روایت کیا اور ایک حدیث میں ہے:

یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَءُ ھُمْ لِکِتَابِ اللّٰہِ (۳)

"قوم کا امام وہ بنے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری اور زیادہ عالم ہو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابۂ کرام سے

---

(۱) ابن حجر: الصواعق المحرقہ، ص ۲۳ — (۲) ایضاً: ص ۲۲ — (۳) ایضاً: ص ۲۳

کتاب اللہ کے زیادہ عالم تھے۔اسی لئے سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی موجودگی میں انہیں امام بنایا، یہ بھی واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر، خلافت کے سب سے زیادہ مستحق تھے، کیونکہ نماز ارکانِ اسلام میں سے اہم ترین رُکن ہے اسی لئے حضرت سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

فَاخْتَرْنَا لِدُنْیَانَا مَنِ اخْتَارَهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم لِدِیْنِنَا
فَاَدَّیْتُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ حَقَّهٗ وَعَرَفْتُ لَهٗ طَاعَتَهٗ۔[1]

جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے دین (نماز کی امامت) کیلئے منتخب فرمایا اُسے ہم نے اپنی دنیا (خلافت) کے لئے منتخب کیا، لہذا میں نے ابو بکر کو ان کا حق دے دیا اور میں نے ان کی اطاعت کو پہچان لیا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابۂ کرام میں اختلاف پیدا ہوا کہ آپ کو کس جگہ دفن کیا جائے، تو حضرت صدیق اکبر نے بیان کیا کہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر نبی کو ان کے وصال کے جگہ دفن کیا گیا۔[2] چنانچہ تمام صحابۂ کرام نے اس پر اتفاق کیا، اس سے آپ کی کتاب وسنت پر وسیع نظر کا پتا چلتا ہے۔

سیاست

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جگہ جگہ سے ارتداد کی خبریں آنے لگیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، بخدا میں اس شخص سے جہاد کروں گا جو زکات اور نماز میں فرق پیدا کرے گا (یعنی کسی ایک کا انکار کرے) اور اگر کسی شخص نے ایک رسی بھی روک لی، جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں دیا کرتا تھا تو میں اس سے بھی جہاد کروں گا، چنانچہ آپ کی مساعی جمیلہ سے فتنۂ ارتداد پر پوری

---

(۱) ابن حجر: الصواعق المحرقہ، ص ۲۸ (۲) ایضاً: ۳۶

طرح قابو پالیا گیا، ۱۱ھ کے آخر میں نبوت کا جھوٹا دعویدار مسیلمۂ کذاب بڑی قوت حاصل کر گیا۔ اور اس نے یمامہ کے مقام پر چالیس ہزار افراد کی فوج جمع کرلی۔ اس کے استیصال کے لئے آپ نے حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجا، جس نے اس فتنے کو موت کی نیند سُلا دیا، اس موقع پر چونکہ کثیر صحابۂ کرام جام شہادت نوش فرما گئے تھے، اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشورے سے حضرت زید بن ثابت کو جمع قرآن پر مامور فرمایا، چنانچہ انہوں نے قرآن مجید جمع کرکے آپ کی خدمت میں پیش کردیا، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے قرآن مجید کو جمع کرنے کا سہرا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر ہے، امتِ مسلمہ پر آپ کا یہ عظیم الشان احسان ہے ورنہ نہ معلوم آج کتنے لوگ فرائض کا انکار کر چکے ہوتے اور کتنے نبوت کے جھوٹے دعویدار بن چکے ہوتے، آپ کے مختصر دور خلافت (دو سال چار ماہ) میں مسلمانوں کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا اور کثیر التعداد شہر فتح ہوئے۔

شجاعت

امام بزار اپنی مسند میں فاتح خیبر اسد اللہ الغالب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے لوگوں سے پوچھا سب سے بہادر کون ہے؟ حاضرین نے کہا: سب سے زیادہ بہادر آپ ہیں، آپ نے فرمایا میں ہمیشہ اپنے برابر کے جوڑ کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوں، مجھے یہ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ حاضرین نے کہا ہمیں علم نہیں ہے، آپ نے فرمایا، سب سے بہادر ابوبکر صدیق ہیں، کیونکہ جنگ بدر کے دن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایک چھپر تیار کیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا تاکہ کوئی مشرک ادھر نہ آسکے؟ تو بخدا صرف ابوبکر صدیق تھے جو برہنہ تلوار لے کر پہرہ دیتے رہے، جو مشرک اس طرف کا قصد کرتا اُسے روکتے رہے، لہٰذا آپ سب سے زیادہ بہادر ہیں۔ (۱)

(۱) الصواعق المحرقہ ص ۳۰

صداقت

ہجرت کے موقع پر راستے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک کافر نے پوچھا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ یہ لمحہ بڑا نازک تھا، اگر آپ صاف صاف بتا دیتے تو خدشہ تھا کہیں کافر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچائیں اور اگر صحیح بات نہ کہتے تو آپ کی صداقت پر حرف آتا، آپ نے بڑا لطیف و بلیغ جواب دیا، فرمایا: رَجُلٌ یَّھْدِیْنِی السَّبِیْلَ (یہ میرے راہبر ہیں) آپ کا مقصد یہ تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین و ایمان اور حق و صداقت کے راہنما ہیں اور کافر یہ سمجھا کہ شاید یہ کہیں راہبر کے ساتھ سفر پر جا رہے ہیں، اس طرح یہ مرحلہ بحسن وخوبی طے ہو گیا۔

امام حاکم، حضرت نزال بن سبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم نے امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: ہمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کچھ بتائیے، آپ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہیں جن کا نام اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر صدیق رکھا۔(۱)

سخاوت

حضرت امیر المومنین غیظ المنافقین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں صدقے کا حکم دیا، اتفاقاً اس دن میرے پاس بہت سا مال تھا، میں نے سوچا آج ابوبکر سے سبقت لے جاؤں گا، چنانچہ میں نے نصف مال لا کر پیش کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے گھر والوں کے لئے کیا رکھا ہے؟ میں نے عرض کیا اس کی مثل، اتنے میں ابوبکر اپنا تمام مال لے آئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لئے کیا رکھا؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ و رسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے سوچا، میں ان سے کبھی سبقت نہیں لے جا سکتا۔(۲)

---

(۱) الصواعق المحرقہ، ص ۷۰ (۲) ایضاً ص ۵۔

اقبال نے اس قول کا یوں ترجمہ کیا ہے:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

آخر میں حضرت امام باقر اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک فرمان ملاحظہ فرمائیں جسے امام دارقطنی نے روایت کیا کہ سالم بن ابی حفصہ (شیعی) کہتے ہیں کہ میں نے ان دونوں حضرات سے شیخین کے متعلق دریافت کیا، انہوں نے فرمایا: اے سالم! شیخین (ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے محبت رکھ اور ان کے دشمن سے دور رہو کیونکہ وہ دونوں ہدایت کے امام تھے۔ (۱)

یہ خلیفہ رسول اللہ، افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب کی ایک جھلک ہے، جس سے اُن کی عظمتِ شان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ۲۲/ جمادی الآخرہ مطابق ۲۳/ اگست (۱۳ھ/۶۳۴ء) سہ شنبہ کی شب مغرب و عشاء کے درمیان ۶۳ سال کی عمر میں زہر کے اثر سے آپ کا وصال ہوا، اس طرح آپ کو شہادت باطنی کا مقام حاصل ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو میں گنبدِ خضراء کے اندر محوِ استراحت ابدی ہوئے۔

نوٹ:

یہ مقالہ امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسالۂ مبارکہ ''غایۃ التحقیق'' کے ساتھ بطور مقدمہ شائع ہوا۔

---

(۱) الصواعق المحرقہ، ص ۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت حکمران

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ و أصحابہ أجمعین

حضرت صدر گرامی قدر اور عزیز ساتھیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میری گفتگو کا عنوان ہے: ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت حکمران۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر کو اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عکس جمیل اور مظہر اتم بنایا تھا۔ کسی امتی میں بہتر سے بہتر جو اوصاف پائے جا سکتے ہیں قدرت نے آپ کی فطرت میں وہ تمام ودیعت فرمادئے تھے۔

ابن عساکر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اچھی صفات تین سو ساٹھ ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کی بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، تو اسے ان میں سے کوئی ایک صفت عطا فرمادیتا ہے، جس کی بدولت اسے جنت میں داخل فرماتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے اندر ان میں سے کوئی صفت پائی جاتی ہے؟ فرمایا: ابوبکر! تمہیں مبارک ہو تم میں وہ سب صفات پائی جاتی ہیں۔(۱)

حضرت ابوبکر صدیق میں دینی اور دنیاوی قیادت کے تمام اوصاف پائے جاتے تھے، اسی لئے تمام صحابۂ کرام نے بالاتفاق آپ کو خلیفہ منتخب کیا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

نماز اسلام کا عظیم ترین رکن ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لئے حضرت ابوبکر صدیق کو مقرر کیا۔ حضور نے جسے ہمارے دین کے لئے مقرر کیا تھا ہم نے اسے اپنی دنیا کے لئے مقرر کر لیا۔(۲)

---

(۱) الصواعق المحرقہ ص: ۷۴ (۲) الصواعق المحرقہ ص: ۷۴

جہانبانی کے لئے جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے ان کی روشنی میں حضرت صدیق اکبر کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ بے مثال حکمران تھے۔ اس وقت مختصر طور پر چند اوصاف کا ذکر کروں گا۔

❶ حاکم کے لئے ضروری ہے کہ متقی اور پرہیز گار ہو۔ حضرت صدیق اکبر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقٰى جہنم سے دور رکھا جائے گا وہ کہ بہت ہی متقی ہے، مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت آپ ہی کے بارے میں نازل ہوئی۔

❷ دوسرا ضروری وصف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت پر چلنے کا کامل جذبہ پایا جائے۔ حضرت صدیق اکبر نے جب حضرت اسامہ کی قیادت میں ایک لشکر شام کی طرف روانہ کیا تو صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ اس وقت ہر طرف فتنۂ ارتداد پھیلا ہوا ہے، اس لئے یہ لشکر روانہ نہ کیا جائے آپ نے فرمایا: کچھ بھی ہو جائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لشکر کسی صورت واپس نہیں ہوگا اور جو جھنڈا خود حضور نے باندھ کر دیا تھا میں اس کی گرہ نہیں کھول سکتا۔(۱)

❸ تیسرا وصف استقامت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت صحابۂ کرام پر قیامت گزر گئی۔ کسی کا دل یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھا کہ حضور رحلت فرما گئے ہیں، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو شخص یہ کہے گا کہ حضور وصال فرما گئے ہیں تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے صحابہ کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ حضور وصال فرما گئے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا تو اسے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ''

محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہی تو ہیں ان سے پہلے رسول وفات پا گئے۔

---

(۱) الصواعق المحرقہ، ص ۱۷

یہ سن کر صحابہ کو حضور کے وصال کا یقین ہوگیا اور انہیں یوں محسوس ہوا کہ ہم نے گویا یہ آیت آج ہی سنی ہے۔(۱)

4 چوتھا وصف سیاست ہے یعنی ایسا نظام قائم کرنا کہ اندرونی اور بیرونی فتنوں کا صفایا ہوجائے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہر طرف سے ارتداد کی خبریں آنے لگیں، کوئی زکات کا انکار کر رہا ہے، کوئی ختم نبوت کا انکار کر کے خود نبی ہونے کا دعوی کر رہا ہے، کوئی سرے سے دین اسلام ہی کا انکار کر رہا ہے، ایسے عالم میں ان تمام فتنوں پر قابو پانا اور مسیلمۂ کذاب جو چالیس ہزار افراد کے ساتھ یمامہ میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا اس کا قلع قمع کرنا حضرت صدیق اکبر کی شجاعت وسیاست کا بے مثال کرشمہ ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ حضرت صدیق اکبر کے حکم پر اسلامی فوجیں اس وقت کی سپر پاور طاقت رومن ایمپائر سے ٹکرا جاتی ہیں اور شام کا اکثر و بیشتر حصہ مجاہدین کے قدموں تلے روندا جاتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر مرتدین کا مقابلہ کرنے کے لئے بنفس نفیس اونٹنی پر سوار ہوکر نکلتے ہیں۔ حضرت علی مرتضی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر کہتے ہیں:

> اے خلیفۂ رسول اللہ! میں آپ کو وہی بات کہتا ہوں جو احد کے دن حضور نے آپ کو کہی تھی۔ اپنی تلوار میان میں ڈالو اور ہمیں اپنی ذات کے غم میں نہ ڈالو۔ آپ مدینہ طیبہ واپس چلیں۔ خدا کی قسم اگر آپ کو کچھ ہوگیا تو اسلام کا نظام کبھی بحال نہیں ہوسکے گا۔(۲)

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا حکمران عطا فرمائے جو خلفاء راشدین کے نقش قدم پر چلنے والا ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

---

(۱) الصواعق المحرقہ، ص: ۳۲ (۲) الصواعق المحرقہ، ص ۱۷

مسئلہ فدک

اہل تشیع کے خیال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ پر ایک سنگین اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے باغ فدک چھین کر ان پر ظلم کیا تھا، درج ذیل سطور میں اس مسئلے کی مختصراً وضاحت پیش کی جاتی ہے تا کہ غلط فہمی کا غبار چھٹ جائے۔

کفار سے حاصل ہونے والے اموال دو قسم ہیں:۔

(۱) وہ اموال جو لشکر کشی اور جنگ کے بعد حاصل ہوں انہیں غنیمت کہا جاتا ہے۔

(۲) جو جنگ اور لشکر کشی کے بغیر حاصل ہوں انہیں فَیئ کہا جاتا ہے، مالِ غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے ان میں سے چار حصے غازیوں میں تقسیم کر دئے جائیں گے، پانچویں حصے کے بارے میں سورۂ انفال آیت ۴۱ میں ہے کہ: مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ، رسول اکرم، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

فَیئ کے بارے میں سورۂ حشر کی آیت نمبر ۷ میں ارشاد فرمایا (ترجمہ:) جو کچھ اللہ نے دیہات والوں سے اپنے رسول کو دلوایا تو وہ اللہ کے لئے، رسول کے لئے، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے —— ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اور فئی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتی ضروریات کے لئے بھی تھا اور رشتہ داروں اور اربابِ حاجت کے لئے بھی، فدک کا علاقہ اور خیبر کا کچھ حصہ صلح سے فتح ہوا تھا ان کی آمدن سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امہات المؤمنین کو سال بھر کا خرچ عطا فرماتے، دوسرے رشتہ داروں کو بھی عطا فرماتے، اور جو باقی بچتا وہ اصحاب حاجت کو عطا فرما دیتے، حضرت ابوبکر صدیق کا موقف یہ تھا کہ اس مال کو جس طرح نبی اکرم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرچ کیا کرتے تھے، میں بھی اسی طرح خرچ کروں گا، اور ظاہر ہے کہ وہ مالِ فیئی کو صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے سپرد نہیں کر سکتے تھے، آخر حکمِ قرآن کے مطابق باقی لوگ بھی تو مستحق ہیں، ان تمام لوگوں کو معین بھی تو نہیں کیا جا سکتا مثلاً کل جو بچہ یتیم تھا آج بالغ ہو کر خوشحال ہو گیا تو وہ مستحق نہ رہا اور دوسرے کئی بچے یتیم ہو گئے وہ اب مستحق ہو گئے، یہی حال دوسری قسموں کا ہے ایسی صورت میں وہ مال وقف قرار پائے گا جسے حاکم وقت حاجت مندوں اور دیگر مستحقین میں تقسیم کرے گا۔

قرآن پاک کے بعد احادیث مبارکہ میں غور کیجئے مسئلہ بالکل واضح ہو جائے گا، ابوداؤد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فدک کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں عطا نہیں فرمایا، خود نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دینے سے انکار کر دیا تو حضرت ابوبکر صدیق پر کیا اعتراض ہے؟ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی کہ ''ہم گروہِ انبیاء وراثت نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔'' اس حدیث کو حضرت علی اور حضرت عباس نے تسلیم کیا، نیز حضرت عثمان غنی حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی تسلیم کیا، بخاری شریف، مؤطا امام مالک اور ابوداؤد میں ہے کہ امہات المؤمنین نے وراثت کا مطالبہ کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہ نے انہیں یہی حدیث سنا کر مطالبے سے منع کیا چنانچہ انہوں نے مطالبے کا ارادہ ترک کر دیا، حضرت فاطمہ زہراء نے وراثت کا مطالبہ کیا تو انہیں بھی یہی حدیث سنائی گئی، حضرت سیدہ نے بھی اس حدیث کو تسلیم کیا اور کہیں بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہو۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے رویئے کی تحسین کی جانی چاہیے کہ انہوں نے کسی صورت میں بھی

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کیا، بلکہ پوری مضبوطی کے ساتھ اس پر قائم رہے اور جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت خاتونِ جنت، امہات المؤمنین اور دوسرے رشتہ داروں کو حصہ عطا فرمایا کرتے تھے اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق بھی دیتے رہے، ہاں انہوں نے اس خطۂ زمین کے مالکانہ حقوق کسی کو نہیں دئے اور یہی قرآن پاک کا مفاد ہے اور یہی حدیث پاک کی تصریح کے مطابق ہے۔

حیرت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے بارے میں غیظ و غضب کا اظہار کرنے والے حضرت علی مرتضیٰ پر اعتراض کیوں نہیں کرتے؟ کہ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت فاطمہ کا حقِ وراثت حاصل کر کے اسے اپنی ملکیت کیوں نہ قرار دیا؟ اس سوال کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ اہلِ بیتِ کرام کی روایت یہ ہے کہ ایک بار اُن کا حق نہ دیا جائے تو وہ دوبارہ لینا پسند نہیں کرتے، اس جواب پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ شیعوں کے خیال میں خلافت حضرت علی مرتضیٰ کا حق تھی جسے خلفاء ثلاثہ نے دبائے رکھا، پھر حضرت عثمان غنی کی شہادت کے بعد حضرت علی نے خلافت کیوں قبول کر لی؟ تمہارے خیال کے مطابق تو یہ بھی اہل بیت کرام کی روایت کے خلاف ہے، بلکہ وہی خطہ جس کا مطالبہ تھا حضرت عمر نے ملکیت کے طور پر نہیں بلکہ تولیت کے طور پر دیا تو حضرت علی اور حضرت عباس نے لے لیا جو پہلے حضرت علی کے پاس پھر ان کی اولاد کے پاس رہا، تمہارے خیال کے مطابق تو یہ بھی اہل بیت کی شان کے لائق نہ تھا، حضرت علی اور ان کے بعد ان کی اولاد کا اس خطۂ زمین پر قابض ہونا صاف اعلان کر رہا ہے کہ وہ زمین ورثہ نہ تھی ورنہ حضرت علی کے پاس کیا جواز تھا؟ کہ اس میں سے حضرت عباس اور ان کے بعد ان کی اولاد کو حصہ نہ دیتے آخر وہ بھی تو وارث تھے۔

جب وراثت کا پہلو مضبوط نظر نہیں آتا تو کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں حضرت فاطمہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا، حالانکہ اس دعوے کو دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور اگر ہبہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو فریقین کے نزدیک مسلم ہے کہ جب تک وہ شخص جسے ہبہ کیا گیا ہے قبضہ نہ کر لے وہ چیز اس کی ملکیت نہیں بنتی اور روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں فدک کبھی بھی حضرت سیدہ فاطمہ کے قبضہ میں نہیں رہا، بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی اس میں تصرف فرماتے رہے، نیز فدک وسیع اور زرخیز خطہ تھا جس کی آمدنی بقول ملا باقر مجلسی چوبیس ہزار دینار تھی اگر یہ علاقہ حضرت سیدہ کو مل گیا ہوتا تو ان کی سالانہ آمدن لاکھوں روپے ہوتی اور وہ مدینہ منورہ کی مالدار ترین خاتون ہوتیں، حالانکہ کسے نہیں معلوم؟ کہ زمانہ نبوی میں ان کی زندگی فقر و قناعت سے عبارت تھی، گھر کے تمام کام خود کرتی تھیں، پھر اگر ان کی سالانہ آمدنی لاکھوں روپے ہوتی تو غزوۂ تبوک کے موقع پر دل کھول کر چندہ دیتیں، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اپیل پر حضرت عثمان غنی نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان اور ایک ہزار دینار پیش کئے، حضرت عمر فاروق نے آدھا مال پیش کر دیا اور حضرت ابو بکر صدیق نے تمام مال لا کر ڈھیر کر دیا، دوسرے صحابۂ کرام نے بھی استطاعت کے مطابق حصہ لیا۔ لیکن کہیں بھی یہ ذکر نہیں ملتا کہ حضرت خاتونِ جنت نے بھی اس میں حصہ لیا ہو، معلوم ہوا کہ ہبہ کا قول صحیح نہیں ہے۔

ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوُدَ، سلیمان داؤد کے وارث ہوئے، وہ حدیث جس میں آیا ہے کہ انبیاء کا ہمارا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا، اس آیت کے معارض ہے، لہٰذا وہ حدیث مقبول نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں مال کی وراثت مراد نہیں ہے، ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے انیس بھائی تھے ان کو بھی وراثت ملتی، صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہ ملتی، اس جگہ علم، نبوت اور حکومت و

غیرہ امور کا ورثہ مراد ہے، اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام کی یہ دعا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ وَلِیًّا یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ آلِ یَعْقُوْبَ (الآیۃ) مجھے اپنے پاس سے ایسا ولی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو، اس میں بھی علم اور نبوت کی وراثت مراد ہے، کیونکہ کسی عالم نے بھی یہ بیان نہیں کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑے مالدار تھے اس لئے انہوں نے وارث کا مطالبہ کیا تھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آیتِ میراث کے مطابق بیٹی کو ایک حصہ اور بیٹے کو دو حصے ملتے ہیں، جب کہ اہل سنت جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ خبر واحد ہے اور نص قرآن کے معارض نہیں ہو سکتی، علامہ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقة میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابو بکر صدیق کا استدلال خبر واحد سے نہیں تھا بلکہ اس حدیث سے تھا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود سنی تھی اور وہ ان کے نزدیک خبر متواتر کی طرح قطعی تھی، اور قرائن کی بنا پر ان کے نزدیک وہ معنی قطعی تھا جو انہوں نے سمجھا تھا، لہٰذا اس حدیث کی بنا پر آیت مبارکہ میں تخصیص کی جا سکتی ہے۔ آیت کا حکم اُمتیوں سے متعلق ہے انبیاء کرام سے متعلق نہیں ہے۔

اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اس حدیث کو حضرت ابو بکر صدیق نے ہی بیان نہیں کیا بلکہ عشرہ مبشرہ میں سے جلیل القدر صحابہ نے یہاں تک کہ حضرت علی اور حضرت عباس نے بھی تسلیم کیا، صرف یہی نہیں ہے بلکہ روافض کی کتابوں میں بھی یہ حدیث موجود ہے، اصول کافی باب المعلّم والمتعلّم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تحقیق علماء انبیاء کے وارث ہیں، بے شک انبیاء ورثے میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ وہ وراثت میں علم دیتے ہیں جس نے اس علم کا کچھ حصہ حاصل کیا اس نے بڑا حصہ حاصل کیا۔

من لایحضرہ الفقیہ جلد دوم ص ۳۴۶ میں حضرت علی مرتضیٰ کا یہی ارشاد منقول ہے جو انہوں نے اپنے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیۃ کو وصیت کرتے ہوئے بیان کیا، اصول کافی کے صفحہ ۱۷ پر باب صفۃ العلم میں حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد منقول ہے جس کا مطلب بھی یہی ہے۔

مخالفین اپنے پروپیگنڈے کو مؤثر بنانے کے لئے بخاری شریف کی ایک روایت کا بھی سہارا لیتے ہیں اور یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ، حضرت ابو بکر صدیق سے ناراض ہو گئیں، اور آخری دم تک ناراض رہیں، اور اس سلسلے میں اس حدیث کا بھی حوالہ دیتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فاطمہ میری لختِ جگر ہیں جس نے انہیں ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔''

بخاری شریف میں فدک کا پانچ مرتبہ ذکر آیا ہے۔ جلد اول ص ۵۲۶ پر حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہمارا وارث نہیں بنتا، ہم جو چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہے، محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل اس مال سے کھائے گی، خدا کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گا، اور ان میں وہی عمل کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔''

حضرت علی نے خطبہ پڑھ کر فرمایا: ''اے ابو بکر! ہم تمہاری فضیلت جانتے ہیں'' اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی قرابت اور اپنے حق کا ذکر کیا، حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے مجھے

اپنے رشتے داروں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے حسنِ سلوک زیادہ محبوب ہے۔

اس حدیث میں حضرت سیدہ کی ناراضگی کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ حضرت علی، خلیفۂ اوّل کی فضیلت کا واضح اعتراف فرما رہے ہیں، حضرت ابوبکر نے کونسی حق تلفی کی؟ جو کچھ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت خاتون جنت کو ملا کرتا تھا وہ حضرت ابوبکر بھی انہیں پیش کرتے رہے، حضرت عمر نے تو وہ خطہ بھی بطور تولیت حضرت علی اور حضرت عباس کو دے دیا تھا، اس کے باوجود معترضین کا سینہ ٹھنڈا نہیں ہوتا، اتنا ضرور ہے کہ شیخین کریمین نے حضرت سیدہ کو مالکانہ حقوق نہیں دیے، وہ تو انہوں نے امہات المؤمنین کو بھی نہیں دیے، جن میں ان کی صاحبزادیاں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ بھی شامل تھیں۔ پھر مالکانہ حقوق نہ دینے کی بنیاد ذاتی رائے یا دشمنی قطعاً نہ تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث تھی جسے رافضی مصنفین بھی بیان کرتے ہیں، اس میں حضرت ابوبکر صدیق کا کیا جرم ہے؟ اور حضرت فاطمہ کی ناراضگی کا کونسا پہلو ہے؟ کیا یہی کہ آپ میرے والدِ ماجد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پر کیوں عمل کرتے ہیں؟

بات صرف اتنی ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء نے ابتداءً مطالبہ کیا اور جب ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پیش کی گئی تو انہوں نے خاموشی اختیار کر لی اور اس کے بعد کبھی اس مسئلے کو نہیں اٹھایا، بخاری شریف میں صرف ایک جگہ یہ الفاظ ہیں فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ وَهَجَرَتْ اَبَابَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ۔ ''حضرت فاطمہ ناراض ہوئیں اور حضرت ابوبکر کو چھوڑے رکھا یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا، اور یہ راوی کا اپنا خیال ہے، کسی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت خاتون جنت نے فرمایا ہو کہ میں ابوبکر صدیق سے ناراض ہوں، راوی کو غلطی بھی واقع ہو سکتی ہے، قرین قیاس یہی

ہے کہ چونکہ حضرت سیدہ فاطمہ نے بعد میں اس مسئلے پر حضرت ابو بکر سے بات نہیں کی اس لئے راوی نے سمجھا کہ وہ ناراض ہیں۔

شیعوں کی کتاب مجاج السالکین میں ہے: اِنَّ اَبَابَکْرٍ لَمَّا رَأٰی اَنَّ فَاطِمَۃَ انْقَبَضَتْ عَنْہُ وَھَجَرَتْہُ وَلَمْ تَتَکَلَّمْ بَعْدَ ذٰلِکَ فِیْ اَمْرِ فَدَکَ۔ ابو بکر نے جب دیکھا کہ فاطمہ نے ان سے انقباض محسوس کیا ہے، انہیں چھوڑ دیا ہے اور اسکے بعد فدک کے بارے میں بات نہیں کی۔'' اس عبارت سے ہمارے دعوے کی بخوبی تائید ہوتی ہے کہ حضرت فاطمہ نے چونکہ بعد میں مسئلہ فدک پر بات نہیں کی، اس لئے راوی نے اسے ناراضگی قرار دے دیا، اگر اس میں کچھ بھی واقعیت ہوتی تو شیعہ مصنف اسے اچھالنے سے کبھی دریغ نہ کرتا۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے کہ: مَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ'' ''جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا'' لیکن یہ تو اسی وقت ہے جب کوئی شخص انہیں دیدہ دانستہ ایذاء پہنچائے اور ناراض کرے، جب کہ حضرت ابو بکر صدیق نے انہیں صاف لفظوں میں فرمایا:

''اے رسول اللہ کی بیٹی! مجھے اپنی قرابت کی نسبت حضور کی قرابت سے صلہ رحمی اور حسنِ سلوک زیادہ محبوب ہے۔''

اس سے پہلے (اشعۃ اللمعات میں) گزر چکا کہ حضرت ابو بکر صدیق کی اہلیہ حضرت اسماء حضرت سیدہ کی تیمارداری کرتی رہیں اور حضرت سیدہ فاطمہ نے انہیں وصیت کی تھی کہ تم ہی مجھے وصال کے بعد غسل دینا اور کفن پہنانا، ایمانداری سے سوچئے کہ اگر خاتونِ جنت، حضرت ابو بکر صدیق سے ناراض ہوتیں تو ان کی اہلیہ کو اتنے قرب کی اجازت دیتیں؟

بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت فاطمہ، حضرت ابو بکر سے بتقاضائے بشریت ناراض تھیں تو اس بنا پر جو وعید حضرت ابو بکر کو سنائی جاتی ہے وہی حضرت علی کو بھی سنانی پڑے گی، رافضیوں کی مشہور کتاب ''جلاء العیون'' ص ۱۸۶، میں ہے کہ ایک بار حضرت سیدہ زہراء مولیٰ علی سے ناراض ہوئیں تو حضرات حسنین کریمین اور حضرت ام کلثوم کو ساتھ لے کر اپنے میکے چلی گئیں، بلکہ بعض اوقات تو اس قدر ناراض ہوئیں کہ حضرت علی کو سخت سست بھی کہہ گئیں، چنانچہ شیعوں کی معروف کتاب ''حق الیقین'' کے صفحہ ۲۳۳ پر ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے ناراضگی میں یہاں تک کہہ دیا:

''مانند جنین در رحم، پردہ نشیں شدہ و مثل خائباں در خانہ گریختہ''

رحم میں پوشیدہ بچے کی طرح پردہ نشین ہو گئے اور نامرادوں کی طرح بھاگ گئے۔

الحمد للہ! ہمارے لئے کوئی الجھن نہیں ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت علی کا مقصد اپنے کسی قول یا فعل سے حضرت سیدہ کو ناراض کرنا نہیں تھا، خانگی زندگی میں ایسے موڑ آہی جاتے ہیں کہ ایک فریق کی مصالحانہ کوشش کے باوجود دوسرا فریق ناراض ہو جاتا ہے، پھر یہ وقتی ناراضگی ہوتی تھی جو بعد میں دور ہو جاتی تھی، یہی کیفیت حضرت ابو بکر صدیق کی تھی۔

بقول ملا باقر مجلسی، ''حق الیقین'' ص ۲۳۱، حضرت ابو بکر نے فرمایا:

میرے جملہ اموال اور احوال میں آپ کو اختیار ہے، ان میں سے آپ جو چاہیں لے لیں، آپ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کی سردار اور اپنے بیٹوں کے لئے بابرکت درخت ہیں، آپ کی فضیلت کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، آپ کا حکم میرے تمام اموال میں نافذ ہے، لیکن میں مسلمانوں کے مالوں میں آپ کے والد ماجد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔''

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے دل میں کوئی عناد اور کھوٹ نہ تھا، ورنہ وہ اپنی پوری جائیداد کی پیشکش کبھی نہ کرتے۔

علامہ کمال الدین میثم البحرانی، ''نہج البلاغۃ'' کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیدہ کی گفتگو سن کر صدیق اکبر نے کہا:

> اے خواتینِ عالم کی سردار! اے تمام آباء کے تاجدار کی لختِ جگر! خدا کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے سے بالکل تجاوز نہیں کیا، میں نے وہی کچھ کیا جس کا حضور نے حکم دیا، حضور علیہ السلام فدک سے آپ حضرات کی ضرورت (خوراک وغیرہ) لیا کرتے تھے اور باقی مستحقین میں تقسیم کر دیا کرتے تھے، مجاہدین کو سواریاں اسی سے مہیا کرتے تھے، اور میں اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر وعدہ کرتا ہوں کہ میں بھی وہی کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، فَرَضِيَتْ بِذَالِكَ وَاَخَذَتِ الْعَهْدَعَلَيْهِ بِه۔ یہ سن کر آپ راضی ہو گئیں اور اسی پر عمل پیرا رہنے کا ان سے وعدہ لیا ہے۔ (ترجمہ)[1]

اس تفصیل سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ یہ پروپیگنڈا محض افتراء ہے کہ حضرت فاطمہ نے وصیت فرمائی تھی کہ ''ابوبکر میرے جنازے میں شریک نہ ہوں'' بلکہ طبقات ابن سعد میں امام شعبی اور امام ابراہیم نخعی کی دو روایتیں ملتی ہیں کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر نے ہی پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابوبکر جنازہ میں شریک نہیں ہوئے تو ان کے لئے ضرور کوئی عذر ہوگا، جیسے کہ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے ''اشعۃ اللمعات'' میں بیان

---

(۱) شرح نہج البلاغہ، ج ۵ ص ۱۰۷

فرمایا، اسے دوبارہ نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر ''جلاء العیون'' میں کلینی کی روایت کے مطابق جنازہ میں صرف سات افراد شریک ہوئے حضرت ابوذر، سلمان، عمار، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود اور مقداد، امامت حضرت علی نے کرائی، اس روایت کے مطابق حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی جنازہ کی نماز میں شریک نہیں ہوئے، اسی طرح متعدد وہ حضرات جنہیں شیعہ بھی مانتے ہیں وہ بھی شامل نہیں ہوئے، کیا حضرت سیدہ ان سے بھی ناراض تھیں؟ اور ان کے بارے میں بھی یہ وصیت کی تھی کہ جنازے میں شریک نہ ہوں؟

اللہ تعالیٰ بے جا تعصب سے بچائے، صحابۂ کرام اور اہل بیت عظام کی سچی محبت و عقیدت پر قائم و دائم رکھے۔ آمین!

نوٹ: (۱) اس مختصر مقالہ میں الصواعق المحرقہ، از امام ابن حجر مکی، جسٹس پیر کرم شاہ الازہری کے مقالہ مسئلہ فدک (ضیائے حرم، فاروق اعظم نمبر، شمارہ مئی جون ۱۹۷۴ء) اور علامہ مفتی محمد جلال الدین امجدی کی تصنیف باغ فدک اور حدیث قرطاس سے استفادہ کیا ہے۔

(۲) یہ مقالہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی فارسی شرح ''اشعۃ اللمعات'' کے اردو ترجمہ کی چوتھی جلد پر فٹ نوٹ کے طور پر لکھا تھا۔۱۲

خلیفہ کے انتخاب کے اسلامی طریقے

درج ذیل سطور میں مختصر طور پر خلافت کی تعریف، خلیفہ کی ذمہ داریاں، شرائط اور اس کے انتخاب کے اسلامی طریقے بیان کیے جاتے ہیں۔

دین اسلام، اُن قوانین کے مجموعہ کا نام ہے جو دنیا و آخرت میں انسانوں کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کی کامیابی اور بھلائی کا سامان فراہم کرتے ہیں، نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد امت مسلمہ کو ایسے امام کی ضرورت تھی جو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب ہونے کی حیثیت سے تمام لوگوں کو دین کی پیروی کا پابند کرے تاکہ ہر آدمی اپنی حد پر قائم رہے، اور حق کے سامنے طاقت ور اور کمزور، صاحب حیثیت اور عام آدمی یکساں ہو، ایسا شخص دین کی حفاظت اور دنیاوی سیاست میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوگا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ''خلافت عامہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب ہونے کی حیثیت سے دین کے قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔ احیاءِ دین میں یہ امور آتیں گے علوم دینیہ کا زندہ کرنا، ارکانِ اسلام، جہاد اور اس کے متعلقہ امور کا قائم کرنا، مثلاً لشکروں کا ترتیب دینا، مجاہدین کا وظیفہ مقرر کرنا اور مال غنیمت سے انہیں حصہ دینا، مقدمات کے فیصلے کرنا، حدود کا قائم کرنا، ظلم کا قلع قمع کرنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔
>
> (ازالۃ الخفاء، فارسی ص ۲)

امام کا مقرر کرنا مخلوق پر واجب (علی الکفایہ) ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص مر گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا تو وہ جاہلیت کی موت مرا، (لیکن اگر امام شرعی مقرر کرنے کی قدرت ہی نہ ہو تو امت مسلمہ معذور قرار دی جائے گی) نیز امت مسلمہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے

بعد امام کے تقرر کو اہم ترین واجب قرار دیا، یہاں تک کہ آپ کے دفن سے پہلے اس مسئلے کو طے کیا، تیسری وجہ یہ ہے کہ بہت سے واجباتِ شرعیہ امام پر موقوف ہیں اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔ (شرح عقائد)

امام کے لئے کیا شرائط ہیں؟

عقائد نسفی اور اس کی شرح میں ہے کہ امام کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ولایت کاملہ مطلقہ رکھتا ہو یعنی مسلمان، آزاد، عاقل و بالغ مرد ہو (شرح عقائد) کافر، غلام، پاگل اور نابالغ امام نہیں ہوسکتا، اسی طرح عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ قوتِ فیصلہ اور شوکتِ اقتدار کی بنا پر مسلمانوں کے معاملات میں فیصلوں پر عمل درآمد کر سکے اور اپنے علم، عدل اور شجاعت کی بنیاد پر اسلامی احکام نافذ کر سکے، اسلامی سلطنت کی سرحدوں کی حفاظت اور ظالموں سے مظلوموں کی دادرسی کر سکے۔ اس کے علاوہ ایک اہم شرط یہ ہے کہ قریشی ہو، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے سامنے یہ حدیث پیش کی اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ تمام امام قریش میں سے ہوں گے تو کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، لہذا اس پر اجماع سکوتی ہو گیا۔

خلیفہ کا انتخاب اور تقرر چار طریقوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ اہل حل وعقد یعنی علماء، قضاۃ (جج صاحبان) امراء اور سرکردہ لوگ کسی اہلیت رکھنے والی شخصیت کی بیعت کریں۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ تمام شہروں کے اہل حل وعقد متفق ہوں کیونکہ ایسا ہونا بہت مشکل ہے۔ البتہ ایک دو شخصوں کا بیعت کرنا بے فائدہ ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اسی طریقے سے منعقد ہوئی (ازالۃ الخفاء)

پاکستان کے موجودہ پارلیمانی انتخابات کا طریقہ، مغربی ممالک سے درآمد کیا گیا ہے جس میں ہر عام و خاص کو ووٹ دینے کا حق ہے، چاہے وہ عالم ہو یا جاہل، متقی ہو یا فاسق بلکہ مسلمان ہو یا کافر، یہاں مفتیٔ اعظم، شیخ الاسلام اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس

ے ووٹ کی بھی وہی حیثیت ہے جو ایک عام آدمی مثلاً چپراسی اور بھنگی کے ووٹ کی ہے۔
علامہ اقبال نے کہا تھا کہ مغربی جمہوریت میں ووٹ گنے جاتے ہیں تولے نہیں جاتے،
ظاہر ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے اس طریقے کی تائید نہیں کی جاسکتی۔

۲۔ خلیفۂ عادل، مسلمانوں کے مفاد میں ایسے شخص کو نامزد کردے جو شرائط خلافت کا جامع ہو اور عوام و خواص کو اس پر متفق کردے اور وصیت کردے کہ میرے بعد اس کی اطاعت کی جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اسی طریقے پر قائم ہوئی۔

۳۔ شورائی طریقہ، خلیفۂ وقت، شرائط خلافت کی جامع ایک جماعت کو مقرر کردے کہ وہ اپنے اراکین میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کرلیں، چنانچہ خلیفہ کی وفات کے بعد وہ لوگ مشورے سے کسی ایک فرد کو منتخب کرلیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب اسی طریقے پر ہوا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے دی کہ ان میں سے جسے چاہیں منتخب کرلیں۔

۴۔ غلبہ اور تسلط۔ خلیفۂ وقت کی وفات کے بعد جامعِ شرائط ایک شخص، خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور تالیفِ قلوب، دباؤ اور جنگ کے ذریعے لوگوں کی حمایت و تائید حاصل کرلیتا ہے اور خلیفہ بن جاتا ہے، ایسی صورت میں عوام الناس پر اس کے احکام کی تعمیل لازم ہے بشرطیکہ اس کے احکام، شریعت کے موافق ہوں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلح کے بعد اسی طریقے پر منعقد ہوئی۔

یہ چاروں طریقے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں بیان کئے ہیں۔

نوٹ: یہ مختصر مقالہ اشعۃ اللمعات کے ترجمہ کی چوتھی جلد کے فٹ نوٹ کے طور پر لکھا تھا۔

مدینہ طیبہ پر یورش کرنے والا گروہ
——ایک تجزیہ

تیسرے خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تاریخِ اسلام کا انتہائی اندوہناک واقعہ ہے، خلیفۃ المسلمین کو دارالخلافہ مدینہ منورہ میں چالیس دن کے محاصرے اور کھانا پینا بند کر دینے کے بعد اس حالت میں شہید کیا گیا کہ آپ روزے کی حالت میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے، اس ظلم عظیم پر اگر آسمان پھٹ جاتا یا زمین شق ہو جاتی تو بجا تھا، ستم بالائے ستم یہ کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کے خلاف کردار کشی کی مہم چلائی گئی جو آج تک جاری ہے۔

میاں عبدالرشید (کالم نگار نور بصیرت، نوائے وقت) لکھتے ہیں:

''افسوسناک بات یہ ہے کہ غیر تو غیر تھے، اپنوں نے بھی اس مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور بعض نام نہاد اسلامی مفکر اور محقق اس دوڑ میں غیروں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔''(۱)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف میں سے حلم اور حیا دو امتیازی وصف تھے اور انہی اوصاف کا تقاضا تھا کہ آپ نے باغیوں اور بلوائیوں کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی اور نہ ہی اہل مدینہ کو ان کے خلاف مسلح کاروائی کی اجازت دی، بلکہ جب آپ سے باغیوں کے امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے پوچھا گیا، تو آپ نے فرمایا: جب وہ اچھا کام کریں تو ان سے موافقت کرو اور اگر برا کام کریں تو اس میں شرکت نہ کرو۔

اگر آپ اہل مدینہ کو حکم دیتے تو وہ بہت جلد باغیوں کا قلع قمع کر دیتے، امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں کہ محاصرے کے دنوں میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ

(۱) عبدالرشید، میاں — نور بصیرت حصہ دوم (طبع لاہور) ص ۲۶۴

عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی اور ان کے سامنے درج ذیل تجاویز پیش کیں:

(۱) آپ باہر نکل کر بلوائیوں سے جنگ کریں آپ کے پاس طاقت بھی ہے اور جنگجو افراد کی کثرت بھی ہے، نیز آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر۔

(۲) ایک دروازے پر بلوائی قابض ہیں، ہم ایک دوسرا دروازہ کھول کر آپ کو نکال کر لے جاتے ہیں اور مکہ معظمہ پہنچا دیتے ہیں، وہاں وہ لوگ آپ پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔

(۳) آپ شام چلے جائیں، وہاں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہیں (اور ان کی حالات پر گرفت مضبوط ہے)۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تینوں تجاویز مسترد کر دیں،

● —— پہلی تو اس لئے کہ میں امت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خوں بہانے والا شخص نہیں بننا چاہتا،

● —— دوسری اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قریش میں سے ایک شخص مکہ مکرمہ میں بے دینی کا ارتکاب کرے گا اس پر تمام جہان کی نسبت آدھا عذاب ہوگا، چنانچہ میں وہ شخص نہیں بننا چاہتا، اور

● —— تیسری تجویز اس لئے رد کر دی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قرب اور دار ہجرت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت غیر مسلموں کی گہری سازش کا نتیجہ تھی، مجاہدین اسلام جس طرف رخ کرتے فتح و نصرت آگے بڑھ کر ان کا استقبال کرتی، دشمنانِ اسلام میدانِ جنگ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، مجاہدین کی پیش قدمی افریقہ، ایشیا اور یورپ میں جاری تھی، اسلام دشمن قوتوں نے ففتھ کالم کا سہارا لیا، پہلے حضرت عثمان

غنی کے گورنروں کے خلاف پھر خود ان کے خلاف افواہوں کا منظم جال کوفہ، بصرہ اور مصر میں پھیلا دیا، شام میں وہ کامیاب نہ ہو سکے کہ وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مضبوط کنٹرول تھا، شکایات کی تحقیق کی گئی، اکثر و بیشتر شکایات غلط ثابت ہوئیں۔

اسی اثنا میں مصر کا ایک وفد حاضر ہو کر مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کی شکایت کرتا ہے، حضرت عثمان غنی اُن کی جگہ محمد بن ابی بکر کو پروانۂ گورنری عطا فرما دیتے ہیں۔ محمد بن ابی بکر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصر کی طرف جا رہے ہیں کہ راستے میں ایک مشکوک غلام ملتا ہے جس کا کہنا ہے کہ میں امیر المؤمنین کا غلام ہوں، اس کے پاس امیر المؤمنین کی طرف سے لکھا ہوا ایک پیغام مصر کے گورنر کے نام ملتا ہے کہ جب یہ لوگ تمہارے پاس پہنچیں تو انہیں قتل کر دو، وہ لوگ واپس مدینہ منورہ آتے ہیں اور صحابۂ کرام کے سامنے یہ نیا حکم پڑھ کر سناتے ہیں، امیر المؤمنین سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حکم میں نے لکھا ہے اور نہ ہی لکھوایا ہے اور نہ ہی مجھے اس کا علم ہے، بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حکم مروان نے لکھا ہے، امیر المؤمنین نے سوچا کہ یہ لوگ مروان کو قتل کر دیں گے، نیز اس کے خلاف ثبوت بھی کوئی نہیں تھا۔ اس لئے مروان کو اُن کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا، بلوائیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا، پانی تک بند کر دیا۔ دروازے پر حسنین کریمین، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت طلحہ اور دیگر متعدد صحابۂ کرام کے بیٹے پہرہ دے رہے تھے، بلوائیوں نے مکان کی پشت کی جانب سے نقب لگا کر آپ کو شہید کر دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں

غلام کا یہ واقعہ بھی گہری سازش کی ایک کڑی ہے۔

رہا یہ سوال کہ ریشہ دوانیاں کرنے والے اور افواہوں کا جال پھیلانے والے کون لوگ تھے؟ تو اس سلسلے میں سنی شیعہ لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سازش کا

سرغنہ عبداللہ بن سبا تھا، اس کا تعارف یہ ہے کہ یہ یہودی تھا بظاہر مسلمان بن کر مدینہ منورہ حاضر ہوا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف محاذ بنا کر بدگوئی اور نکتہ چینی شروع کردی، امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی کو معلوم ہوا تو آپ نے اسے مدینہ طیبہ سے نکال دیا، ابن سبا جانتا تھا کہ امیر المؤمنین کے مخالفین مصر میں بڑی تعداد میں موجود ہیں، اس نے مصر کا رخ کیا، وہاں جا کر اپنے علم اور تقوای کا پروپیگنڈا کر کے عقید تمندوں کا ایک حلقہ بنالیا، اور اس فتنہ کو کوفہ اور بصرہ تک پھیلا دیا اور جب دیکھا کہ یہ لوگ خوب اچھی طرح گرویدہ ہو چکے ہیں تو ان کے سامنے یہ نظریہ پیش کیا کہ عیسائی یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے زمین پر اتریں گے، اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء حضرت عیسیٰ سے افضل ہیں، تو ماننا پڑے گا کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی واپس تشریف لائیں گے، اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْآنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ، اس طرح اس نے عقیدۂ رجعت لوگوں کے دلوں میں بٹھا دیا، حالانکہ مذکورہ آیت کریمہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ واپسی کی نوید تھی نہ کہ وصال کے بعد دنیا میں واپس آنے کی۔

جب اُس نے دیکھا کہ ایک طبقہ اس کے نظریئے کو قبول کر چکا ہے تو اس نے اپنے ترکش سے ایک اور تیر نکالا اور تبلیغ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ ہر نبی کا ایک خلیفہ اور وصی ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ اور وصی حضرت علی مرتضیٰ ہیں، جو زہد و تقویٰ، علم و فتویٰ، شجاعت و کرم اور دیانت و امانت کے اوصاف سے متصف ہیں، امت مسلمہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصریح کے برخلاف حضرت علی پر ظلم روا رکھا ہے، خلافت ان کا حق تھا جو انہیں نہیں دیا گیا، لہذا تمام جہان کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کی امداد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور عثمان غنی کو برطرف کر دیں۔[1]

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: ❶ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر (۳/۱۵۴) ❷ البدایۃ والنہایہ، ابن کثیر (۷/۶۸-۱۶۷) ❸ اور شیعہ عقائد کی مشہور تاریخ روضۃ الصفاء (۲/۲۷۰) ❹ اور تحفہ جعفریہ از شیخ الحدیث علامہ محمد علی (لاہور) (۱/۱۶-۱۱)

حضرت علامہ محمد علی مؤلف تحفہ جعفریہ نے کتب شیعہ سے ثابت کیا ہے کہ بعد میں یہی عقائد شیعوں نے اختیار کئے اور انہیں بنیادی حیثیت دی۔

اس جگہ یہ امر بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جو اعتراضات کئے گئے اور آج تک انہیں اچھالا جاتا ہے ان کی حیثیت معاندانہ اور مخالفانہ پروپیگنڈے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، علماء اسلام نے ان کے تفصیلی جوابات دیئے ہیں۔(۱)

یہ بھی یاد رہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظمت وتقدس اور عدالت کا عقیدہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، تاریخ کی کتابوں سے اگر ایسا مواد ملے جو صحابۂ کرام کی عدالت اور ثقاہت کے خلاف ہو تو وہ ہرگز لائق التفاق نہیں ہے، قرآن وحدیث کے مقابلے میں تاریخ کی کتابوں کی کیا حیثیت ہے؟

امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

یَاعُثْمَانُ اِنَّ اللّٰہَ مُقَمِّصُکَ قَمِیْصًا فَاِنْ اَرَادَکَ الْمُنَافِقُوْنَ عَلٰی خَلْعِہٖ فَلَا تَخْلَعْہُ ۔(۲)

”اے عثمان! بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا، پھر اگر منافقین تم سے اُس کے اتارنے کا مطالبہ کریں تو نہ اتارنا۔“

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے ❶ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم، ❷ ازالۃ الخفاء از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ❸ تحفہ اثنا عشریہ از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ❹ تحفۂ شیعہ از مولانا نور بخش توکلی، ❺ الصواعق المحرقہ، علامہ ابن حجر مکی، ❻ تحفہ حسینیہ از علامہ محمد اشرف سیالوی، ❼ نور بصیرت، حصہ دوم از میاں عبدالرشید کالم نگار نور بصیرت، نوائے وقت، اور ❽ الخلفاء الراشدون از عبدالوہاب النجار۔

(۲) ابن حجر مکی، علامہ: الصواعق المحرقہ ص ۱۰۹

یہ حدیث حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی برحق خلافت کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس میں خلافت کو قمیص سے تعبیر فرمایا گیا ہے اور اس کے پہنانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ حق پر تھے اور آپ کو معزول کرنے کی کوشش کرنے والے عبداللہ بن سبا اور اس کے ہمنوا منافق تھے۔

آخر میں ایک حدیث پیش کر کے اس گفتگو کو ختم کرتا ہوں، علامہ سیوطی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے محاصرے کے دنوں میں حضرت عثمان غنی سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا: میں نے اس کھڑکی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے فرمایا: اے عثمان! بلوائیوں نے تمہیں محصور کر دیا ہے؟ عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: تمہیں پیاس میں مبتلا کر دیا ہے؟ عرض کیا: جی ہاں، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ڈول لٹکایا جس میں پانی تھا، میں نے جی بھر کر پانی پیا، یہاں تک کہ میں اس کی ٹھنڈک اپنے پستانوں اور کندھوں کے درمیان محسوس کر رہا ہوں، پھر فرمایا: اگر چاہو تو ان کے خلاف تمہاری امداد کی جائے، اور اگر چاہو تو ہمارے پاس افطار کرو، میں نے آپ کے پاس افطار کرنے کو پسند کیا، حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی اسی دن شہید کر دئے گئے، علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں اور دیگر محدثین نے بیان کی ہے، (۱) چونکہ وہ پانی اس جہان کا نہ تھا اس لئے اس کے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹا۔

اس کے بعد امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حقانیت اور صداقت میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جانا چاہیے۔

جَزَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنَّا وَعَنْ جَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرَ الْجَزَاءِ وَرَضِیَ عَنْہُ

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی کوئی بات نہیں

---

(۱) عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی، علامہ: الحاوی للفتاوی (طبع بیروت) ۲/۲۶۲

نوٹ:۔اہل سنت و جماعت شیعہ کی دیکھا دیکھی صرف سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد مناتے ہیں اور بہت سے خطباء تو محرم کا پورا مہینہ واقعاتِ شہادت بیان کرنے میں صرف کر دیتے ہیں، کوئی شک نہیں کہ باطل کے ساتھ ٹکرا جانا اور حق کی خاطر اپنا پورا خانوادہ شہید کروا دینا امام عالی مقام کا عظیم کارنامہ ہے، لیکن کبھی اس پر بھی غور کیا؟

(۱) امام عالی مقام نے یزید کے خلاف اتنا بڑا اسٹینڈ کیوں لیا؟ وہ مقاصد کیا تھے جن کی خاطر آپ نے اتنی بڑی قربانی دی؟ محض داستان گوئی کے طور پر واقعات بیان کر دینا کہ فلاں تاریخ کو مدینہ منورہ سے چلے فلاں تاریخ کو مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے، فلاں تاریخ کو شہید ہوئے کسی طرح بھی کافی نہیں ہے۔

(۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم الشان شہادت پر وہ اتنا اہتمام نہیں کیا جاتا آخر کیوں؟ وہ پورے عالم اسلام کے با اختیار حکمران تھے اور مدینہ طیبہ کی خاک پاک اور کلمہ پڑھنے والوں کے خون کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی کارروائی نہ کی اور خود مرکزِ اسلام میں جامِ شہادت نوش کر لیا، اس شہادت کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

(تحریر: ۱۱ر ذوالحجہ مطابق ۱۱ رمئی ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء)



ضرورتِ ایمان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (۱۷۰/۴)

اے لوگو! تمہارے پاس رسول، حق لے کر تمہارے ربّ کی طرف سے آیا، تو تم ایمان لاؤ! اپنی بھلائی کے لئے اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔

یہ آیت ایک اہم ترین تکلیفی حکم پر مشتمل ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے کسی بھی خطے میں پائے جانے والے ہر زمانے کے تمام انسانوں کو خطاب فرمایا ہے، اور وہ حکم یہ ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لایا جائے، اور صدق دل سے مانا جائے کہ ہر نفع اور نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے، کائنات کے جملہ اسباب کا پیدا کرنے والا وہی ہے، اسی نے تمام اشیاء کی طبیعتیں اور ان کے اثرات پیدا کئے ہیں، اسی نے ہر شے کو خلعت وجود عطا فرمائی ہے اور اسی نے ہدایت دی، اور قطعی اور یقینی آنے والے دن میں وہی تمام انسانوں کو جمع فرمائے گا، پھر ایک گروہ جنت میں جائے گا اور دوسرا دوزخ میں۔

اس تکلیف سے چند لوگ مستثنیٰ ہیں:

۱۔ چھوٹا بچہ جسے کچھ سمجھ بوجھ نہیں ہے۔

۲۔ پاگل، جس کا عقل و دانش سے کوئی واسطہ نہیں۔

۳۔ ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والا انسان جس میں دین کا نام اور پیغام ہی نہیں سنا

گیا اور اسے کوئی ہادیٔ و راہنما نہیں ملا۔

ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ صادق آتا ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (۱۷/۱۵)

''ہم عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ رسول بھیجتے ہیں۔''

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس ہمہ گیر تکلیف میں کیا حکمت ہے؟ اور کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ خالق و مالک جل مجدہٗ کو اس بات کی کیا حاجت ہے؟ کہ بندے اس سے محبت کریں اور اس پر ایمان لا کر اس کے فرماں بردار بنیں، اور اگر بندے ایسا نہ کریں تو اسے کیا نقصان ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کا مقصد، اللہ تعالیٰ کو فائدہ پہنچانا نہیں ہے، لہٰذا یہ پوچھنا ہی صحیح نہیں ہے کہ ایسا کرنے سے اسے کیا فائدہ؟ اور نہ کرنے سے اس کا کیا نقصان؟ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا فائدہ اور کفر کا نقصان خود انسان کو پہنچتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان پیدائشی طور پر کچھ صفات اور طبعی خصوصیات کا حامل ہے جن کے بغیر اسے چارہ نہیں، تاکہ وہ کائنات کی تعمیر اور تسخیر کر سکے اور اس سے استفادہ کرے مثلاً اسے صفت عقل دی گئی ہے جس کے آثار میں سے علم و ادراک ہے، اسے انانیت دی گئی ہے جس کا نتیجہ ذاتی ملکیت اور اپنی شخصیت سے محبت ہے، اسے طاقت دی گئی جس کا تقاضا ہے کہ اسے تسلط حاصل ہو اور جاہ و حشمت ملے۔

یہ اوصاف تعمیر کائنات میں اپنا قابل قدر اور عالم انسانیت کے لئے وجہ سعادت بننے والا کردار اسی وقت ادا کر سکتے ہیں جب ان پر ایک زبردست طاقت کا پہرہ ہو اور ان اوصاف کے مالک کو اس طاقت کے پہرے کا احساس اور شعور ہو۔

اگر ان اوصاف اور طبعی خواص کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ خیر و سعادت کا

سبب کم بنیں گے اور شر وشقاوت کا باعث زیادہ بنیں گے مثلاً صفت علم وعقل، انسانی زندگی اور شرافت کے شکار کرنے کا ذریعہ بن جائے گی اسی طرح طاقت اور اس کے اسباب ایک خوفناک آندھی بن جائیں گے جو انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کردے گی، ایک طرف کمزور ہوں گے جو غلاموں کی حیثیت اختیار کر جائیں گے اور دوسری طرف طاقت ور ہوں گے جو خدا بن بیٹھیں گے۔

ان صفات کے ہر قسم کی قید وبند سے آزاد ہونے کا منطقی نتیجہ انسان کی سرکشی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے وہ اس حقیقت کو بھول جاتا ہے کہ میرا ہر قول وفعل ایک زبردست طاقت کے سامنے ہے اور اس نے ناپسندیدہ اوصاف وافعال پر شدید قسم کی سزائیں تیار کر رکھی ہیں، اس غفلت کے عالم میں وہ اپنی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے اور جو اس کے جی میں آتا ہے کرتا ہے۔

اس مادر پدر آزادی کا نتیجہ انسانیت کی تذلیل کی صورت میں نکلتا ہے اور ایک انسان دوسرے انسان کی پرستش کرنے لگتا ہے، کیونکہ یہ صفات جب ہر قسم کی پابندی سے آزاد ہوتی ہیں تو انسان زندگی کے میدان میں دوسروں کو پچھاڑنے کی فکر میں لگ جاتا ہے، لہٰذا جن کے پاس قوت وطاقت اور چھا جانے کے وسائل ہوتے ہیں، وہ بلند وبرتر قرار پاتے ہیں اور عوام الناس ان کے ماتحت ٹھہرتے ہیں، پھر ذلت اور مجبوری کے مارے ہوئے انسان پستی کی اُس گہرائی تک پہنچ جاتے ہیں کہ وہ پجاریوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ ان کے ذہن میں خالق ومالک اور قادر وتوانا ذات کا کوئی تصور نہیں ہوتا، جس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ مخلوقات میں جو چاہے فیصلہ کرے اور اس کے حکم اور فیصلے کو کوئی رد نہیں کرسکتا۔

اگر ان پرستش کرنے والوں اور ان خود ساختہ معبودوں کو معبود برحق کے وجود کا علم ہو، اس کے فرامین پر ایمان لائیں اور اس کے رسولوں کی تصدیق کریں تو سرکشی اور تمرد کے

پیکر اپنی فرعونیت سے باز آجائیں اور اپنے جیسے انسانوں کی غلامی میں جکڑے ہوئے انسان، غلامی کی لعنت سے نجات پا جائیں۔

فرعون نے اپنے کفر کے سبب اپنی رعایا پر اس حد تک جبر و تشدد مسلط کر دیا کہ انہیں ذلیل غلام بنالیا، یہاں تک کہ اس کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنے جادوگری کے کمال کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّالَنَحْنُ الْغَالِبُوْنَ

''فرعون کی عزت کی قسم! بے شک ہم ہی غالب ہوں گے۔''

فرعون کی غلامی ان کے حواس پر اس حد تک چھا چکی تھی کہ وہ اپنی ذات ہی کا انکار کر بیٹھے اور انہوں نے ہر کامیابی اور غلبے کو فرعون کی عزت وحکومت سے وابستہ کر دیا۔

لیکن جب ان جادوگروں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان جلوہ گر ہوا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہی نفع وضرر اور موت وحیات کا مالک ہے تو ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا، کمزوری، طاقت بن گئی اور وہ اپنے جیسے انسان کی عبودیت کی قیدوبند سے رہا ہو گئے اور انہوں نے تمام تر عظمت وشوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرعون کی دھمکیوں اور وعیدوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور اعلان کر دیا

لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَاجَاءَ نَامِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَافَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَااِنَّا آمَنَّابِرَبِّنَالِيَغْفِرَلَنَا خَطٰيٰنَاوَمَا اَكْرَهْتَنَاعَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى۔

(۲۰/۷۳)

ہم تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے اُن نشانیوں پر جو ہمارے پاس آ چکی ہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا تو جو چاہتا ہے کر لے۔ تو صرف اسی دنیاوی زندگی میں ہی کرے گا۔ بے شک ہم اپنے رب پر

ایمان لے آئے تا کہ ہمیں بخش دے ہماری خطائیں اور وہ جادو جس پر تو
نے ہمیں مجبور کیا اور اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی ضرورت یہ ہے کہ انسان اپنے جیسے انسانوں کی عبودیت سے چھٹکارا پالے اور سب کے سب اللہ تعالیٰ کی عبودیت مطلقہ میں داخل ہو جائیں ـــــــ انسان کے لئے عبودیت اور ذلت کی دلدل سے رہائی پانے کی صرف اور صرف یہ صورت ہے کہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور بندگی میں داخل ہو جائے۔



توحید اور شرک

نحمدهٗ ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم وعلی آله واصحابه اجمعین

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ عقیدہ عقائد اسلام میں ریڑھ کی حیثیت رکھتا ہے تو بے جا نہ ہوگا، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور سید الانبیاء محمد مصطفےٰ ﷺ تک جتنے انبیاء کرام تشریف لائے سب نے بیک زبان شرک سے بچنے کی تلقین کی اور توحید کا درس دیا، ہمارے علماء اور خطباء کو چاہیے کہ اس موضوع پر خصوصی توجہ دیں، عوام اور سامعین کو بتائیں کہ توحید کیا ہے؟ اور شرک کیا ہے؟ چونکہ اشیاء اپنی ضدوں کے ذریعے پہچانی جاتی ہیں، اس لئے شرک کی شناخت ضروری ہے تاکہ اس سے بچا جائے اور اس لئے بھی اس کا پہچاننا ضروری ہے کہ اس کے مقابل توحید کو پہچانا جا سکے۔

توحید کے دو معنی ہیں: (۱) لغوی۔ (۲) اصطلاحی۔

لغت میں اس کا معنی ہے یہ حکم کرنا کہ شے واحد ہے یا یہ جاننا کہ شے واحد ہے، اصطلاح شریعت میں اس کا معنی ہے:

اثباتُ الوحدانیةِ للذّات الصَّمَدَانِیَّةِ۔(۱)

''بے نیاز ذات کے لیے وحدانیت کا ثابت کرنا۔''

بعض حضرات نے کہا شرعاً توحید کا یہ معنی ہے:

اِفْرَادُ الْمَعْبُوْدِ بِالْعِبَادَةِ مَعَ اعْتِقَادِ وَحْدَتِهٖ ذَاتاً وَّصِفَةً وَّفِعْلاً۔(۲)

۱۔ علی بن سلطان محمد القاری: ضوء المعالی علی منظومة بدء المعالی، ص ۱۱

۲۔ ایضاً: ص ۱۱

صرف ایک معبود کی عبادت کرنا اور ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ذات کے اعتبار سے بھی واحد ہے، صفت اور فعل کے لحاظ سے بھی واحد ہے۔

یہ معنی پہلے معنی کو لازم ہے۔ کیونکہ وحدانیت کے ثابت کرنے میں تینوں چیزیں آ جاتی ہیں، اسے ذات، صفات اور افعال کے اعتبار سے واحد مانا جائے، یعنی یہ مانا جائے کہ اس کی ذات جیسی کوئی ذات نہیں، اس کی صفات جیسی کسی کی صفات نہیں اور اس کے افعال جیسے کسی کے افعال نہیں اور جب ہر اعتبار سے اس کے لئے وحدانیت ثابت ہوگی تو پھر عبادت بھی صرف اسی کی ہوگی اس کے علاوہ کوئی موجود بھی مستحق عبادت نہیں ہوگا۔

جب توحید یہ ہے تو شرک کی چند قسمیں ہوں گی:

۱۔ کسی کو ذاتِ واجب الوجود صانعِ عالم کی مثل مانا جائے، مثلاً مجوسی اور ثنویہ دو خالق مانتے تھے، ایک خالقِ خیر اُسے ''یزداں'' کہتے تھے، دوسرا خالقِ شر اُسے ''اہرمن'' کہتے تھے۔

۲۔ کسی کو مستحق عبادت ہونے میں اللہ تعالیٰ کا شریک مانا جائے اور اسے الٰہ کہا جائے، جیسے کہ عرب کے مشرکین اللہ تعالیٰ کو خالق ماننے کے باوجود بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (لقمان:۲۱/۲۵)

''اور اگر آپ اُن سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو کہیں گے اللہ نے۔''

اس کے باوجود وہ کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی (الزمر:۳۹/۳)

''ہم ان بتوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔''

۳۔ صفت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا جائے، جیسے مجسمہ اللہ تعالیٰ کو صورت، جسمیت، عرش پر متمکن ہونے کے ساتھ موصوف کرتے تھے، ان صفات میں اللہ تعالیٰ اور انسان کو شریک کرتے تھے، مثلاً مجسمہ کے ایک عالم سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان اوّل پر کس طرح نزول فرماتا ہے؟ تو وہ کرسی سے اتر کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا: اس طرح جیسے میں کرسی سے اترا ہوں، یہ واقعہ ابن تیمیہ کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ (الشوریٰ:۴۲/۱۱)

''اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شے نہیں ہے۔''

باندازِ دگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ توحید کی چند قسمیں ہیں:۔

۱۔توحید اُلوہیت: صرف اللہ تعالیٰ کو الٰہ مانا جائے، اس کے علاوہ کسی کو الٰہ نہ مانا جائے نہ کہا جائے۔

۲۔توحید عبودیت: صرف اسی کی عبادت کی جائے، کسی اور کی عبادت نہ کی جائے۔

۳۔توحید ربوبیت: صرف اسی کو رب مانا جائے، کسی دوسرے کو رب نہ مانا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں ارشاد فرمایا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اس میں توحید اُلوہیت کا ذکر ہے، رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس میں توحید ربوبیت کا ذکر ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں توحید عبودیت کا ذکر ہے، مشرکینِ عرب اللہ تعالیٰ کو ربّ تو مانتے تھے، لیکن عبادت بتوں کی بھی کرتے تھے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی ''شرح عقائد'' میں ایک سوال اٹھا کر اس کا جواب دیتے ہیں، سوال و جواب درج ذیل ہیں:

سوال معتزلہ بندے کو اپنے افعال اختیاریہ کا خالق مانتے ہیں، لہٰذا انہیں موحد نہیں بلکہ مشرک کہنا چاہیے۔

جواب شرک یہ ہے کہ کسی کو اُلوہیت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جائے، الوہیت کا ایک معنی واجب الوجود ہونا ہے، مجوسی دو واجب الوجود مانتے تھے۔ الوہیت کا دوسرا معنی مستحق عبادت ہونا ہے، بت پرست بتوں کو عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے تھے، معتزلہ کو اس لئے مشرک نہیں کہا جاتا کہ وہ اگرچہ بندے کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں، لیکن وہ بندے کو اللہ تعالیٰ جیسا خالق نہیں مانتے، کیونکہ اُن کے نزدیک بندہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اسباب اور آلات کا محتاج ہے۔ البتہ ماوراء النہر کے مشائخ انہیں مجوسیوں سے بھی بدتر مشرک قرار دیتے ہیں، کیونکہ مجوسی ایک شریک مانتے ہیں، جب کہ معتزلہ بے شمار شریک مانتے ہیں۔ (۱)

قرآن پاک میں توحید کی دلیل اس آیت میں بیان کی گئی ہے:

لَوْ کَانَ فِیْھِمَا آلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:۲۱/۲۲)

''اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا متعدد الٰہ ہوتے تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے۔''

اس دلیل کو علماء متکلمین ''برہان تمانع'' کا نام دیتے ہیں، علامہ سعدالدین تفتازانی نے کہا کہ یہ حجتِ اقناعیہ ہے اور ملازمہ قطعیہ نہیں بلکہ عادیہ ہے، لیکن محققین امام غزالی، ابن ہمام، علامہ بیضاوی اور فاضل خیالی نے اسے حجت قطعیہ قرار دیا ہے۔

دعویٰ یہ ہے کہ کائنات کا صانع ایک ہے، کیونکہ واجب الوجود کا مفہوم صرف ایک ایسی ذات پر صادق آتا ہے جو متعدد صفات سے موصوف ہے، جیسے کہ اس آیت کریمہ سے مستفاد ہے:

لَوْ کَانَ فِیْھِمَا آلِھَۃٌ (الآیہ)

۱۔ مسعود بن عمر تفتازانی، علامہ: شرح عقائد (مطبع شوکۃ الاسلام) ص ۶۱

برہان تمانع کی تقریر یہ ہے کہ اگر دو الہ ممکن ہوں تو ان کے درمیان تمانع ممکن ہوگا اور وہ اس طرح کہ ان دونوں میں سے ایک زید کے سکون کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کی حرکت کا ارادہ کرے، یہ تمانع اس لئے ممکن ہوگا کہ ان (حرکت وسکون) میں سے ہر ایک ممکن ہے اور ہر ایک کے ساتھ ارادے کا تعلق بھی فی نفسہ ممکن ہے، کیونکہ تضاد دو ارادوں میں نہیں بلکہ دو مرادوں میں ہے، اب یا تو دونوں امر متحقق ہوں گے اس صورت میں اجتماع ضدین لازم آئے گا یا صرف ایک متحقق ہوگا تو اس الہ کا عجز لازم آئے گا جس کی مراد پوری نہیں ہوئی اور عجز حادث اور ممکن ہونے کی علامت ہے، کیونکہ اس میں احتیاج کا شائبہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ تعدد صانع کو امکان تمانع لازم ہے اور امکان تمانع کو محال لازم ہے۔ ماننا پڑے گا کہ تعدد صانع محال ہے اور یہی ہمارا مدعا ہے کہ کائنات کا صانع صرف ایک ہے اور اس میں اثر کرنے والی ہستی ایک ہی ہے۔

بالفاظِ دگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اگر دو صانع ہوں تو ان میں سے ایک دوسرے کی مخالفت پر قادر ہے یا نہیں، اگر قادر ہے تو دوسرا عاجز ہوگا اور اگر قادر نہیں تو پہلا عاجز ہوا اور عاجز واجب الوجود بالذات نہیں ہوسکتا۔(۱)

یاد رہے کہ اہل لغت کے نزدیک ''لَوْ'' کی وضع انتفاءِ ثانی کے لئے ہے بسبب انتفاء اول، جب کہ بعض اوقات انتفاءِ جزا سے انتفاءِ شرط پر استدلال کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اس آیت کریمہ میں کلمۂ لو دوسرے مطلب کے طور پر آیا ہے۔(۲) جیسے کہ مناطقہ کہتے ہیں۔

علامہ بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیہ کریمہ: ''فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا (البقرہ:۲/۲۲) کی تفسیر میں ایک سوال قائم کرکے اس کا جواب دیا ہے۔

۱۔ حاشیہ بعض محققین: تحفۃ الاعالی علی ضوء المعالی، ص:۱۴۔۱۳

۲۔ ایضاً: ص:۱۴

سوال انداد جمع ہے نِـــدّ کی اور اس کا معنی ہے وہ مخالف جو ذات میں مماثل ہو، اور افعال میں مخالف مشرکین اللہ تعالیٰ کے ماسوا جن مخلوقات کی عبادت کرتے تھے، ان کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ وہ ذات وصفات میں اللہ تعالیٰ کے مساوی ہیں اور نہ یہ عقیدہ تھا کہ وہ افعال میں اللہ تعالیٰ کے مخالف ہیں، پھر انہیں انداد کیوں کہا گیا؟

جواب چونکہ مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی عبادت شروع کر دی تھی اور ان کو الٰہ بھی کہتے تھے، اس لئے ان کا حال ان لوگوں کے مشابہ تھا جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بُت واجب بالذات ہیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کر سکتے ہیں اور اُن کو وہ خیر اور بھلائی دے سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کو دینا نہیں چاہتا، یہ وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تشنیع فرمائی کہ وہ اس ہستی کا مد مقابل مانتے ہیں جس کا کوئی بھی مد مقابل نہیں ہو سکتا۔(۱)

حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں میں فرماتے ہیں کہ الوہیت کا دار و مدار غیب جاننے، عالم میں تصرف کرنے، شفا دینے، بیٹا دینے، دور سے سننے اور دیکھنے اور حاضر و ناظر ہونے پر نہیں ہے، انہوں نے اپنے اس دعوے کو قرآن پاک کی آیات سے ثابت کیا ہے۔ پھر اُلوہیت کا مدار کس بات پر ہے؟ مفتی صاحب کے الفاظ میں پڑھیے:

> جو چیز بندہ اور الٰہ میں فرق کرے، جس کی بنا پر بندہ بندہ ہوا اور الٰہ الٰہ وہ ایک چیز ہے، یعنی غنا اور بے نیازی، بندہ وہ ہے جو نیاز مند ہو، اس کی ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہو، اس کی صفات اور وہ خود دوسرے کے قبضہ میں ہو۔(۲)

۱۔ عبداللہ بن عمر بیضاوی، علامہ: تفسیر بیضاوی (کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند) ص ۴۳۔۴۲

۲۔ احمد یار خاں نعیمی، مفتی: اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں، ۱۳۔۱۴

حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے یعنی اس کا وجود ضروری ہے۔ وہ اپنی ذات میں کسی کا محتاج ہے نہ صفات میں، اسی طرح وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج ہے نہ اپنے افعال میں، ہر موجود اپنے وجود اور بقا میں اُسی کا محتاج ہے۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مکہ کے مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں مانتے تھے، وہ صرف اس لئے مشرک ہوئے تھے کہ اپنے معبودوں کو غائبانہ پکارتے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے۔

ایک دوسری آیت کی تلاوت کیجئے، مشرکین کے بارے میں ارشاد ہے:

اس سلسلے میں اولاً گزارش یہ ہے کہ قرآن پاک گواہ ہے کہ مشرکین غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے تھے، ارشاد ربانی ہے:

ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۔ (الانعام:٦/١)

پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

نیز دیکھئے سورۂ الانعام ٦/١٥١)

دوسری جگہ کفار کا مقولہ نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(الشعراء:٢٦/ ٩٨۔٩٧)

اللہ کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے۔ جب کہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر قرار دیتے تھے۔

ان آیات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ مشرکین اپنے معبودان باطلہ کو اللہ تعالیٰ کے برابر مانتے تھے، عام ازیں کہ وہ انہیں واجب الوجود ہونے میں اللہ تعالیٰ کے برابر مانتے تھے یا مستحقِ عبادت ہونے میں، حقیقت یہ ہے کہ مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک ہی نہیں مانتے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقابل ان کے ساتھ ترجیحی سلوک

بھی کرتے تھے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا

هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ

فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ

سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الانعام ۶/ ۱۳۷)

اور اللہ نے جو کھیتی اور چار پائے پیدا فرمائے ان میں اللہ کا ایک حصہ مقرر کیا اور بولے یہ اللہ کا ہے ان کے گمان میں اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے تو جو ان کے شریکوں کا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا اور جو اللہ کا ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا ہے، بہت ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

مشرکین کی عقل کے دیوالیہ پن کا یہ عالم تھا کہ زمین کی پیداوار اور جانوروں میں ایک حصہ اللہ تعالیٰ کا اور ایک اپنے بتوں کا مقرر کرتے تھے، مسلمانوں میں سے کوئی شخص اس جسارت کا مرتکب نہیں ہوتا، کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور یہ انبیاء اور اولیاء کے لئے، مسلمان جو صدقہ خیرات دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیتے ہیں اور اس کا ثواب انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء امت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روح کو پہنچاتے ہیں۔

مشرکین کی دوسری جہالت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کئے ہوئے مال کا کچھ حصہ بتوں کے حصے کی طرف چلا جاتا تو کہتے کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ کھانے پینے اور بیوی بچے سے پاک ہے، لیکن وہ اس بات کو برداشت نہیں کرتے تھے کہ بتوں کے حصے کے مال میں سے کچھ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلا جائے یعنی واضح طور پر بتوں کو ترجیح دیتے تھے،

مسلمان اس قبیح حرکت کے کبھی مرتکب نہیں ہو سکتے۔

حال ہی میں اخبارات میں یہ اشتہار شائع ہوتا رہا:

''قربانی اللہ کے لئے اور کھال شوکت خانم کے لئے۔''

نیت کا حال تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے، لیکن ظاہری الفاظ مشرکین کے مقولے سے ملتے جلتے ہیں، وہ کہتے تھے۔

''یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شرکاء کے لئے۔''

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کس کا مقابلہ ہو سکتا ہے؟ کسی نبی، ولی جن اور فرشتے کا مقابلہ نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مسلمان کو کرنا چاہیے، پھر کسی دوسرے شخص یا ادار تذکرہ ہی کیا ہے؟ افسوس اس بات کا ہے کہ توحید کی رٹ لگانے والوں میں کسی نے اس کا نوٹس نہیں لیا۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (العنکبوت:۲۹/۶۵)

پس جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں اس کے لئے دین کو خالص کرتے ہوئے، پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت کے لوگ کشتی میں سفر کرتے وقت اپنے بتوں کو ساتھ لے جاتے تھے، جب ہوائے مخالف چلتی اور انہیں ڈوبنے کا خطرہ نظر آتا تو بتوں کو دریا میں پھینک کر یارب یارب کا وظیفہ کرنے لگتے، جب بخیریت خشکی پر اتر جاتے تو پھر بتوں کی عبادت کرنے لگ جاتے (خزائن العرفان) جب کہ اہل ایمان نبی اکرم ﷺ اور اولیاء کرام کی عبادت نہیں کرتے، ان کا وسیلہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتے ہیں اس لئے انہیں کسی وقت بھی بحرو بر اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ اور اولیاء کرام سے دست بردار ہونے کی ضرورت نہیں

پڑتی۔

گفتگو طویل ہوگئی، بات یہ چل رہی تھی کہ مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ کو اللہ تعالیٰ کے برابر مانتے تھے، اہل ایمان ومحبت کسی نبی اور ولی کو اللہ تعالیٰ کے برابر مانتے ہیں اور نہ ہی ان کی عبادت کرتے ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان انبیاء واولیاء سے مدد مانگتے ہیں تو بھی ان کو مستقل مشکل کشا، حاجت روا اور فریاد رس نہیں مانتے، بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر مانتے ہیں، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

(ترجمہ): اگر استعانت محض اللہ تعالیٰ سے ہے اور مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر جانا جائے تو یہ راہِ عرفان سے دور نہیں، یہ استعانت شریعت میں جائز ہے اور انبیاء کرام اور اولیاء عظام اس قسم کی استعانت مخلوق سے کرتے رہے ہیں۔

یاد رہے کہ ایک توحید رحمانی ہے اور ایک شیطانی، رحمانی توحید وہ ہے جو تمام اہل اسلام کو اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی بارگاہ سے ملی، صحابۂ کرام نے دل و جان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی محبت و تعظیم کو اپنایا، حضور اقدس ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت جانا اور آپ کی تعظیم واطاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، واقعی ایک بندۂ مومن کی یہی شان ہونی چاہیے۔

دورِ جاہلیت کے موحِد زید بن عَمرو بن نُفیل نے کیا خوب کہا ہے؟

اَرَبًّا وَّاحِدًا اَمْ اَلْفَ رَبٍّ

اَدِیْنُ اِذَا تَقَسَّمَتِ الْاُمُوْرُ

جب معاملات مختلف ہو جائیں تو ایک رب کا حکم مانوں یا ہزار رب کا؟
مطلب یہ ہے کہ میں ہزاروں خداؤں کا حکم نہیں مان سکتا اس لئے میں تو صرف ایک ہی خدا کا حکم مانوں گا۔

اقبال کہتے ہیں:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

یقیناً اسی میں ہماری کامیابی ہے کہ ہم ایک رب کو مانیں، اسی کی اطاعت کریں، اسی سے اپنی امیدیں وابستہ کریں، اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ کے نقش قدم پر چلیں، اس کے برعکس ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرائض اور واجبات پر عمل پیرا نہیں، نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات اور سنتوں کو ہم نے فراموش کر رکھا ہے، ہم اپنی معاشی ضروریات پوری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بجائے امریکہ کی طرف نگاہیں لگائے بیٹھے ہیں، ہندو بنیا برہمن نے اپنی فوجیں ہماری سرحدوں پر جمع کر رکھی ہیں اور ہم ہندوؤں کا تہوار ''جشن بہاراں'' کے نام سے منا رہے ہیں، ایسے عالم میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے ہم پر کیسے کھلیں گے؟ ہمیں امن وسکون، چین اور اطمینان کیسے حاصل ہوگا؟ اور ہم وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (تم ہی سربلند ہو) کی خوشخبری کے کیسے مستحق ہوں گے؟

شیطانی توحید یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کو مانتا ہوں کسی اور کو نہیں مانتا، دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ اگر کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کو نہیں مانتا تو اللہ تعالیٰ کو کیسے مانے گا؟ اللہ تعالیٰ کی معرفت تو آپ ہی نے عطا کی، یا کوئی شخص کہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی تعظیم کروں گا اور کسی کی تعظیم نہیں کروں گا۔ اگر یہی توحید ہے تو قرآن پاک کے حکم وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ (ہمارے حبیب کی تعظیم وتوقیر کرو) کو کس خانے میں رکھا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ تو ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان (مقام ابراہیم) کی تعظیم اور اسے قبلہ بنانے کا حکم دے اور ہم اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعظیم ہی کے لئے تیار نہ ہوں تو یہ کیسی توحید ہے؟ اور ہم کیسے مسلمان ہیں؟

پیش نظر مقالہ جس کے مقدمہ کے طور پر فقیر نے یہ چند کلمات تحریر کئے ہیں عظیم

علمی خانوادے کے چشم و چراغ، علوم قدیمہ وجدیدہ کے جامع پروفیسر صاحبزادہ محمد ظفر الحق بندیالوی اعلی اللہ تعالیٰ درجاتہٗ نے تحریر کیا ہے، اس کا عنوان ہے: ''توحید اور شرک کی حقیقت۔''

اس موضوع پر انہوں نے تفصیلی گفتگو کی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ اسے باعثِ تسکین وتشفی پائیں گے، فقیر نے پراگندہ خاطری کے باوجود چند سطور سپردِ قلم کی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انہیں شرف قبولیت عطا فرمائے۔

تحریر: ۲۴ر ذوالحجہ مطابق ۹ر مارچ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء



راہِ اتحاد

ہمیں اتحاد بین المسلمین کی ضرورت اوراس کی حکمت بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ہمیں ان عظیم فوائد کا علم ہے جو ملت اسلامیہ کے اتحادواتفاق کے وقت حاصل تھے اور وہ خوفناک مصائب وآلام بھی ہمارے پیش نظر ہیں جو اتحاد کے پارہ پارہ ہونے کے بعد امتِ مسلمہ کو اٹھانے پڑے۔

آیئے غور کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتحاد کا کیا طریقہ بتایا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔ (۱۰۳/۳)

تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو تھام لو اور گروہوں میں نہ بٹ جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی تو تم اس کے احسان سے بھائی بھائی بن گئے۔

قرآنِ کریم کی یہ عظیم آیت، اسلامی اجتماعیت کا اہم ترین حکم بیان کر رہی ہے اور وہ ہے باہمی اتحادواتفاق، اوراس کا بہترین راستہ بیان کر رہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نظام اور شریعت کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لینا اور اجتماعی طور پر اس پر عمل پیرا ہونا۔

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتحاد کا صرف ایک ہی راستہ کیوں ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ کی رسّی کو تھام لینا اوراس میں کیا حکمت ہے؟ کہ آیتِ کریمہ میں اسی کو سرفہرست بیان کیا گیا ہے۔

حکمت یہ ہے کہ ایک مرکزی ذات ہی مختلف قوموں کو اُن کے اختلافات ختم کر

کے ایک نقطے پر جمع کرسکتی ہے، اس کے لئے اس ذات پر غیر متزلزل یقین ہونا ضروری ہے اس ذات پر ایمان کی حد تک وثوق پہلے ہوگا اس کے بعد اتحاد کی راہ ہموار ہو سکے گی، جب تک مرکز سے متعلق مرکزی نقطہ دل کی گہرائی میں ثبت نہیں ہوگا اس وقت تک اتفاق واتحاد کا دائرہ مکمل نہیں ہوسکتا۔

آپ آزما کر دیکھ لیں آپ مختلف افکار اور رجحانات رکھنے والے لوگوں کی ایک ٹیم جمع کرلیں جن کے قبلے الگ الگ ہوں وابستگیاں جدا جدا ہوں پھر آپ انہیں لاکھ اتحاد کی دعوت دیں، انہیں افتراق اور انشقاق کے خطرات سے ڈرائیں کیا کوئی شخص آپ کی دعوت کو قبول کرلے گا؟ اور کیا آپ کی نصیحتوں کا کوئی اثر مرتب ہوگا؟ —— ہرگز نہیں۔

ایک اور تجربہ کیجئے! —— آپ ایک ایسی جماعت کو پند ونصیحت کا درس دیجئے جن کے عقائد وافکار میں کوئی تصادم نہیں ہے —— لیکن ان کا کسی مرکزی نقطے کے ساتھ تعلق بھی نہیں ہے —— ایسی جماعت کو اتفاق واتحاد کی دعوت دینا ایسے ہی ہے جیسے یہ کوشش کرنا کہ زمین پر بہتا ہوا پانی بغیر کسی حوض کے ایک جگہ جمع کرلیا جائے۔

اگر رحمتِ عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے قبیلۂ اوس اور خزرج کے دلوں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان، اور اپنی سنت وسیرت کی پیروی کا جذبہ راسخ کرنے سے پہلے انہیں باہمی محبت، الفت اور اخوت کی دعوت دیتے تو آپ کی دعوت، تمام تر تاثیر اور بلاغت کے باوجود فضاؤں میں تحلیل ہوکر رہ جاتی اور عرب، عرصۂ دراز سے چلی آنے والی خوں ریز معرکہ آرائیوں میں محو رہتے اور سننے تک کی زحمت بھی گوارا نہ کرتے۔

اگر پوری قوم ایک عقیدے اور ایک مرکز پر جمع نہ ہوتی تو مہاجرین اور انصار کبھی بھائی بھائی نہ بنتے اور مدینہ منورہ سے یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کا کبھی خاتمہ نہ ہوتا، وہ لوگ جو صدیوں سے ایک دوسرے سے برسرِ پیکار تھے اور ان کے درمیان جنگ کے شعلے کبھی سرد نہ ہوتے تھے، ان کے درمیان اتحاد ہی وہ قوت تھا جس کے مقابلے میں تمام مخالف قوتوں کو پسپا ہونا پڑا۔

کہنے دیجئے کہ اتحاد واتفاق کی عمارت کی اوّلین بنیاد ایک عقیدے اور ایک مرکز سے وابستگی ہی ہے، جب یہ بنیاد مکمل ہوگی تب ہی اس پر عمارت کھڑی کی جا سکے گی، اس عمارت کا بنیاد کے ساتھ وہی تعلق ہوگا جو منطقی نتائج کا مقدمات کے ساتھ ہوتا ہے، اگر یہ بنیاد فراہم نہ ہوسکی تو مختلف رجحانات، مفادات اور مختلف مسلکوں کی آندھیاں اتحاد کی عمارت کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں گی اور تمام افراد کو اٹھا کر مختلف سمتوں میں پھینک دیں گی۔

دیکھئے یہ حقیقت اس آیت کریمہ سے کس قدر واضح ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔(۱۵۳/۶)

اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو تم اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو، وہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گے، یہ تمہیں تاکیدی حکم دیا تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

ہوسکتا ہے کہ آپ کہیں کہ جب امت کے اتحاد کی بنیاد ایک ہی مرکز سے وابستگی ہے تو وہ کوئی بھی مرکز ہوسکتا ہے، یہ کیا ضروری ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق کو ہی مرکز قرار دیا جائے۔

ایک مبدأ اور ایک مرکز معین کیا ہے اور سب کو طوعاً وکرہاً اسی سے تعلق استوار کرنے کا حکم دیا ہے، اب اگر اس مرکز کو چھوڑ دیا جائے تو انسان کے خود ساختہ مراکز میں یقیناً بحث ونظر کی گنجایش ہوگی، کوئی بھی دانشور اور صاحبِ بصیرت ان مراکز کو رد کر کے ان جیسا یا ان سے بہتر مرکز پیش کر دے گا، لہٰذا انسان کا مقرر کردہ مرکز، اتحاد اور یک جہتی کا باعث بننے کی بجائے افتراق اور انتشار کا سبب بن جائے گا۔ آج اقوام عالم صرف اس لئے انتشار اور خلفشار کا شکار ہیں کہ ان کے بنیادی نظریات ایک دوسرے سے متصادم ہیں اور ان کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے جو انہیں ایک نقطے پر جمع کر سکے۔

ماننا پڑے گا کہ انسانیت کی فلاح و بہبود کا ضامن صرف اور صرف وہ راستہ ہے جو ربِ کائنات نے مقرر فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کو یاد کر پیارے

(پہلی قسط)

تُوبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ (القرآن)

مومنو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو

ہمارے زمانے میں مختلف لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں، حالانکہ ہر مسلمان اور ذی شعور کو راہِ اعتدال اور صراطِ مستقیم اختیار کرنا چاہیے اگرچہ آج صراطِ مستقیم کا تعیّن بھی دشوار ہو گیا ہے، ہر فرقہ یہی کہتا ہے کہ ہم ہی صراطِ مستقیم پر ہیں، لیکن اگر انسان قرآن و حدیث سے راہنمائی لے اور امت مسلمہ کے تسلسل اور ائمۂ دین کے دامن کو ہاتھوں میں تھامے رکھے اور نفس و شیطان کے اغواء سے بچارہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان صراطِ مستقیم سے بھٹک جائے۔

یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے آخری کتاب قرآن پاک نازل کی، اسے سمجھنا ہر کس وناکس کا کام نہیں ہے: **يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا** ۔ (اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو اس کے ذریعے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سے لوگوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔) قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں، قرآن پاک آپ ہی کے ذریعے ہمیں ملا، آپ ہی نے ہمیں بتایا کہ یہ قرآن اور کلام اللہ ہے اور آپ ہی نے ہمیں اس کے مطالب بیان کئے، ارشاد ربانی ہے: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ۔ تاکہ آپ لوگوں کے لئے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

پھر حدیث شریف کو بھی ہم براہِ راست نہیں سمجھ سکتے، کیونکہ احادیث کی مختلف

قسمیں ہیں، صحیح ہے، حسن ہے، ضعیف ہے، موضوع ہے، مُرسَل ہے، منقطع ہے اور معضل ہے، پھر تاریخ کے اعتبار سے کوئی پہلے ہے کوئی پیچھے ہے، یہ اور ایسی سینکڑوں بحثیں ہیں جنہیں ائمۂ مجتہدین ہی حل کر سکتے ہیں، پھر ائمۂ مجتہدین کے کلام کو سمجھنے کی بھی ہمیں صلاحیت نہیں اس کے لئے ہم محشی حضرات اور شارحین کے محتاج ہیں جو مجمل اقوال کی تفصیل کرنا جانتے ہیں، مختلف اقوال میں تطبیق اور ترجیح کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہم امام احمد رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان ''**حدائق بخشش**'' کلامِ اقبال اور کلامِ غالب از خود نہیں سمجھ سکتے، اس کے لئے ہمیں استاذ یا شرح کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، تو کیا قرآن پاک ہی معمولی کتاب ہے جسے ہر آدمی سمجھ سکتا ہے اور اسے سمجھانے والے کی ضرورت نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دعا مانگنے کا طریقہ سورۂ فاتحہ میں بتایا ہے جو ہر رکوع و سجود والی نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اس میں فرمایا: **صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا —— یہ وہی ائمۂ دین کا تسلسل ہے جن کا دامن تھامنا ہمارے لئے کامیابی اور سلامتی کی ضمانت ہے۔

ہمارے ہاں قانون کی پاسداری کا تصور بہت حد تک دھندلا گیا ہے، ٹریفک کے قواعد کا لحاظ نہ کرنا معمول بن چکا ہے، بڑے لوگ اور ان کے نوخیز بیٹے اشارہ کاٹنے کے عمل کو ہی اپنی برتری کا اظہار سمجھتے ہیں، پولیس والا کھڑا ہو تو اسے بھی خاطر میں نہیں لاتے، ہاں اگر اس کے پاس بھاری بھر کم موٹر سائیکل ہو تو اشارہ کاٹنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ انہیں احساس ہوتا ہے کہ یہ تعاقب کر کے ہمیں گرفتار کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ العظیم کا ہمیں اتنا بھی خوف نہیں ہوتا، کیونکہ وہ مالک کریم ہمیں فوراً اپنی گرفت میں نہیں لیتا، بلکہ ڈھیل دیتا ہے اور توبہ و استغفار کی مہلت دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ظلم کے سبب گرفت فرماتا تو زمین کی پشت پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑتا۔

ذرا غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جگانے اور ہوشیار کرنے کا کتنا اہتمام فرمایا ہے؟ لیکن ہم ہیں کہ بیدار ہونے کا نہیں لیتے، کیا ہمیں ہوش میں آنے کے لئے صورِ اسرافیل کا انتظار ہے؟

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے بار بار اپنی بڑائی اور عظمت و کبریائی کا اعلان کیا ہے، اذان میں چھ مرتبہ کلمۂ تکبیر (اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان) دہرایا جاتا ہے اور تین مرتبہ کلمۂ شہادت (**لاالہ الا اللہ**) بلند آواز سے پکارا جاتا ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور یکتائی کا ہی اعلان ہے۔ یہی حال تکبیر کا ہے۔

نماز کی چار رکعتوں میں بائیس مرتبہ **اللہ اکبر** (اللہ سب سے بڑا ہے) کہا جاتا ہے، تسبیح سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں چونتیس بار **اللہ اکبر** کہا جاتا ہے، یوں چوبیس گھنٹوں میں تقریباً چھ سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا ورد کیا جاتا ہے اور نعرہ لگایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہم اتنے بے حس ہیں کہ متوجہ ہی نہیں ہوتے اور عام معمول کی کاروائی سمجھ کر گزر جاتے ہیں، ربِ قہار و جبار کی عظمت و بڑائی کے اعلان کو اگر ہم گوشِ ہوش سے سنتے اور سنجیدگی سے لیتے تو ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا کم از کم اتنا خوف تو ہوتا کہ ہم حرام کام کرنے سے ہچکچاتے اور فرائض و واجبات ادا کرنے کے لئے پوری طرح مستعد ہوتے کیونکہ ہمیں اللہ قادر و قیوم دیکھ رہا ہے اور اس کے نافرمانوں کے لئے جہنم کی آگ پوری طرح بھڑک رہی ہے۔

موجودہ دور میں دو قسم کے طرزِ عمل ہمارے سامنے آتے ہیں جو افراط و تفریط کا شکار ہیں۔

❶ ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ اللہ کو مانو اور کسی کو نہ مانو ــــــــــ

یہ بھی کہتا ہے کہ نبی کی تعریف اتنی ہی کرو جتنی گاؤں کے ایک چودھری کی کی جاتی ہے بلکہ اس میں بھی تخفیف کرو۔

یہ کتنی بد قسمتی اور ستم ظریفی ہے کہ دنیا کا کوئی لیڈر آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس کے ماننے والے اس کی عظمتِ شان کے گھٹانے کی فکر میں ہوں، یہ تو چودھویں پندرہویں صدی کے امتی کا حوصلہ ہے جو اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت وجلالت کو کم کرنے کی سوچ رکھتا ہے، سچ کہا ہے امام اہل سنت شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے:

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے

یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

شیخ القرآن حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن سایۂ دیوار نے دیوار کو کہا کہ میں سورج کا عاشق ہوں اور اسے دیکھنا چاہتا ہوں تو درمیان سے ہٹ جا، دیوار نے کہا ہوش کے ناخن لے، میں اگر درمیان سے ہٹ گئی تو تیرا نام ونشان مٹ جائے گا۔

نبی اکرم تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سب سے اہم اور سب سے بڑا رابطہ ہیں اگر آپ کا رابطہ اور واسطہ درمیان میں نہ رہا تو ہمارا دین رہے گا اور نہ ایمان۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی ، جان ہے تو جہان ہے

(امام احمد رضا)

---

❷ دوسرا طبقہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مانتا ہے کلمۂ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دونوں جزؤں کو مانتا ہے اور اقرار بھی کرتا ہے، لیکن

جس قدر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہونی چاہیے اور جتنا تعلق رب کریم جل مجدہٗ کے ساتھ ہونا چاہیے وہ دکھائی نہیں دیتا، پہلا طبقہ اس معاملے میں افراط کا شکار ہے تو دوسرا طبقہ تفریط کا۔

چند مثالیں کسی معین شخص کا نام لئے بغیر پیش کرتا ہوں اور فیصلہ آپ کے دل وضمیر پر چھوڑتا ہوں کہ کیا ان لوگوں کا رویہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی پہلو سے بھی مستحسن ہے؟

❶ ایک صاحب نے مغرب کی نماز پڑھائی اور سلام پھیرنے کے بعد یوں دعا مانگی:

الصلوة والسلام عليك يا رسول الله

الصلوٰة والسلام عليك يا نبي الله

وعلى آلك واصحابك ياحبيب الله

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا يَاحَبِيْبَ اللّٰهِ اِسْمَعْ قَالَنَا

اِنَّنِیْ فِیْ بَحْرِهَمٍّ مُغْرَقٍ" خُذْيَدِیْ سَهِّلْ لَنَا اِشْكَالَنَا

اس کے بعد یہ درود شریف پڑھا اور منہ پر ہاتھ پھیر لئے۔

الصلوة والسلام عليك يا رسول الله

الصلوٰة والسلام عليك يا نبي الله

وعلى آلك واصحابك ياحبيب الله

راقم نے انہیں روک لیا اور کہا کہ علماءِ اہل سنت نے اس شعر "يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُنْظُرْ حَالَنَا" کے بارے میں یہی کہا تھا کہ یہ شرک اور کفر نہیں بلکہ جائز ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا ہی چھوڑ دیں۔

❷ ابھی دو ماہ پہلے ایک مجلّے میں ایک فاضل کا خطاب شائع ہوا جس کا عنوان تھا "ربّ کا وظیفہ" اس کے نیچے لکھا تھا کہ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی وظیفہ ہوتا ہے، میں نے رب کریم سے پوچھا کہ یا اللہ! تو کیا کرتا ہے؟ کیا تو بارش برساتا ہے؟ بے شک تو بارش برساتا ہے، لیکن یہ کام تو نے فرشتوں کے سپرد کر رکھا ہے، کیا تو سورج چڑھاتا ہے؟ یا سورج غروب

کرتا ہے؟ موت کے وقت روح قبض کرتا ہے؟ یہ سب کام تو نے فرشتوں کے سپرد کر رکھے ہیں، یا اللہ! تو کیا کرتا ہے؟ ربّ کریم نے فرمایا: میں نے سب کام فرشتوں کے سپرد کر دیئے ہیں اور خود فارغ ہو کر ایک ہی کام کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:

میں اپنے محبوب کی تعریف کرتا ہوں

کیا یہ کسی آیت کا ترجمہ ہے؟ یا کسی حدیث کا مطلب ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ (وہ ہر آن نئی شان میں ہے) اور خَالِقُ کُلِّ شَیْئٍ (وہ ہر چیز کا خالق ہے) کا کیا مطلب ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ہر شے عدم سے وجود میں آنے میں اللہ کریم کی محتاج ہے پھر باقی رہنے میں ہر لحہ میں اس کی محتاج ہے۔

ایک محفل میں راقم نے یہ اقتباس سامعین کو متوجہ کرنے کے لئے سنایا تو کئی سامعین کہنے لگے: سبحان اللہ! میں نے کہا: یہ سبحان اللہ کہنے کا مقام نہیں، یہ تو ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ'' کہنے کا مقام ہے۔

پھر اس فاضل نے خطابت کے مزید جوہر دکھاتے ہوئے کہا کہ اگر میں کہہ دوں کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ ہمارا ہم ذوق ہے تو کوئی حرج نہیں ہے —— کس کس بات کا تذکرہ کیا جائے؟

❸ ایک فاضل دانشور نے جو اس وقت بیرون ملک تبلیغ اسلام کے فرائض انجام دے رہے ہیں، اپنے مقالے میں لکھا کہ میں نے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی کتاب ''الفتح الربانی'' کا مطالعہ کیا تو انہوں نے کہیں ذکر الٰہی پر زور دیا ہے، کہیں ذکر و فکر کی اہمیت اجاگر کی ہے، کہیں خوف آخرت تازہ کیا ہے، مجھے تعجب ہوا کہ یہ کیا بات ہے کہ حضور غوث اعظم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان ہی نہیں کرتے دوسرے موضوعات پر ہی گفتگو کئے جا رہے ہیں، پھر میں نے چند صفحے پلٹے تو میرا دل خوش ہو گیا کہ

سیدنا غوث اعظم نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے ہوئے تھے۔

ایسے ہی رویئے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں'' بجائے اس کے کہ ہم اپنے آپ کو سیدنا غوث اعظم کی فکر کے سانچے میں ڈھال لیں، ہم انہیں اپنی سوچ کے فریم میں فٹ کرنا چاہتے ہیں۔

کئی خطباء یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ قرآن پاک بسم اللہ کی باء سے لے کر سورۂ ناس کی سین تک سب نبی اکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت ہی نعت ہے۔'' سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتادیا کہ قرآن پاک میں صرف نعتِ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہیں ہے اور بھی بہت کچھ ہے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ کا ایک نام اُمّ القرآن بھی ہے اس کی وجہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جو کچھ قرآن پاک میں ہے سورۂ فاتحہ اس پر مشتمل ہے۔ قرآن پاک میں کیا ہے؟ اس کا بیان دو طریقوں سے کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن پاک تین چیزوں پر مشتمل ہے۔

1. اللہ تعالیٰ عزوجل کی ثنا۔
2. اس کے امر اور نہی کی تعمیل۔
3. اس کے وعدے اور وعید کا بیان۔

باندازِ دگر فرماتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ قرآن پاک کے مطالب پر اجمالی طور پر مشتمل ہے، وہ مطالب یہ ہیں:

1. حِکَم نظریہ یعنی عقائد۔
2. احکام عملیہ یعنی طریق مستقیم پر چلنا۔
3. خوش قسمتوں کے مراتب اور بدبختوں کی منازل پر آگاہ ہونا۔

کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خوش قسمتوں اور اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ

عَلَيۡهِمۡ کے سردار ہیں، اس طرح سورۂ فاتحہ آپ کے ذکر شریف پر بھی مشتمل ہے، لیکن اس بات کا کیا مطلب کہ سارا قرآن ہی آپ کی نعت ہے؟

قرآن پاک کے بارے میں ایک شاعر نے کہا ہے اور بجا کہا ہے:

جَمِیۡعُ الۡعِلۡمِ فِیۡ الۡقُرۡآنِ لٰکِنۡ
تَقَاصَرَ عَنۡهُ اَفۡهَامُ الرِّجَالِ

قرآن پاک میں تمام علوم موجود ہیں، لیکن لوگوں کے دماغ اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

4 ایک دفعہ ایک فاضل دوست نے لکھا کہ اسلام صرف اور صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا نام ہے۔

5 ایک دوسرے فاضل نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ محبت کی ابتدا بھی حضور ہیں اور انتہا بھی حضور ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

راقم نے ان دونوں حضرات کو کہا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کہاں گئی؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيۡنَ آمَنُوۡا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ''اور ایمان والے ٹوٹ کر اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

6 حال ہی میں ایک ماہنامے میں اس عنوان کے ساتھ ایک مقالہ چھپا کہ:

''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہی اللہ کی محبت ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے حضرات دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں: یا اللہ! ہمیں اپنے حبیب کی محبت عطا فرما'' سوچنے کی بات یہ ہے کہ محبت دل کے میلان اور تعلق خاطر کا نام ہے جو کسی ہستی سے متعلق ہوتا ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو ہستیاں ہیں:۔

1 ایک ہستی واجب الوجود اور دوسری ہستی ممکن الوجود

2. ایک قدیم اور دوسری حادث
3. ایک خالق اور دوسری مخلوق،

تو دونوں کی محبت ایک کیسے ہوگئی؟ اس لئے دعایوں مانگنی چاہیے جس طرح پہلے بزرگ دعا مانگتے تھے: اے اللہ! ہمیں اپنی محبت عطا فرما، اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت عطا فرما، اپنے پیاروں کی محبت عطا فرما اور ان اعمال کی محبت عطا فرما جو ہمیں تیری بارگاہ کا قرب عطا کردیں۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَاحُبَّکَ وَحُبَّ حَبِیْبِکَ الْکَرِیْمِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُقَرِّبُنَااِلَیْکَ o

ترجمہ وہی جو پہلے مذکور ہوا۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کی دعا کرتے ہیں بلکہ محبت کے دعویدار ہیں اور یہ نعرہ لگاتے ہیں ''غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے''، لیکن ہمیں یہ خبر ہی نہیں کہ محبت کا مطلب کیا ہے؟ محبت یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ ایسا تعلق خاطر ہو کہ انسان محبوب کا فرماں بردار ہو، اس کے اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار ہو، اور محبوب کا سراپا صرف شعور نہیں بلکہ لاشعور میں اس طرح نقش ہو جائے کہ انسان لاشعوری طور پر محبوب کی ایک ایک ادا کو اختیار کر لے، ہم غلامی رسول میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں کو قبول کرنے خواہشات نفس کے چھوڑنے پر تیار نہیں، موت کیسے قبول کر لیں گے؟

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۰ بحوالہ ترمذی شریف)
جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

علامہ اقبال اس بات سے خوف زدہ رہتے تھے کہ کہیں میرا نامۂ اعمال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے نہ کھل جائے، چنانچہ دعا مانگا کرتے تھے:

مکن رسوا حضورِ خواجہ مارا

حسابِ من زچشمِ او نہاں گیر

اے اللہ! مجھے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور رسوا نہ فرمانا، میرا حساب آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہی لے لینا۔

حالانکہ ہم اُس باخبر اور وسیع العلم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ہیں جن کی بارگاہ میں ہمارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، ہمیں تو ناجائز کام کرتے ہوئے سو مرتبہ یہ سوچنا چاہیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ بھی دیکھ رہا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی دیکھ رہے ہیں، لہذا ہمیں ناجائز کام کے قریب بھی نہیں جانا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں سے محفوظ رکھے۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک صاحب تازہ تازہ داڑھی منڈوا کر آئے ہیں اور سر پر انگریزی بال رکھے ہوئے ہیں اور ابھی اسٹیج پر نعت پڑھیں گے اور عشق رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مظاہرہ کریں گے۔ حالانکہ عشق سرکار (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا مظاہرہ آدمی کے قول وفعل، رہن سہن اور شکل وصورت سب میں ہونا چاہیے۔

7. ابھی چند دن پہلے ملتان روڈ پر گزر ہوا، عمرے کا بینر لگا ہوا دیکھا، اس پر لکھا تھا:

''آؤ مدینے چلیں''۔

میں یہ سوچتا رہ گیا کہ عمرہ تو مکۂ معظمہ میں کیا جاتا ہے، اس کا نام ہی نہیں لیا گیا، مدینہ منورہ میں تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ ناز میں ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے اور شفاعت کی درخواست گزارنے کے لئے حاضری دی جاتی ہے، اس لئے یوں لکھنا چاہیے کہ ''آؤ حرمین شریفین چلیں'' یا ''آؤ مکے مدینے چلیں''، ماضی قریب میں جب

آدمی کو کسی کی بات اچھی لگتی تھی تو کہا جاتا تھا ’’تری آواز مکے اور مدینے‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حرمین شریفین کی حاضری نصیب فرمائے، لیکن اب ایسے جملے بھی سننے کو نہیں ملتے۔

یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ کوئی شخص سفر حرمین شریفین کے لئے روانہ ہو رہا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ ’’مدینے شریف میں میرے لئے دعا کرنا‘‘ حالانکہ مکہ معظمہ بھی دعا کی قبولیت کے مقامات سے بھرا پڑا ہے، تو اس طرح کہنا چاہیے کہ حرمین شریفین میں میرے لئے دعا کرنا اور سرکارِ دو عالم شفیع معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اس فقیر حقیر کا نذرانۂ صلوٰۃ و سلام پیش کرنا اور شفاعت کی درخواست پیش کرنا۔

❽ ایک محفل میں راقم نے بیان کیا کہ ہماری ہر محفل میں نعت شریف اور آخر میں صلاۃ و سلام پڑھنا لازمی خیال کیا جاتا ہے، اگر دعا کر کے محفل برخاست کی جا رہی ہو تو تقاضا کیا جاتا ہے کہ سلام کا ایک ہی شعر پڑھ لیں، ٹھیک ہے نعت بھی ہونی چاہیے اور صلاۃ و سلام بھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد بھی ہونی چاہیے، کیونکہ مقصود بالذات تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (الحمد للہ! بہت سے ماہنامے دیکھنے میں آ رہے ہیں جن میں ایک صفحے پر حمد اور دوسرے پر نعت دی جا رہی ہے)۔

میرے بعد ایک بزرگ تشریف لائے انہوں نے فرمایا کہ شرف صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ ’’سبقتِ لسانی‘‘ (یعنی سوچے سمجھے بغیر بات کہہ دی گئی) ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مقصود ہیں اور نعت شریف بھی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے۔

بعد میں راقم نے احباب سے کہا کہ یہ سبقت لسانی نہیں، بلکہ سوچی سمجھی رائے ہے، رہا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مقصود ہیں تو اس کا انکار نہیں ہے، میرے نزدیک تو استاذ اور پیر و مرشد بھی مقصود ہے، اور وہ اس لئے مقصود ہے کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچا دے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنتوں سے آراستہ کر دے اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس لئے مقصود ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ تک پہنچادیں، یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کا بندۂ فرماں بردار بنادیں۔ اللہ تعالیٰ مقصود بالذات ہے کہ اس کے بعد کوئی مقصود نہیں ہے جس تک اللہ تعالیٰ کے ذریعے پہنچا جائے۔

امام احمد رضا بریلوی عرض کرتے ہیں:

اے خدا تجھ تک ہے سب کا منتہیٰ

اولیاء کو اذنِ نصرت کیجئے

قرآن پاک میں ہے:

1. اَدْعُوْا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ○ (یوسف ۱۲/ ۱۰۸)

میں اور میرے پیروکار پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں۔

2. وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا ○

(حٰمٓ السجدہ ۴۱/۳۳)

اور اس شخص سے زیادہ حسین بات کس کی ہے جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک کام کئے۔

3. وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ ○ (الاحزاب ۳۳/۴۶)

اور (ہم نے آپ کو بھیجا) اللہ کی طرف اس کے اذن سے بلانے والا۔

4. مَاکَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ ○ (آل عمران ۳/۷۹)

اور یہ بات کسی انسان کے لائق نہیں کہ اللہ اسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے، پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کے نہیں میرے بندے بن جاؤ، لیکن تم اللہ والے ہو جاؤ۔

ایک دفعہ راقم کی گفتگو اپنے عزیز دوست فاضل علامہ مفتی ہدایت اللہ پسروری مدظلہ العالی مہتمم جامعہ ہدایت القرآن، ممتاز آباد، ملتان سے ہو رہی تھی، وہ فرمانے لگے:

''انبیاء بھیجے کس لئے گئے تھے؟''

یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کا اصل مقصدِ بعثت ہی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا ہے،

اور یہ بھی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے وسیلے کے بغیر ہمیں اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہی نہیں ہو سکتی، تو ان کی محبت، تعظیم وتوقیر اور ان کے نقش قدم پر چلنے کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

یہ کہنا بھی درست ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت بھی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے شاہکار اعظم ہیں اور مخلوق کی تعریف دراصل خالق ہی کی تعریف ہوتی ہے، لیکن حمد کے اور بھی تو کئی انداز ہیں مثلاً آیۃ الکرسی پڑھ لیں، سورۂ حشر کی آخری آیات کی تلاوت کر لیں، اسی طرح قرآن پاک کی متعدد آیات ہیں، احادیث مبارکہ میں دعا کا باب پڑھ لیجئے دل ودماغ روشن ہو جائے گا۔ نعت کے حمد ہونے کا انکار نہیں ہے کہنا یہ ہے کہ صرف نعت پر اکتفا کر لینا درست نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد کے دوسرے انداز بھی اپنانے چاہییں، علماء اسلام کی تصانیف دیکھ لیجئے ان میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد ہے پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت اور آپ کے حضور نذرانۂ صلوٰۃ وسلام پیش کیا گیا ہے۔ کلمۂ طیبہ کو دیکھ لیں اس میں پہلے ''لا الہ الا اللّٰہ'' ہے اس کے بعد ''محمد رسول اللّٰہ'' ہے۔ اسی طرح پہلے نعرۂ تکبیر لگایا جاتا ہے اس کے بعد نعرۂ رسالت بلند کیا جاتا ہے۔

⑨ کچھ عرصہ پہلے مساجد کے امام دعا کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور درود شریف سے اس طرح کیا کرتے تھے:

الحمدللّٰہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلاۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین۔

جب کہ کچھ عرصہ سے یہ معمول دکھائی دے رہا ہے کہ صرف درود شریف پڑھ کر دعا مانگ لی جاتی ہے اور دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی جاتی۔ آخر یہ بے اعتنائی کیوں برتی جاتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کو یاد کر پیارے

(قسط......دوم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ ـ

تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے، اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے اور بھلائی کے کاموں میں جلدی کرے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے تبدیل کرے، اگر ہاتھ سے تبدیل نہ کر سکے تو زبان سے منع کرے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے، اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا۔(۱)

اسی جذبے کے تحت راقم نے ایک مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا ''خدا کو یاد کر پیارے'' اس میں بعض لوگوں کے نامناسب انداز کی نشاندہی کی تھی اور مسلمان بھائیوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی تھی کہ تمام مقاصد کا آخری مقصد اور تمام غایتوں کی آخری غایت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ہے، جب کہ ہمارے ہاں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو ضمناً اور تبعاً، حالانکہ یہ بات قطعاً اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے۔

---

(۱) محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی: مشکوٰۃ شریف، ص ۴۳۶

الحمدللہ! کہ بہت سے اصحابِ علم نے فقیر کی گزارشات کے لائقِ قبول ہونے کی توثیق کی۔آیندہ سطور میں اسی سلسلے کی چند مزید گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

(۱) پیرطریقت حضرت علامہ پیرعلاء الدین صدیقی مدظلہ العالی (نیریاں شریف، آزادکشمیر) نے ایک دفعہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن پاک میں ہے:وَالَّذِیْنَ آمَنُوْ اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ ۔ایمان والے اللہ تعالیٰ کی شدید ترین محبت رکھتے ہیں،اور حدیث شریف میں ہے کہ تم میں سے کوئی کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک ہمیں اپنے باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانے،اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآنِ پاک کی آیت کہتی ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ سب سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرو؟ تو کیا آیت اور حدیث شریف میں مخالفت پائی جاتی ہے؟

انہوں نے فرمایا: آیت وحدیث میں مخالفت نہیں ہے،حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جب تک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تمام لوگوں سے زیادہ محبت نہیں کرو گے، اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتے، جب ایک شخص سب سے زیادہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرے گا تو وہ کامل مومن ہوگا،اور جو کامل مومن ہوگا وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرے گا —— سبحان اللہ! کیا تطبیق ہے۔

(۲) شوکت خانم، کینسر کا وہ ہسپتال ہے جس میں جدید ترین مشینری مہیا کی گئی ہے اور اس میں بہترین ڈاکٹر کام کررہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ ہسپتال انسانیت کی بہترین خدمت انجام دے رہا ہے،لیکن ہسپتال کے لئے قربانی کی کھالیں جمع کرنے کے لئے جو بینر اور اشتہار شائع کیا جاتا ہے،وہ اشتہار اخبارات میں بھی شائع کیا جاتا ہے،لیکن کبھی سننے پڑھنے میں نہیں آیا کہ کسی توحید کے پرچارک نے اس پر انگشت نمائی کی ہو،

اشتہار پر جلی حروف میں یہ عبارت درج ہوتی ہے:

قربانی اللہ کے لئے اور کھال شوکت خانم کے لئے۔

لیکن یہ انداز بہر حال قابلِ اعتراض ہے، کفار کا مقولہ قرآن کریم نے ان لفظوں میں نقل کیا ہے:

هٰذَا لِلّٰهِ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا

یہ چیز اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے ہے۔

ایک مسلمان کو یہ بات قطعاً زیب نہیں دیتی کہ وہ مشرکوں کے ساتھ ملتا جلتا انداز گفتگو اختیار کرے، اس لئے ضروری ہے کہ اشتہار کی عبارت تبدیل کی جائے۔

(۳) ملکی سطح کے ایک سیمینار میں دانشوروں کا اجتماع تھا اس میں یکے بعد دیگرے تین چار مقررین نے درود شریف کے یہ کلمات پڑھے:

الصلاة والسلام عليك يارسول الله، الصلاة والسلام عليك ياحبيب الله وعلى آلك واصحابك يانبى الله!

اس کے بعد خطاب شروع کر دیا، آخر میں راقم کو دعا کے لئے کہا گیا، راقم نے جناب صدر کی اجازت سے گزارش کی کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہر ذی شان کام جو اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی حمد کے بغیر شروع کیا جائے، وہ بے برکت ہے، اس لئے ہونا یہ چاہیے کہ خطاب سے پہلے صرف درود شریف پڑھنے پر اکتفانہ کیا جائے، بلکہ پہلے بسم اللہ شریف پڑھیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کریں اور اس کے بعد درود شریف پڑھیں چاہے صیغۂ خطاب کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر۔

اجلاس کے بعد ایک صاحب علم ملے وہ کہنے لگے کہ آپ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی حمد سے خطاب کا آغاز کرنا چاہیے، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو انڈرسٹوڈ ہے، یعنی ارادے اور نیت میں ملحوظ ہے، میں نے عرض کیا کہ یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو

انڈرسٹوڈ رکھنے پر اکتفانہ کریں، بلکہ زبان سے بھی اس کا نام لیں اور سب سے پہلے لیں، پھر درود شریف پڑھیں۔

(۴) ایک بزرگ فاضل نے سورۂ مائدہ کی آیت کریمہ کے حوالے سے لکھا کہ یہ آیت تقاضا کر رہی ہے کہ ہم اللہ (جل جلالہ) ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یکساں محبت کریں، راقم نے انہیں عرض کیا کہ اس آیت کے مطابق بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسی محبت ہونی چاہیے جس کے سامنے تمام رشتے داروں اور مال و جائداد کی محبت ہیچ ہو، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کا تناسب کیا ہو؟ تو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے (وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ) اسکے بعد سب سے زیادہ محبت حبیب خدا، اشرف انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہونی چاہیے، جیسے کسی بزرگ نے کہا ہے: ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(۵) ...... لاہور کے ایک ماہنامے میں ایک مقالہ چھپا ہے جس کا عنوان ہے ''ربط رسالت کی اہمیت اور ناگزیریت'' اس میں فاضل مقالہ نگار نے اپنا مدعا ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''بے شک عقیدۂ توحید اسلامی تعلیمات کی اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے...... لیکن جب دوسرے الہامی مذاہب سے اسلام کا مقابلہ وموازنہ کیا جائے تو اسلام کا دوسرں سے ممتاز اور منفرد گوشہ توحید نہیں بلکہ رسالت ہے۔''

ایک لحاظ سے یہ لاشعوری طور پر عقیدۂ توحید کی اہمیت کم کرنے کے مترادف ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا ممتاز پہلو توحید بھی ہے اور رسالت بھی، اگر چہ عقیدۂ توحید تمام انبیاء کرام کا مرکز ومحور رہا ہے، لیکن جس کامل اور اکمل طریقے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقیدۂ توحید بیان کیا وہ آپ ہی کا خاصہ ہے، دیگر انبیاء کی تعلیم کے باوجود فرعون

نے دعویٰ کر دیا: اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ''میں تمہارا سب سے بلند رب ہوں، لیکن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا تعارف جامع اور مکمل اس انداز میں کرایا اور عقیدۂ توحید اس اکمل شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا کہ چودہ صدیاں گزر گئیں، نبوت کے دعویدار تو بہت ہوئے لیکن کسی کو الوہیت کا دعویٰ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

مقالہ نگار نے بیان کیا کہ یہودیوں کا ایک گروہ حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتا تھا، اس کے علاوہ تمام یہودی توحید کے قائل ہیں، یہودی عورت کے ساتھ مسلمان کا نکاح کرنا بعض حکمتوں کی بنا پر ممنوع ہے۔ ورنہ موحد ہونے کے اعتبار سے ان سے شادی جائز ہے۔

مقالہ نگار آیۂ کریمہ: قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ۔ اے نبی! آپ فرما دیں اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان متفقہ ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔'' پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

گویا توحید مسلمانوں اور یہودیوں کے مابین نقطۂ اتفاق کی حیثیت رکھتی ہے۔

راقم کی گزارش یہ ہے کہ آیۂ کریمہ میں صرف یہودیوں سے خطاب نہیں ہے بلکہ تمام اہل کتاب سے خطاب ہے جس میں یہودی اور عیسائی دونوں داخل ہیں اور عیسائیوں کے بارے میں تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ پہلے توحید کے قائل تھے پھر تثلیث کے قائل ہو گئے۔ آپ کے استدلال کے مطابق تو یہ ماننا پڑے گا کہ عیسائی بھی موحد تھے، دوسری بات یہ ہے کہ یہودی اگر توحید کے قائل ہوتے تو انہیں اس کی دعوت ہی کیوں دی جاتی؟ دراصل توحید بنیادی طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں داخل تھی، لیکن نزول قرآن کے وقت کے یہودی اس کے قائل نہیں تھے، اسی لئے انہیں توحید کی دعوت دی گئی۔

مقالہ نگار کا یہ کہنا بھی محل نظر ہے کہ یہودی عورت کے ساتھ نکاح اس لئے جائز

ہے کہ وہ موحدہ ہے، امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: معلوم ہوا کہ قائلین بُنُوَّت مشرکین ہیں مگر ظاہر الروایۃ میں ان پر علی الاطلاق حکم کتابیت دیا اور ان کے ذبائح ونساء کو حلال ٹھہرایا۔ (اعلام الاعلام، ص ۹)

اس کے بعد امام احمد رضا بریلوی نے درمختار اور شامی کی عبارات نقل فرمائیں جن میں یہی حکم بیان کیا گیا ہے۔

جو فقہاء نکاح کے جائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں، ان کے نزدیک تو عیسائی عورت کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے، حالانکہ وہ آپ کے نزدیک بھی موحدہ نہیں بلکہ مشرکہ ہے۔

ربط رسالت کی اہمت بیان کرنا چاہیں تو اُس طرح بیان کریں جس طرح امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مفرّ مقرّ
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو، جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

(۶)...... ایک دفعہ جامع مسجد عمر روڈ اسلام پورہ میں میلاد شریف کا جلسہ تھا، راقم وہاں خطیب تھا اس لئے اس محفل میں حاضر تھا، ایک عالم نے تقریر کرتے ہوئے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن سے کیا نسبت؟

وہ محبوب زلیخا تھے یہ محبوب خدا ٹھہرے

مجھے یہ انداز گراں گزرا، تاہم خاموش رہا، ان کے بعد پنجاب کونسل، لاہور کے چیئرمین صاحب مائیک پر آئے اور تقریر کرتے ہوئے کہنے لگے:

''اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ نہ زمین ہوتی، نہ آسمان ہوتا، نہ جنت ہوتی، نہ دوزخ ہوتا، یہاں تک کہ خدا بھی نہ ہوتا (معاذ اللہ، استغفر اللہ)

مزید یہ کہا:

ہر شے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محتاج ہے اور آپ کی رحمت میں داخل ہے، کئی چیزوں کا نام گنوا کر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ بھی حضور کا محتاج ہے اور آپ کی رحمت میں داخل ہے (معاذ اللہ)

یہ سن کر میرا پیمانۂ صبر چھلک گیا اور میں نے مائیک پر آ کر کہا: حضرات! اگرچہ میرا تقریر کا پروگرام نہیں ہے، تاہم چند ضروری باتیں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں:

(۱)...... بعض شعراء یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن سے کیا نسبت؟

وہ محبوب زلیخا تھے، یہ محبوب خدا ٹھہرے

یہ انداز حضرت یوسف علیہ السلام کے شایانِ شان نہیں ہے، وہ تو محبوبانِ عالم کا انتخاب تھے اور ہمارے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتخابوں کا بھی انتخاب ہیں۔

(۲)...... چیئرمین صاحب نے کہا ہے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ بھی نہ ہوتا، یہ قطعاً غلط ہے، اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے جس کے معدوم ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے، اُس پر عدم طاری ہو ہی نہیں ہو سکتا، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود ممکن ہیں اور ممکن کے نہ ہونے سے واجب الوجود کے وجود پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اللہ تعالیٰ اس وقت بھی موجود تھا جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ابھی پیدا نہیں ہوا تھا۔

چیئرمین صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا محتاج ہے اور آپ کی رحمت میں داخل ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو خود اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ رحمتِ تمام ہیں اور اس کے محتاج ہیں، اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ۔ اور اللہ سب سے بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔

یہ سنتے ہی چیئرمین صاحب جوتے اُٹھا کر چلے گئے اور پلٹ کر کبھی نہیں آئے۔(۱)

---

(۱) محمد عبدالستار طاہر: محسن اہل سنت (دار الاشاعت، لاہور) ص ۱۶۹۔ ۱۶۷

(۷)......سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے:

غالباً ۱۹۹۰ء کی بات ہے کہ ایک صاحب نے مجھے اپنے والد صاحب کے عرس میں شامل ہونے کی دعوت دی، میں نے وعدہ کرلیا اور حسب وعدہ میانی صاحب پہنچ گیا، دیکھا کہ وہاں سازوں کے ساتھ قوالی ہو رہی ہے، میں مزار شریف کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور ایصال ثواب کیا، کچھ دیر بعد وہ قوالی سے فارغ ہوئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ سفید اور خشخشی داڑھی والے شاہ صاحب بیٹھے ہیں ایک نوجوان لڑکے نے آکر ان سے مصافحہ کیا اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا، چند لمحوں بعد دیکھا کہ وہی لڑکا شاہ صاحب کے پیچھے جا کر سجدہ کر رہا ہے، میں نے اشارے سے اس لڑکے کو بلایا اور سمجھایا کہ سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کرنا چاہیے، کسی مخلوق کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

ختم شریف کی باری آئی تو مجھے کہا گیا کہ حلیم کی دیگ کے پاس کھڑے ہو کر ختم پڑھیں، جہاں نان بھی رکھے ہوئے تھے، حالانکہ جہاں بیٹھے ہوئے تھے وہاں بھی ختم پڑھا جا سکتا تھا، تاہم میں نے ختم پڑھنے کے بعد دعا مانگنے سے پہلے کہا کہ حضرات ایک حدیث شریف سن لیں۔

ایک صحابی کہیں سفر پر گئے، واپسی پر سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے، حضور! میں نے دیکھا کہ فلاں جگہ کے لوگ اپنے بڑے کو سجدہ کرتے ہیں، آپ سب سے زیادہ اس امر کا حق رکھتے ہیں، کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا تم ہماری قبر کے پاس سے گزرو گے تو اسے سجدہ کرو گے؟

انہوں نے عرض کیا: نہیں، فرمایا: اب بھی سجدہ نہ کرو۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کی حیاتِ طیبہ میں اور بعد از وصال سجدہ کرنا جائز نہیں تو کسی دوسرے کے لئے کب جائز ہوگا؟

یہ سنتے ہی شاہ صاحب (جن کو سجدہ کیا گیا تھا) جلال کے عالم میں ایک دو قدم آگے بڑھے اور کہنے لگے: یہ بھی ختم شریف میں شامل ہے؟ میں خاموش رہا، کیونکہ میں جو کچھ کہنا چاہتا تھا کہہ چکا تھا۔

جن صاحب نے مجھے بلایا تھا وہ کہنے لگے: شرف صاحب! آپ اختلافی بات نہ کریں، میں نے کہا جناب! آپ کمال کرتے ہیں، میں کسی عالم کا قول بیان نہیں کر رہا، میں تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث شریف بغیر کسی اضافے اور تبصرے کے سنا رہا ہوں۔ اس کے بعد دعا کی اور جوتے اُٹھا کر واپس آ گیا۔(۱)

(۸) داتا دربار کی مجلس مذاکرہ میں حاضری:

ماہ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء میں محکمۂ اوقاف، لاہور کی طرف سے مجھے یہ دعوت نامہ ملا کہ حضرت سید الاصفیاء داتا گنج بخش قدس سرہٗ العزیز کے عرس کے موقع پر منعقد ہونے والے مذاکرہ کے لئے ایک مقالہ لکھیں جس کا عنوان ہے:

''اوّلین کتب تصوف میں کشف المحجوب کا مقام''

راقم نے مقالہ لکھا اور ایک جگہ مقام کی مناسبت سے یہ بھی لکھ دیا:

- بعض لوگ حضرت داتا صاحب کے مزار شریف پر سجدہ کرتے ہیں۔
- بعض رکوع کی حد تک جھک کر سلام کرتے ہیں۔
- مسجد میں جماعت کھڑی ہو جاتی ہے اور کچھ لوگ مزار شریف کے ساتھ چمٹ کر کھڑے رہتے ہیں۔

یہ ناجائز ہے اور محکمہ اوقاف کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو ان حرکتوں سے منع کرے۔

۱۴/ جولائی ۱۹۹۵ء کو میں مجلس مذاکرہ میں پہنچ گیا، مغرب کے بعد مجلس مذاکرہ کا آغاز ہوا، اس مجلس کا وقت نماز عشاء تک تھا، تلاوت، نعت اور اس کے بعد داتا صاحب کی

---

(۱) محمد عبد الستار طاہر: محسن اہل سنت، ص ۱۷۹-۱۷۸

منقبت کے بعد وقت اتنا کم رہ گیا کہ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب، پروفیسر غلام سرور رانا اور راقم کو ''خوشخبری'' سنائی گئی کہ وقت کم ہے، اس لئے آپ کو مقالہ سنانے کے لئے پانچ پانچ منٹ ملیں گے۔

مقالات محکمہ اوقاف نے چھاپ کر تقسیم کردئے تھے اور اس میں وہ چند سطریں حذف کردی گئی تھیں جن کا اس سے پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ جب راقم کے نام کا اعلان کیا گیا تو میں نے اُٹھ کر کہا:

> حضرات وقت اتنا کم ہے کہ مقالہ پڑھ کر سنایا نہیں جاسکتا، یوں بھی مقالات شائع کر کے تقسیم کر دئے گئے ہیں جو آپ ملاحظہ فرمالیں گے، البتہ دو تین ضروری باتیں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔
> اور وہ باتیں جو مقالے سے حذف کردی گئی تھیں مائک پر بیان کردیں۔

اس جسارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد مجھے کبھی مجلس مذاکرہ میں نہیں بلایا گیا، عرس کی تقریبات میں بھی مجھے دعوت دی گئی تو بحیثیت مقرر کے نہیں بلکہ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے۔ اس سے اندازہ کرلیں کہ کلمۂ حق کا سننا کتنا مشکل ہے؟(۱)

(۹) ایک مجلس میں ایک طالب علم نے نعت پڑھتے ہوئے یہ شعر بھی پڑھا

خدا حافظ سہی ناصر سہی لیکن
ہمیں کافی ہے بس تیرا سہارا یارسول اللہ!

راقم نے اسے وہیں روک دیا، اور کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہارا اللہ تعالیٰ کے سہارے سے الگ ہے؟ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت ہیں (وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ)۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہارا اللہ تعالیٰ ہی کا سہارا ہے۔

---

(۱) محمد عبد الستار طاہر: محسن اہل سنت، ص ۱۸۱۔۱۷۹

(۱۰) حال ہی میں ایک مجلے میں ایک مقالہ پڑھنے لگا تو اس میں لکھا تھا کہ ''ذکر خالق کے بعد ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم افضل ترین عبادت ہے''۔ اور اس کے بعد درج ذیل خطرناک ترین جملہ درج تھا:

''اور یہ وہ عبادت ہے جس میں خالق اور مخلوق دونوں برابر کے شریک ہیں۔''

راقم نے اس کے ایڈیٹر کو ایک عریضے میں لکھا کہ لکھنے والے اور چھاپنے والے دونوں پر اس جملے کے لکھنے اور شائع کرنے والے پر توبہ فرض ہے ورنہ ایمان جاتا رہے گا۔

سوال یہ ہے کہ:

(۱) ہم تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کس کی عبادت کرتا ہے؟ کہ اسے اس عبادت میں شریک قرار دیا جائے۔

(۲) شرک ایک ایسا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں ہے، اس کی تصریح قرآن پاک میں موجود ہے، اس لئے ایسے الفاظ سے اجتناب کرنا چاہیے کہ ہم کسی کام میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، یا اللہ تعالیٰ ہمارا شریک ہے، امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم مخلوق اور وہ خالق، ہم عابد اور وہ معبود، اس کے علاوہ ہماری اس کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ ''مَالِلتُّرَاب وَرَبِّ الْاَرْبَابِ'' مشتِ خاک کی ربِّ کائنات سے کیا نسبت ہے؟ سوائے اس کے کہ وہ مالک اور ہم مملوک ہیں۔

(۳) ایک دفعہ مذکورہ بالا جملے پر پھر غور کیجئے: ''یہ وہ عبادت ہے جس میں خالق اور مخلوق دونوں برابر کے شریک ہیں'' اُس واجب الوجود کا کوئی شریک ہی نہیں ہے، برابر کا شریک کہاں سے ہوگا؟

وَمَاعَلَیَّ اِلَّاالْبَلَاغ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث توسل

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

محترم ومکرم جناب پروفیسر صاحب زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج شریف

گرامی نامہ موصول ہوا، حضرت آدم علیہ السلام نے حبیب خدا، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے توبہ کی، اس بارے میں آپ نے کسی معترض کی تحریر ارسال کی ہے، اس کے جواب میں چند باتیں قابل توجہ ہیں:

(۱) معترض کو تسلیم ہے کہ یہ حدیث درج ذیل محدثین نے روایت کی ہے:

۱۔ امام بیہقی ——— دلائل النبوۃ

۲۔ حاکم نیشاپوری ——— المستدرک

۳۔ امام طبرانی ——— المعجم الصغیر (ص ۲۰۷)

۴۔ ایضاً ——— المعجم الاوسط

۵۔ ابن عساکر ——— التاریخ

۶۔ ابن کثیر ——— البدایہ والنہایہ (ج ۲ ص ۳۲۲)

۷۔ حافظ ھیثمی نور الدین علی بن ابی بکر ——— مجمع الزوائد (ج ۸ ص ۲۵۳)

اس کے علاوہ چند حوالے ملاحظہ ہوں:۔

۸۔ ابن منذر کی روایت میں یہ کلمات ہیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِجَاہِ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَکَرَامَتِہٖ عَلَیْکَ اَنْ تَغْفِرَلِیْ خَطِیْئَتِیْ

(بحوالہ تفسیر عزیزی ج ۱ ص، ۱۸۵۔۱۸۳)

۹۔علامہ برہان الدین حلبی فرماتے ہیں کہ صاحب شفاء الصدور اپنی مختصر میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! اگر تم نہ ہوتے تو میں زمین وآسمان پیدا نہ کرتا، یہ نیلگوں چھت بلند کرتا اور نہ ہی فرشِ زمین بچھاتا۔

۱۰۔جلال الدین سیوطی ——— خصائص کبریٰ، ج۱ص ۶

۱۱۔ابوبکر الآجری ——— کتاب الشریعہ، ص ۴۲۷

۱۲۔علامہ الوسی ——— روح المعانی، ج۱ص ۲۳۷

۱۳۔السید سمہودی ——— وفاء الوفاء، ج ۴ص ۲۷۔۱۳۷۱

۱۴۔علی متقی الھندی ——— کنز العمال، ج ۱۲ص ۸۴

۱۵۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ——— تفسیر عزیزی، ج۱ص ۸۵۔۱۸۳

۱۶۔اسماعیل حقی ——— روح البیان، ج۱ص ۱۰۶

۱۷۔علامہ سیوطی ——— درمنثور، ج۱ص ۵۸

۱۸۔محمد بن عبدالباقی الزرقانی ——— شرح مواہب لدنیہ، ج۱ص ۶۳۔۶۲

۱۹۔جواہر البحار بحوالہ ابن حجر ——— ج ۳ص ۳۳۱

۲۰۔قاضی عیاض ——— الشفاء، ج۱ص ۱۳۷

۲۱۔ملا علی قاری ——— شرح شفاء، ج ۲ص ۲۵۔۲۲۳

۲۲۔شہاب الدین الخفاجی ——— شرح شفاء، ج ۲ص ۲۵۔۲۲۳

۲۳۔علامہ ابن حجر المکی ——— الجوہر المنظم، ص ۶۱

۲۴۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی ——— مدارج النبوۃ، ج ۲ص ۳

۲۵۔مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی ——— تفسیر خزائن العرفان، ص ۷

نمبر ۱۰ سے آخر تک کے حوالہ جات حضرت علامہ مولانا منظور احمد فیضی مدظلہ (احمد پور

شرقیہ) کی تصنیف مبارک ''مقام رسول'' سے لئے گئے ہیں، مزید تفصیل اس کتاب میں ملاحظہ ہو۔

(۲) حاکم نیشاپوری نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے امام بیہقی نے فرمایا: ضعیف ہے، اور فضائل میں حدیث ضعیف بالاتفاق مقبول ہے، ابھی بیس سے زیادہ جلیل القدر ائمۂ اسلام کے حوالے نقل کئے گئے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو روایت کیا یا بیان کیا، ان سب کے مقابل علامہ ذھبی جو تشدد میں شہرت رکھتے ہیں یا ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ ''یہ حدیث موضوع ہے یا باطل ہے'' قابلِ اعتبار نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اسے ضعیف کہہ سکتے ہیں، فضائل میں تو حدیث ضعیف یوں بھی مقبول ہوتی ہے چہ جائیکہ اسے قبولیت عامہ حاصل ہو جائے، یہ قبولیت بھی تقویت کا بڑا سبب ہے۔

(۳) محدثین کسی حدیث کو موضوع کہہ دیتے ہیں جس کا مطلب بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان لفظوں کے ساتھ موضوع ہے اگر چہ اس کا معنیٰ صحیح ہے۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

> لَولَاکَ لَمَاخَلَقْتُ الْاَفلَاکَ کے بارے میں صغانی نے کہا کہ موضوع ہے، اسی طرح خلاصہ میں ہے، لیکن اس کا معنیٰ صحیح ہے دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ میرے پاس جبرائیلِ امین علیہ السلام تشریف لائے اور (اللہ تعالیٰ کا فرمان بیان کرتے ہوئے) کہا اے محمد! اگر تم نہ ہوتے تو میں جنت پیدا نہ کرتا، اگر تم نہ ہوتے تو میں آگ پیدا نہ کرتا، ابن عساکر کی روایت میں ہے اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا (ترجمہ)(۱)

علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

---

(۱) موضوعات کبیر (مجتبائی، دہلی) ص ۵۹

''میں کہتا ہوں جس طرح حدیث ''اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ ''لفظاً
ثابت نہیں معنیً ثابت ہے اسی طرح وہ حدیث جو واعظوں اور عوام و
خواص میں مشہور ہے یعنی لَوْلَاکَ لَمَاخَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (ترجمہ)[1]

(۴) معترض کہتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے جو کلمات اپنے رب سے حاصل کئے وہ خود قرآن کریم کی سورۂ اعراف میں مذکور ہیں رَبَّنَاظَلَمْنَااَنْفُسَنَا (الآیہ)

عظمت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دشمنی وہ سم قاتل ہے جو بصارت اور بصیرت دونوں پر اثر انداز ہوتی ہے، کیا قرآن کریم میں حصر ہے؟ کہ حضرت آدم علیہ السلام نے صرف یہی کلمات کہے تھے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہا، اگر ایسا ہوتا تو مذکورہ بالا حدیث کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہتی، حالانکہ قرآن میں قطعاً کوئی کلمۂ حصر نہیں ہے۔

آیئے ذرا دیکھیں کہ اہل محبت کس انداز میں قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی ''فَتَلَقّٰی آدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَاتٍ'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''کہا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرش کے پائے پر لکھا ہوا دیکھا محمد رسول اللہ،
تو انہوں نے حضور کا وسیلہ پیش کیا، اگر ''کلمہ'' کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر
کیا جاسکتا ہے تو روحِ اعظم، حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کلمات کا
اطلاق بھی کیا جاسکتا ہے (مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَاتٍ)(۲)

(۵) معترض نے تخریج مستدرک سے نقل کیا ہے کہ علامہ ذھبی کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ عبداللہ بن مسلم الفہری کون ہے؟ اور ساتھ ہی نقل کیا کہ ذھبی میزان میں عبداللہ بن مسلم الفہری کا ذکر کرتے ہوئے یہ روایت نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ روایت باطل ہے۔

بقول معترض ایک طرف علامہ ذھبی یہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا، دوسری طرف

---

(۱) الآثار المرفوعۃ، ص ۳۵

(۲) روح المعانی ج ا ص: ۲۳۷

خود ان کا تعارف کروایا جا رہا ہے، اس تضاد بیانی کا اثر کس پر پڑے گا۔ علامہ ذھبی پر یا معترض پر؟

معترض صاحب کہتے ہیں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں یہ روایت قطعی طور پر ضعیف ہے، یہ صریح جھوٹ ہے۔ ابن کثیر نے امام بیہقی کا تبصرہ نقل کیا ہے، اپنی طرف سے کوئی رائے نہیں دی۔

پھر معترض صاحب لکھتے ہیں کہ ہیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں یہ روایت طبرانی نے ''اوسط'' اور ''صغیر'' میں نقل کی ہے، اس کے بعض راوی تو مجہول ہیں اور آخر میں یہی عبدالرحمٰن ہے۔

یہ بھی غلط ہے حافظ ھیثمی نے صرف اتنا کہا ہے ''اس کی سند میں وہ لوگ ہیں جنہیں میں نہیں جانتا'' راوی کے مجہول ہونے سے حدیث ضعیف تو ہو جاتی ہے لیکن اسے موضوع نہیں کہا جا سکتا، اور یہ الفاظ معترض نے اپنے پاس سے لگا دیئے ہیں ''اور آخر میں یہی عبدالرحمٰن ہے۔''

آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم جل مجدہ اپنی اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت اور اطاعت نصیب فرمائے۔ آمین!

تحریر: ۹ رمضان المبارک مطابق ۱۶ راپریل ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلکِ اہل سُنّت و جماعت

انفرادیت میں وہ قوت نہیں ہے جو اجتماعیت میں ہے، مشہور واقعہ ہے کہ ایک شخص کا دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے چار بیٹوں کو جمع کر کے ایک سبق دیا اور وہ یوں کہ انہیں کہا کہ جنگل سے ایک ایک موٹی شاخ کاٹ کر لاؤ، وہ لے آئے تو انہیں کہا کہ انہیں توڑو، کڑیل جوان بیٹوں نے ایک لمحے میں وہ شاخ ٹکڑے ٹکڑے کر دی. برلب گور باپ نے پھر حکم دیا کہ ایسی ہی ایک ایک شاخ لے کر آؤ، وہ لے آئے تو انہیں کہا کہ انہیں ایک رسّی کے ساتھ باندھ دو، پھر کہا کہ انہیں توڑو، ہر لڑکے نے اپنی اپنی کوشش کر لی مگر اس گٹھے کو نہ توڑ سکا، بوڑھے باپ نے کہا کہ سب مل کر انہیں توڑو، وہ مل کر بھی نہیں توڑ سکے۔

دانش ور باپ نے کہا کہ تم میں سے ہر ایک نے ایک ایک شاخ بڑی آسانی کے ساتھ توڑ دی تھی، پھر کیا وجہ ہے کہ اب تم چاروں مل کر بھی انہیں توڑ نہیں سکے؟ ایک بیٹے نے عرض کیا کہ پہلے یہ شاخیں الگ الگ تھیں، ہم نے انہیں آسانی سے توڑ دیا تھا، اب یہ اکٹھی بندھی ہوئی ہیں، اس لئے ہم نہیں توڑ سکے، باپ نے کہا کہ شاخیں تو وہی ہیں، یکجا بندھے ہوئے ہونے سے کیا فرق پڑا ہے؟ وہ انہیں بڑی حکمت عملی سے اس نکتے کی طرف لا رہا تھا، جوان کے ذہن نشین کرانا چاہتا تھا، سعادت مند بیٹوں نے کہا جناب! اجتماعیت خود ایک قوت ہے، وہ قوت انفرادیت میں نہیں ہے، مشفق باپ کی آنکھیں فرطِ مسرت سے چمک اُٹھیں، اس نے کہا: ''میرے عزیز از جان فرزندو! میں کوئی دم کا مہمان ہوں، میں اجتماعیت کی اسی قوت کی طرف تمہاری توجہ مبذول کرانا چاہتا تھا:

تم اگر سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد اور مجتمع رہو گے تو تمہارا دشمن

چاہے کتنا ہی طاقت ور ہو تمہارا بال بیکا نہیں کر سکے گا، اور اگر تم الگ الگ ہو گئے تو تمہاری حیثیت چند تنکوں سے زیادہ نہ ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسی اتفاق و اتحاد کا حکم دیا تھا:

''تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور بکھر نہ جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی تو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے۔''

(سورۂ آل عمران ۳/۱۰۳)

دُنیا جانتی ہے کہ مسلمان جب تک اس خدائی ہدایت پر کاربند رہے، جدھر بھی رُخ کیا، فتح و نصرت نے ان کا استقبال کیا۔

علامہ اقبال نے کس حکیمانہ انداز میں کہا تھا:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرونِ دریا کچھ نہیں

اور سوز و گداز سے معمور آرزو کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

لیکن قرآن و حدیث میں واضح طور پر متعدد فرقوں کے پیدا ہونے کی خبر دے دی گئی تھی، اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''آپ فرما دیجئے کہ وہ قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا مختلف گروہ کر کے تمہیں ٹکرا دے اور ایک کو دوسرے کی سختی چکھائے۔'' (سورۂ انعام ۶/۶۵)

بخاری شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی جس کا معنی یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ

قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے) تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا: ''میں تیری ذات اقدس کی پناہ مانگتا ہوں'' اور جب یہ ارشاد سنا (یا عذاب بھیجے تمہارے پاؤں کے نیچے سے) تو آپ نے پھر کہا: ''میں تیری ذات اقدس کی پناہ مانگتا ہوں'' اور جب یہ ارشاد سنا (یا مختلف گروہ کر کے تمہیں ٹکرادے اور ایک کو دوسرے کی سختی چکھائے) تو آپ نے کہا: ''یہ ہلکا عذاب ہے'' یا فرمایا: ''یہ آسان ہے۔'' (۱)

پہلی قوموں میں سے:

● —— حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کے مخاطب منکرین اور اصحاب فیل پر اوپر سے عذاب آیا،

● —— فرعون اور اس کے ساتھی پانی میں غرق کر دئے گئے،

● —— قارون کو اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا یہ پاؤں کے نیچے سے عذاب تھا،

ان دونوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا مانگی: ''میں تیری ذات کریم کی پناہ مانگتا ہوں''، لیکن عذاب کی تیسری قسم کے بارے میں دعا نہیں مانگی جس سے معلوم ہوا کہ یہ سانحہ ہو کر رہے گا۔

مسلم کی حدیث شریف میں ہے کہ ایک روز سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد بنی معاویہ میں دو رکعت نماز ادا فرمائی اور اس کے بعد طویل دعا کی، پھر صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے تین سوال کئے، ان میں سے صرف دو قبول فرمائے گئے،

❶ ایک سوال تو یہ تھا کہ میری امت کو قحط عام سے ہلاک نہ فرمائے، یہ قبول ہوا،

❷ ایک یہ تھا کہ انہیں غرق سے عذاب نہ فرمائے، یہ بھی قبول ہوا،

---

(۱) بخاری شریف عربی طبع مجتبائی ۲/۶۶۶ حدیث نمبر ۴۶۲۸

3 تیسرا سوال یہ تھا کہ ان میں باہم جنگ و جدال نہ ہو یہ قبول نہیں ہوا۔(۱)

حدیث شریف میں وارد ہے کہ بنی اسرائیل بہتر[۲] فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور ہماری امت تہتر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی، سب آگ میں جائیں گے، صرف ایک گروہ اس سے محفوظ رہے گا، صحابۂ کرام نے دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ! وہ نجات پانے والا گروہ کونسا ہے؟'' فرمایا:

مَااَنَاعَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔

''جو ہمارے اور ہمارے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے۔''

یہ امام ترمذی کی روایت ہے، امام احمد اور ابوداؤد کی روایت میں ہے:

وواحدۃٌ فِی الْجَنَّۃِ وَھِیَ الْجَمَاعَۃُ

''ایک گروہ جنت میں جائے گا اور یہ جماعت ہے۔''

اسی حدیث کے پیش نظر نجات پانے والے گروہ کا نام ''اہل سنت و جماعت'' رکھا گیا ہے، اہل سنت کا مطلب ہے: ''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقے پر چلنے والے'' اور ''جماعت'' کا مطلب ہے ''صحابۂ کرام کی جماعت کے طریقے پر چلنے والے۔''

اسی مذکورہ حدیث میں ہے:

''ہماری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے جن میں افکار فاسدہ اس طرح سرایت کر جائیں گے جیسے باولا کتا کاٹتا ہے، تو اس کے اثرات اس شخص میں سرایت کر جاتے ہیں جسے کاٹا گیا ہے، اس کی کوئی رگ اور کوئی جوڑ باقی نہیں رہتا جہاں اس کا اثر نہ پہنچے۔ (مشکوۃ شریف عربی ص ۳۰)

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ ہماری امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ کا دست رحمت جماعت پر ہے، اور جو شخص جماعت سے

---

(۱) خزائن العرفان مطبوعہ قرآن کمپنی، بریلی شریف ص ۱۹۷

(۲) مشکوۃ شریف عربی ص ۳۰

الگ ہوا وہ آگ میں ڈالا جائے گا۔

(حوالہ مذکورہ)

ابن ماجہ شریف کی روایت میں ہے کہ: ''سوادِ اعظم (بڑی جماعت، مسلمانوں کی اکثریت) کی پیروی کرو، کیونکہ جو شخص جدا ہوا وہ آگ میں ڈالا جائے گا۔'' (حوالہ مذکورہ)

بہتر اور تہتر فرقوں والی اور باؤلے کتے کے کاٹنے والی حدیث علامہ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۱۰۶ کی تفسیر میں بیان کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ) ''جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ قیامت کے دن کی بات ہے جب اہل سنت و جماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت وفرقت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (۱)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں ہی مختلف گمراہ فرقے پیدا ہو گئے تھے مثلاً:

● —— خوارج نے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کو کافر قرار دیا

● —— روافض تمام صحابۂ کرام حضرات اہل بیت کے علاوہ کے مخالف تھے،

● —— معتزلہ ظاہر قرآن وحدیث کے بغیر کسی مجبوری کے تاویل کر دیتے تھے، اسی طرح کئی دوسرے فرقے بھی معرضِ وجود میں آ گئے۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ اکابر تابعین میں سے ہیں، انہوں نے فرمایا:

''پہلے زمانے (صحابۂ کرام کے پہلے دور) میں حدیث کی سند کے بارے میں نہیں پوچھا جاتا تھا، جب فتنہ واقع ہوا (اور نئے نئے فرقے پیدا ہوئے) تو حدیث کی سند کے بارے میں پوچھتے تھے تاکہ اہل سنت کی حدیث لے لیں اور اہل بدعت کی حدیث چھوڑ دیں۔'' (۲)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر عربی، طبع بیروت ۲/۸۲

(۲) ترمذی شریف، کتاب العلل، طبع بیروت ۴/۵۷۵

حضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

تہتر فرقوں کی اصل دس قسمیں ہیں:

❶ اہل سنت ❷ خوارج ❸ شیعہ ❹ معتزلہ ❺ مرجیہ ❻ مشبہہ ❼ جہمیہ ❽ ضراریہ ❾ نجاریہ ❿ کلابیہ۔

اہل سنت ایک جماعت ہے——خوارج پندرہ فرقوں پر مشتمل ہیں ——معتزلہ کے چھ فرقے ہیں——مرجیہ بارہ فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں——شیعہ کے تیس گروہ ہیں——جہمیہ، نجاریہ، ضراریہ، کلابیہ ایک ایک گروہ ہیں——مشبہہ کے تین فرقے ہیں۔ پس یہ کل تہتر فرقے ہیں، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی۔'' (۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

علم کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایک وہ علم ہے جس کا مقصد عمل ہے یہ علم فقہ میں بیان کیا گیا ہے۔

(۲) دوسرا وہ علم ہے جس کا مقصد صرف اعتقاد اور یقین قلبی ہے، یہ علم عقائد میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ عقائد اہل سنت و جماعت کی صحیح آراء کے مطابق بیان کئے گئے ہیں، یہ وہ نجات پانے والا فرقہ ہے کہ جن کی پیروی کے بغیر نجات متصور نہیں ہے اور اگر بال برابر بھی مخالفت ہو تو خطرہ ہی خطرہ ہے، یہ بات صحیح کشف اور صریح الہام سے یقین کی حد کو پہنچی ہوئی ہے، اس کے غلط ہونے کا سوال ہی نہیں ہے۔ (۲)

---

(۱) غنیۃ الطالبین۔ فرید بک سٹال، ص ۲۸۰

(۲) مکتوبات امام ربانی، فارسی، دفتر اول حصہ دوم ص ۳۸

اب قابل غور بات یہ ہے کہ موجودہ دور میں اہل سنت و جماعت کہلانے والے بھی تو کئی گروہ ہیں، ایسے ماحول میں خوب اچھی طرح تحقیق کر کے معلوم کرنا چاہیے کہ واقعی اہل سنت و جماعت کون ہیں؟● —— کیا اللہ تعالیٰ کے لئے جھوٹ اور ہر عیب کا امکان ثابت کرنے والے اہل سُنّت ہیں؟● ——یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والے اہل سُنّت ہیں؟

اسے فرقہ واریت کا نام نہیں دیا جا سکتا، یہ صحیح جماعت کی تلاش اور جستجو ہے. فرقہ واریت ایک دوسرے کے خلاف مسلح کارروائیوں کا نام ہے جس میں بیک وقت چالیس پچاس افراد تک ہلاک کر دئے جاتے ہیں اور یہ سلسلہ کہیں ختم ہونے میں نہیں آتا۔

الحمدللہ! اہل سنت و جماعت پُر امن لوگ ہیں انہوں نے جماعتی طور پر کبھی ایسی کارروائیوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی ——و الحمدللّٰہ ربّ العالمین۔

اہل سنت و جماعت کے چند عقائد و مسائل

س : کیا حضور نبی اکرم ﷺ نور ہیں؟

ج : ہاں! حضور نبی اکرم ﷺ نور بھی ہیں اور بشر بھی، اور ان کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (۱۴۴)

"ہم نے مریم کی طرف اپنی روح کو بھیجا، تو وہ ان کے سامنے تندرست انسان کی شکل میں آ گئے۔"

حضرت جبرائیل علیہ السلام نوری مخلوق ہونے کے باوجود انسانی شکل میں جلوہ گر ہوئے۔ جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی بشریت کا مطلقاً انکار کرے وہ کافر ہے اور جو شخص آپ کی نورانیت کا انکار کرے وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔

س : اس پر کیا دلیل ہے؟

ج : اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (۱۴۵) تحقیق تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور آیا اور کتاب مبین آئی۔

نور سے مراد نبی اکرم ﷺ ہیں، جیسے کہ تفسیر ابن عباس، تفسیر کبیر، تفسیر جلالین، تفسیر خازن اور روح المعانی میں ہے۔ (۱۴۶)

اقوال مفسرین

1 : ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیت کریمہ "قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں نور سے مراد رسول ہیں یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ۔

٭ تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس [illegible] ص ۹۰

2 : امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: اس میں کئی اقوال ہیں، پہلا یہ کہ نور سے مراد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ (تفسیر کبیر: ۱۱/۱۸۹)

3: امام محمد بن جریری فرماتے ہیں: نور سے مراد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

﴿تفسیر جامع البیان: ٦/ ٩٢﴾

4: امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں (قَدْجَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ) میں نور سے مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے۔ ﴿تفسیر جلالین: ص ٩٧﴾

5 : امام علی بن محمد خازن اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: نور سے مراد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام نور اس لئے رکھا کہ آپ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسے نور کے ذریعے اندھیروں میں ہدایت پائی جاتی ہے۔

﴿لباب التأویل فی معانی التنزیل ٢ / ٢٨)

6 : امام عبداللہ ابن احمد نسفی فرماتے ہیں: یا نور سے مراد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیونکہ آپ سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسے آپ کا نام سراج رکھا۔

﴿مدارك التنزیل: ١/ ٨٧﴾

7 : علامہ الوسی فرماتے ہیں (قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ) تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم نور آیا وہ نوروں کا نور اور نبی مختار ہیں ﴿روح المعانی: ٦/ ٨٧﴾

احادیث مبارکہ

1: سیدی علامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہر چیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی جس طرح کہ اس بارے میں صحیح حدیث وارد ہے۔

﴿الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة ٦/ ٣٧٥﴾

حدیث مذکور کو امام بخاری اور مسلم کے استاذ الاساتذہ امام عبدالرزاق نے

مصنف میں روایت کیا ہے اور ائمہ حدیث نے اسے نقل کیا۔

2 : امام بیہقی نے اس حدیث کو دلائل النبوۃ میں روایت کیا علامہ زرقانی فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام بیہقی نے کسی قدر مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔

﴿شرح زرقانی علی المواهب :١/ ٤٦﴾

3: علامہ نظام الدین حسن نیشاپوری آیۂ کریمہ (وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جس طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ ﴿غرائب القرآن: ٨/٦٦﴾

4 : علامہ ابوالحسن بن عبداللہ البکری فرماتے ہیں: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ موجود تھا اور کوئی چیز اس کے ساتھ موجود نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے پانی عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت و نار حجاب اور بادل، اور حضرت آدم و حواء (علیہما السلام) کے پیدا کرنے سے چار ہزار سال پہلے اپنے حبیب ﷺ کا نور پیدا فرمایا۔

﴿الانوار فی مولدالنبی محمد: ص ٥﴾

5: امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہم اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کئے گئے اور مومن ہمارے نور سے پیدا کئے گئے پس ضروری بات ہے کہ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ اور تمام حقائق کے درمیان واسطہ ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص آپ کے واسطے کے بغیر مطلوب تک پہنچے۔

﴿مکتوبات امام ربانی، دفتر ثالث حصه / ٩ ص / ١٥٣﴾

6 : امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

س : ایک حدیث میں آیا ہے: کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا، ان کے درمیان کس طرح تطبیق دی جائے گی۔؟

ج : ان دونوں حدیثوں کا مطلب ایک ہی ہے، کیونکہ حقیقت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی عقل اول سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی نور سے۔ ﴿الیواقیت والجواھر ۲/۲۰﴾

بااختیار نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

س : کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صاحب اختیار ہیں؟

ج : ہاں! اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند و بالا مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے آپ کو بہت سی خصوصیات عطا فرمائی ہیں اور کئی امور میں آپ کو اختیار عطا فرمایا ہے۔

س : اس کی دلیل کیا ہے؟

ج : اس کی دلیل درج ذیل آیات کریمہ ہیں:

1 : اے حبیب فرما دیجئے! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی۔ ﴿آل عمران ۳/۳۲﴾

2 : جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو ﴿النساء ۴/۵۸﴾

3: عنقریب اللہ ہمیں اپنے فضل سے عطا فرمائے اور اس کا رسول ﴿التوبة: ۹/۵۹﴾

4: اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ ﴿التوبة: ۹/۷۴﴾

5: اور کسی ایمان دار مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کر دیں تو ان کے لئے اپنے اس کام میں کچھ اختیار ہو ﴿الاحزاب: ۳۳/۳۶﴾

6 : اور ﴿نبی امی﴾ ان کیلئے پاکیزہ چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔ ﴿الاعراف: ۷/۱۵۷﴾

7 : حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا: لاھب لك غلاما زکیا تا کہ میں آپ کو پاکیزہ بچہ دوں۔ ﴿مریم :۱۹/۱۶﴾

احادیث مبارکہ

1 : ہمیں جوامع الکلم (وہ احادیث جن کے الفاظ مختصر مگر ان میں معانی کا ایک جہان پوشیدہ ہے) کے ساتھ بھیجا گیا، ہمیں رعب کے ساتھ امداد دی گئی، ہم محو استراحت تھے

کہ زمین کے خزانوں کی چابیاں لا کر ہمارے ہاتھ میں دے دی گئیں۔

﴿ صحیح مسلم: ۱/ ۱۹۹ ﴾

2 : ہمیں زمین کے خزانوں کی چابیاں دے دی گئیں۔ ﴿ متفق علیہ ﴾

﴿ مشکوۃ شریف: ص/ ۵۴۷۔ صحیح بخاری شریف: ۱/ ۹۷ا۔ نیز ا/ ص ۴۱۸ ﴾

3 : ہم نے دعا کی اے اللہ! میری امت کو بخش دے، اے اللہ! میری امت کو بخش دے اور تیسری دعا ہم نے اس دن کیلئے مؤخر کردی جب حضرت ابراہیم علیہ السلام سمیت تمام مخلوق ہماری طرف رغبت (رجوع) کرے گی۔ ﴿ صحیح مسلم: ا/ ۲۷۳ ﴾

4: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (روزہ توڑنے والے صحابی کو) فرمایا: جاؤ یہ (کھجوریں) اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔ ﴿ صحیح مسلم: ۱/ ۲۷۳ ﴾

5 : جب ہم تمہیں کسی چیز کا حکم دیں تو تم اسے اپنی استطاعت کے مطابق ادا کرو اور جب تمہیں کسی چیز سے منع کریں تو اسے چھوڑ دو (مطلب یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آمر بھی ہیں اور ناہی بھی۔) ﴿ صحیح مسلم: ۱/ ۴۳۲ ﴾

6 : حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: کہ جب یہ آیۃ کریمہ یبایعنک علی ان لایشرکن باللہ شیئا نازل ہوئی تو ممنوع کاموں میں نوحہ بھی تھا، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم آل فلاں کو مستثنی فرمادیں، کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں میری امداد کی تھی، اس لئے ضروری ہے کہ میں ان کی امداد کروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آل فلاں مستثنی ہے (یہ بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کی دلیل ہے۔) ﴿ صحیح مسلم: ۱/ ۳۰۴ ﴾

7: حدیث قدسی میں ہے کہ ہم آپ کی امت کے بارے میں آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو تکلیف نہیں دیں گے۔ ﴿ صحیح مسلم: ۱/ ۱۱۳ ﴾

8: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں عرض کیا: اللہ کی قسم! میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی چاہت پوری کرنے میں جلدی فرماتا ہے۔ ﴿صحیح مسلم: ۱/ ۴۷۳﴾

ائمہ دین کے ارشادات

1: امام مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یا تمام جہان کے خزانے مراد ہیں، تا کہ لوگوں کے استحقاق کے مطابق انہیں نکال کر دیں، پس جو کچھ بھی اس جہان میں ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے وہی سرکار عنایت فرماتے ہیں، جن کے ہاتھ میں چابی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے علم غیب کلی کی چابیاں اپنے ساتھ مختص کی ہیں اور انہیں وہی جانتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عطیات کے خزانوں کی چابیاں اپنے حبیب ﷺ کو عطا فرمائی ہیں، ان خزانوں میں سے جو چیز نکلے گی وہ آپ ہی کے ہاتھوں نکلے گی۔

﴿فیض القدیر شرح جامع صغیر: ۱/ ۵٦٤﴾

2: امام نووی قاضی عیاض رحمہما اللہ تعالیٰ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: کہ بعض علماء نے کہا کہ سید وہ ہے جو اپنی قوم سے فائق ہو اور مصیبتوں میں جس کی پناہ لی جائے، نبی اکرم ﷺ دنیا اور آخرت میں سب لوگوں کے سردار ہیں، قیامت کا دن اس لئے خاص کیا گیا کہ آپ کی سیادت (سرداری) اس دن عروج پر ہوگی اور سب لوگ اسے تسلیم کریں گے۔ ﴿شرح مسلم: ۱/ ۱۱﴾

3: علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پس نبی اکرم ﷺ راز کا خزانہ اور امر کے نافذ ہونے کی جگہ ہیں، لہٰذا جو امر نافذ ہوگا وہ آپ ہی سے نافذ ہوگا اور جو خیر نقل کی جائے گی آپ ہی سے نقل کی جائے گی۔ ﴿مواہب اللدنیہ: ۱/ ۵٦﴾

4: حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سَل! یعنی مجھ سے کوئی حاجت طلب کرو، اس کی شرح میں حضرت علامہ ملا علی قاری اور علامہ ابن حجر رحمہما اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں: کہ ہم تمہاری خدمت کے مقابلے میں

تمہیں عنایت کریں، کیونکہ اصحاب کرام کی یہی شان ہے، نبی اکرم ﷺ سے زیادہ کریم تو کوئی ہے ہی نہیں، آپ نے سوال کے ساتھ کوئی قید نہیں لگائی (کہ فلاں چیز مانگو) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے خزانوں میں سے جو آپ چاہیں دینے کا اختیار دیا ہے، اسی لئے ہمارے ائمہ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ شمار کی ہے کہ آپ جس شخص کو جس چیز کے ساتھ چاہیں مخصوص فرمادیں جیسے آپ نے حضرت خزیمہ ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا، اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا، اسی طرح آپ نے حضرت ام عطیہ کو خاص طور پر آل فلاں میں نوحہ کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

﴿مرقاة المصابیح: ۲/ ۳۲۳﴾

5: ابن سبع اور دیگر حضرات نے نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں یہ بات شمار کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی زمین آپ کو الاٹ کردی ہے، آپ جسے چاہیں جتنی چاہیں عطا فرمادیں۔ ﴿مرقاة المصابیح: ۲/ ۳۲۳﴾

6: نواب صدیق حسن خان بھوپالی (سرگروہ غیر مقلدین) کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: "سَلْ" یعنی دنیا اور آخرت کی جو بھلائی چاہو مانگ لو، آپ نے مطلقاً "سَلْ" فرمایا، کسی خاص مطلوب کی قید نہیں لگائی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دستِ ہمت وکرامت میں ہے، آپ جو چاہیں جسے چاہیں اپنے رب کی اجازت سے عطا فرمادیں ﴿مسك الختام: ۱/ ۲۷۶﴾

7: امام جلال الدین سیوطی امام طبرانی وغیرہ سے نقل کرتے ہیں: کہ حکم بن ابوالعاص حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس بیٹھا کرتا تھا، جب حضور نبی اکرم ﷺ گفتگو فرماتے تو وہ نقلیں اتارا کرتا تھا، نبی اکرم ﷺ نے اسے فرمایا: کہ تو اسی طرح ہوجا، تو وہ مرنے تک اسی طرح رہا۔ ﴿خصائص کبریٰ: ۲/ ۷۹، بحوالہ: امام بیہقی، طبرانی وحاکم﴾

8: علامہ عبدالوھاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ تبوک میں صحابہ کے سامنے کلمۂ کُن بیان جواز کے لئے استعمال فرمایا، نیز آپ کو معجزات کے اظہار کی اجازت دی گئی تھی، یہ مسئلہ بھی اسی قبیلے سے ہے، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کُن أباذر تو ابوذر ہو جا، چنانچہ ابوذر ہی تھے، کھجور کی شاخ کو فرمایا: کُن سیفًا تلوار بن جا تو وہ تلوار بن گئی ﴿الیواقیت والجواھر: ۱/ ۱۴۸﴾

9: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اولئك الذين آتينا هم الكتب والحكم (الآية)

امام فخر الدین رازی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: مخلوق پر حکم چلانے والوں کی تین قسمیں ہیں (پہلی دو قسمیں بیان کرنے کے بعد فرمایا) تیسری قسم انبیاء کرام ہیں یہ وہ حضرات ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے علوم و معارف عطا فرمائے ہیں جن کی بدولت وہ مخلوق کے باطنوں اور روحوں میں تصرف کر سکتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ قدرت اور اختیار عطا فرمایا ہے جس کی بناء پر وہ مخلوقات کے ظواہر میں تصرف کرتے ہیں، چونکہ وہ ان دونوں وصفوں کے جامع ہیں اس لئے وہی حاکم مطلق ہیں۔

﴿تفسیر کبیر: ۱۳/ ۶۷﴾[1]

---

(۱) اس مسئلے کی مزید تفصیل کیلئے دیکھئے "من عقائد اهل السنة" یا اس کا اردو ترجمہ "**عقائد و نظریات**" از راقم الحروف ۱۲ اشرف قادری ﴿

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

ایک فتویٰ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک مسجد کا امام کہتا ہے کہ ❶ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے جیسے سادہ انسان تھے اور آپ نور نہ تھے اور ❷ آپ کو علمِ غیب بھی نہ تھا ❸ آپ کو حاضر و ناظر جان کر یا رسول اللہ کہنا ناجائز ہے ❹ گیارہویں شریف وغیرہ ختم قل یہ سب شرک ہیں ❺ اذان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام سن کر انگوٹھے چومنا شرک ہے اور ❻ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ بھی تھا۔

کیا اس امام کے پیچھے اہل سنت و جماعت کی نماز جائز ہے کہ نہیں؟ اور ایسے شخص کو امام بنانا چاہیے کہ نہیں؟ مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق جواب عنایت فرمایا جائے۔

سائل عبدالسبحان، ہری پور ہزارہ

۷۸٦
۹۲

الجواب ہوالموفق للصواب

بعض علوم غیبیہ کا حصول حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے، لقولہ تعالیٰ تِلۡکَ مِنۡ اَنۡبَاءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ وَقَوۡلِہٖ تعالیٰ عَلَّمَکَ مَالَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمۡ ۔ لہٰذا جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مطلق علم غیب کا منکر ہو اُس کا ان آیات پر ایمان نہیں ہوگا۔ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

غلام رسول سعیدی جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور

الجواب وھو الموفق للصواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رَسُولہ الکریم وَعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین:

❶ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم سردار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کتنے علوم عطا فرمائے ہیں۔ان کا اندازہ وشمار انسان کی طاقت سے باہر ہے۔تاہم اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ آپ کو اس دار فانی سے رحلت فرمانے سے قبل ابتدائے آفرینشِ عالم سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک کے تمام امور اور جملہ حالات کا علم فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے آپ کو بے شمار علوم غیبیہ بھی عطا فرمائے۔ یہ علوم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر نہ تھے۔ بلکہ اُن علوم کا ایک حصّہ اور بعض تھے۔(۱)

تفسیر خازن میں ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہماری امت کو مٹی کی صورتوں میں ہمارے سامنے پیش کیا گیا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اُن کی اولاد پیش کی گئی تھی،اور ہمیں بتایا گیا کہ کون ہم پر ایمان لائے گا اور کون ہمارا انکار کرے گا؟ یہ بات منافقوں تک پہنچی۔تو انہوں نے اس کا مذاق اُڑایا۔اور کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ دعوے کرتے ہیں کہ میں اُن مومنوں اور کافروں کو جانتا ہوں۔جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔حالانکہ ہمارے بارے میں انہیں علم نہیں (کہ ہم منافق ہیں) جب یہ بات آپ کو پہنچی۔تو آپ نے منبر شریف پر کھڑے ہو کر فرمایا:

مَابَالَ اَقْوَامٍ طَعَنُوْافِیْ عِلْمِیْ لَاتَسْئَالُوْنِیْ عَنْ شَیْءٍ فِیْمَابَیْنَکُمْ وَبَیْنَ السَّاعَۃِ اَلَّانَبَّاْتُکُمْ بِہٖ۔

اُن لوگوں کا کیا حال ہے جو ہمارے علم پر اعتراض کرتے ہیں۔تم اس وقت سے لے کر قیامت تک کی جس چیز کے بارے میں سوال کرو گے۔ہم تمہیں اُس کی اطلاع دیں گے۔

حضرت عبداللہ نے کھڑے ہو کر پوچھا،میرا باپ کون ہے؟ فرمایا:حُذافہ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا۔یارسول اللہ ہم برضاو

---

(۱) تفسیر خازن، ج ۱،ص ۲-۳

خوشی اللہ تعالیٰ کو رب اور اسلام کو دین، قرآن کو امام اور آپ کو نبی مانتے ہیں۔ آپ ہمیں معاف فرمادیں۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم (میرے علم پر) طعن کرنے سے باز آجاؤ گے۔ کیا تم باز آجاؤ گے؟ پھر آپ منبر شریف سے نیچے تشریف لے آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے علم کی تائید کے طور پر یہ آیہ مبارکہ نازل فرمادی۔

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ۔''

کہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ عام لوگوں کو غیب کا علم دے، ہاں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے۔ (اور انہیں غیب کا علم عطا فرماتا ہے۔)(۱)

اس آیت اور حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علومِ غیبیہ کا عالم ہونا اور دنیا میں پیدا ہونے والی ہر چیز کا جاننا روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا۔ ورنہ اتنا بڑا چیلنج کہ قیامت تک جو چاہو پوچھو، ہم تمہیں بتائیں گے۔ کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

صاحب قصیدہ بردہ شریف علامہ شرف الدین بوصیری فرماتے ہیں:

''وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ۔'' یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوح وقلم کے علوم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہیں۔''

سبحان اللہ کس قدر وسعتِ علوم ہے۔

مولوی شبیر احمد عثمانی دیوبندی۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ کے تحت لکھتے ہیں:
یعنی پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے۔ ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے۔ یا اللہ کے اسماء وصفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیت وبطلان سے یا جنت ودوزخ سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان خبروں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا (۲)

---

(۱) تفسیر خازن: ۱/۳۰۲ (۲) حاشیہ قرآن شبیر احمد عثمانی ص ۷۶۴

❷ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جامع نورانیت وبشریت ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" اے حبیب! آپ فرمادیں کہ بہ ظاہر تو میں تم ایسا بشر ہوں۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: قَدْ جَاءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور کتاب مبین۔

اکثر مفسرین نے نور سے مراد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات شریف اور کتاب مبین سے قرآن مجید بیان کیا ہے صاحب روح المعانی نے تو یہاں تک کہا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے مراد ہے۔(۱)

قصیدہ بردہ شریف میں ہے:

وَكُلُّ آيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا ۔۔۔ فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمْ

انبیاء کرام جتنے معجزے بھی لائے وہ آپ ہی کے نور کی بدولت انہیں ملے تھے۔

اس شعر کی شرح میں مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی لکھتے ہیں کہ آپ ہی باعث ایجاد خلق ہیں کہ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِىْ (سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔)(۲)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔ یہ اشارہ اُس حدیث شریف کی طرف ہے جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اول مخلوق کون ہے؟ آپ نے فرمایا: کہ حق تعالیٰ نے اول تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔(۳)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جن کی آمد من اللہ نور" میں ہے ۔۔۔ نور اوّل کی طلعت پہ لاکھوں سلام

حضرت شیخ العارفین والکاملین پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) روح المعانی: ۶/۹۷) ۔۔۔ (۲) عطر الوردہ شرح قصیدہ بردہ، ص ۴۵ ۔۔۔ (۳) عطر الوردہ ص ۲۱

اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ میری ناقص رائے میں لفظ بشر مفہوماً و مصداقاً متضمن بکمال ہے، مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناقص سوائے اہلِ تحقیق و عرفان کے رسائی نہیں رکھتا۔ لہٰذا اطلاق لفظ بشر میں خواص بلکہ اخص الخواص کا حکم علیحدہ ہے۔ خواص کے لئے جائز اور عوام کے لئے بغیر زیادت لفظ دال بر تعظیم ناجائز۔*

یہ ہیں آپ کے کلمات شریفہ جن کا حاصل یہ ہے کہ لفظ بشر میں گو بزرگی اور کمال ہے لیکن عوام کالانعام کو یوں نہ کہنا چاہیے۔ کہ وہ صرف بشر تھے۔ یا وہابیہ کی طرح جہالت کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ: ''وہ تو ہم جیسے بشر تھے'' **نعوذباللّٰہ من ھذہ الخرافات**، بلکہ اگر کہنا ہو تو اس طرح کہو جیسے امام بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيهِ أَنَّهُ بَشَرٌ ۔۔۔ وَأَنَّهُ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

یعنی جہاں تک ہمارے ناقص علم کی رسائی ہے، وہ یہ کہ آپ بشر ہیں۔ (اس سے آگے ہمارا علم نہیں جا سکتا۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ وہ ہم جیسے بشر ہیں۔ نہیں بلکہ) وہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

یا یوں کہا جائے کہ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کہ اللہ تعالیٰ کے بعد اگر کسی کا مرتبہ ہے تو یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم آپ کا مرتبہ ہے۔ کیوں نہ ہو۔ آپ محبوبِ خدا جو ہیں۔

خیال رہے کہ علامہ بوصیری وہ مجسمۂ محبت ہیں کہ جب اطباء نے آپ کو فالج کی بیماری لاحق ہونے پر لا علاج قرار دے دیا، تو آپ نے اس ذات اقدس کی شان میں ایک قصیدہ لکھا۔ جن کی ایک نگاہِ عنایت سے ہزاروں بیماریاں دور ہو جائیں۔ رات کو آپ تو سو گئے مگر قسمت جاگ اُٹھی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ آپ نے قصیدہ مبارکہ سماعت فرمایا، آپ کے جسم پر دستِ اقدس پھیرا اور ایک چادر عنایت فرمائی۔ بیدار ہوئے تو چادر موجود تھی مگر فالج کا نام و نشان نہ تھا چونکہ بردہ عربی میں

چادر کو کہتے ہیں۔اس لئے اسے ''قصیدہ بردہ'' کہا جاتا ہے۔

3 حاضر وناظر کا معنی یہ ہے کہ قوۃ قدسیہ والی شخصیت ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح دیکھے یا مختصر وقت میں جہان کی سیر کر کے حاجت مندوں کی حاجت روائی کرے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا وَّدَاعِيًا إِلَى اللهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا۔

''اے غیب کی خبریں دینے والے نبی ہم نے آپ کو حاضر وناظر بنا کر بھیجا۔ڈر سنانے والا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور ضوفشاں آفتاب۔''

شاہد ''شھادۃ'' سے بنا ہے۔جس کا معنی واقعہ کو دیکھنا ہے۔چونکہ گواہ بھی واقعہ کو دیکھ کر بیان کرتا ہے۔اس لئے اسے شاہد کہا جاتا ہے۔نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی عالمِ غیب کا مشاہدہ فرما کر امت کو خبر دیتے ہیں۔اس لئے آپ کو بھی شاہد کہا گیا ہے۔

مشکوٰۃ شریف باب ''عذاب القبر'' میں ہے۔فیقولان ما کنت تقول فی ھذا الرجلِ محمد۔منکر ونکیر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے پوچھتے ہیں،تو ان کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟اس حدیث کے حاشیہ پر ہے۔بعض نے کہا کہ میت کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کرائی جائے گی۔اور یہ تو بہت بڑی خوشخبری ہے۔

ذرا اندازہ کریں کہ دنیا میں کہاں کہاں لوگ مرتے ہیں مگر سب کو آپ کی زیارت ہوتی ہے۔اور سب سے آپ کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:وَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ وَاِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلَيْهِ وَاَنَافِيْ مَقَامِيْ۔''تمہاری جائے ملاقات حوضِ کوثر ہے اور ہم اسی جگہ سے اسے دیکھ رہے ہیں۔''

(باب وفات النبی علیہ السلام)

ذرا وسعت نظر کا اندازہ کریں۔ فرش زمین پر بیٹھ کر حوضِ کوثر کو ملاحظہ فرمارہے ہیں۔ سبحان اللہ!

مولوی محمد قاسم نانوتوی دیوبندی لکھتے ہیں کہ "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ۔" کو بعد لحاظ صلہ من انفسھم کے دیکھئے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں۔ کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔(۱)

مولوی رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

ہم مرید بیقین ودااند کہ روح شیخ مقید بیک مکان نیست۔ پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگر چہ از شیخ دور است اما روحانیت او دور نیست۔ اھ
یعنی مرید کو یقین رکھنا چاہیے کہ شیخ کی رُوح کسی ایک مکان میں مقید نہیں۔ لہٰذا مرید قریب ہو یا دور اگر چہ وہ شیخ سے دور ہے۔ لیکن پیر کی روحانیت دور نہیں۔(۲)

سبحان اللہ اگر پیر کو اس قدر وسعت حاصل ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وسعتِ نظر کے بارے میں کیا خیال ہے؟

❹ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ وسعتِ نظر دی ہوئی ہے کہ قریب و بعید والوں کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی مسلّم ہے کہ اللہ والوں سے بعد وفات فیض حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ مولوی خلیل احمد دیوبندی لکھتے ہیں:۔

''اب رہا مشائخ کی روحانیت سے استفادہ اوران کے سینے اور قبروں سے باطنی فیض پہنچنا۔ سو بے شک صحیح ہے مگر اس طریقے سے جو اہل اور خواص کو معلوم ہے نہ اس طرز سے جو عوام الناس میں رائج ہے۔(۳)

---

(۱) تحذیر الناس، ص۳ (۲) امداد السلوک، ص۱۰ (۳) المہند، ص۲۱

تو ''یارسول اللہ'' کہنا اور آپ سے مدد طلب کرنا یقینا جائز ہوگا۔اسی لئے علامہ بوصیری قصیدہ بردہ میں عرض کرتے ہیں:

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِہٖ　　سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

''اے تمام مخلوق سے زیادہ محترم آپ کے سوا مصائب کے نزول کے وقت پر میرا کون ہے جس کی میں پناہ لوں؟''

5 ایصالِ ثواب اور گیارہویں شریف نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے،ایمان والوں کی ایک اچھی صفت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالَّذِیْنَ جَآؤُ مِنْ بَعْدِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ

بعد میں آنے والے کہتے اے ہمارے پروردگار تو ہمیں اور ہمارے اُن بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان کے ساتھ جا چکے ہیں۔

اگر دعا مانگنے کا کچھ بھی فائدہ نہیں تو دعا کرنے والوں کی تعریف کیوں کی جارہی ہے؟

امام اجل علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت سعد نے دربارِ نبوی میں حاضر ہوکر عرض کیا۔یارسول اللہ! میری والدہ فوت ہوگئی ہیں۔کیا اگر میں اُن کی طرف سے صدقہ دوں تو اُنہیں نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور یہ بھی فرمایا کہ تمہیں پانی صدقہ کرنا چاہیے (اس موقع پر پانی کی قلت تھی)۔

طبرانی ہی سے حضرت ابن عمرو کی روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نفلی صدقہ دے تو اپنے والدین کی طرف سے نیت کرلے والدین کو بھی ثواب مل جائے گا اور خود اس کے ثواب میں بھی کمی نہیں آئے گی۔(۱)

---

(۱) شرح الصدور،ص ۱۲۹

امام شعبی سے روایت ہے کہ جب انصار کا کوئی آدمی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر کے پاس جا کر قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔(۱)

جب قرآن مجید پڑھنے کا اور صدقہ دینے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ تو چاہے حضور غوث پاک کی گیارہویں ہو یا کسی اور عزیز کا ایصالِ ثواب، تیسرے دن ہو یا ساتویں دن، ہر صورت میں جائز ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ اس دن ہی ثواب پہنچے گا۔ اور آگے پیچھے نہیں۔ چنانچہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کہ دیوبندی بھی ان کے مرید ہیں اور انہیں پیر مانتے ہیں۔ فرماتے ہیں: نفس ایصالِ ثواب بارواحِ اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص وتعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب یا فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے۔ اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعثِ تقیید ہیئت کذائیہ ہے۔ تو کچھ حرج نہیں۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں اور گیارہویں شریف حضرت غوث پاک قدس سرہٗ اور دسواں، بیسواں، چہلم ششماہی، سالانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور سہ منی حضرت شاہ بوعلی قلندر رحمہ اللہ تعالیٰ اور حلوائے شب برات اور دیگر طریق ایصالِ ثواب کے اسی قاعدہ پر مبنی ہیں۔ اور مشرب فقیر کا اس مسئلہ میں یہ ہے۔ کہ فقیر پابند اس ہیئت کا نہیں ہے مگر کرنے والوں پر انکار نہیں کرتا۔(۲)

❻ اذان میں اشھدان محمدا رسول اللہ سن کر اپنے انگوٹھے یا انگشتِ شہادت کو چوم کر آنکھوں پر لگانا جائز ومستحب ہے۔ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ردالمحتار میں علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

یُسْتَحَبُّ اَنْ یُّقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْاُوْلٰی مِنَ الشَّهَادَةِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الثَّانِیَةِ مِنْهَا قُرَّتْ عَیْنِیْ بِکَ

---

(۱) شرح الصدور، ص ۱۳۰ (۲) فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۸، ۹، ۱۰

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِبَعْدَوَضْعِ ظُفُرَيِ الْاِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَاِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُوْنُ قَائِدًالَّهٗ اِلَى الْجَنَّةِ۔اھ

''اذان کی پہلی شہادت میں ''صلی اللہ علیک یارسول اللہ'' کہنا مستحب ہے۔دوسری شہادت سن کر کہے قَرَّتْ عَيْنِيْ بِكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ''اس کے بعد کہے'' اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ ''اوراپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کوآنکھوں پر رکھے۔تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُسے اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔

اس عبارت سے نہ صرف انگوٹھے چومنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے بلکہ ''یارسول اللہ'' کہنے کا استحباب بھی معلوم ہورہا ہے۔

7 رہا یہ کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔یہی علمائے اہل سنت کا مسلک ہے۔جب اس ذات اقدس کا نورمجسم ہوناواضح ہوگیا۔تو سائے کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا۔سایہ تو کثیف شے کا ہوتا ہے۔تاہم اختصار کے پیش نظر یہ کہہ دینا کافی ہے کہ فقہائے احناف کے جلیل القدر امام حضرت ملاعلی قاری رحمہ اللہ الباری فرماتے ہیں:

''اِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ خَصَائِصِهٖ اِنَّهٗ كَانَ نُوْرًا وَّكَانَ اِذَامَشٰى فِى الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَايَظْهُرُلَهٗ ظِلٌّ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ۔(۱)

''یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ آپ نور ہیں۔آپ جب دھوپ یاچاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا تھا۔''

---

(۱)شرح شفا:۱/۵۰۵

حرفِ آخر

اختصار کے ساتھ چند مسائل کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا موقف پیش کیا گیا ہے۔

1. علمِ غیب
2. مسئلہ نور
3. حاضر و ناظر
4. یا رسول اللہ کہنا
5. ایصالِ ثواب، گیارہویں شریف وغیرہ کا حکم
6. نبی اکرم ﷺ کا سایہ نہ تھا۔

ان مسائل کے بارے میں قرآنی آیات، احادیث، اور علمائے امت کے اقوال پیش کیے گئے ہیں۔ خصوصاً علماء دیو بند کی عبارات نقل کی گئی ہیں۔ تاکہ دیو بندی کہلوانے والوں اور دیو بندیوں سے تعلق رکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ ہمارے اکابر کیا کہتے تھے اور ہم کس راستے پر چل نکلے ہیں؟ تفصیل کے لئے علمائے اہل سنت خصوصاً اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی۔ حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب اور غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی کتب کا مطالعہ کریں۔

بنابریں ایسا شخص ہرگز امامت کے لائق نہیں جو کہتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم جیسے سادہ بشر تھے۔ آپ کو علمِ غیب بھی نہ تھا۔ وغیر ذلک ایسا شخص زجر و توبیخ کے لائق ہے۔ ہرگز ہرگز ایسے شخص کو اپنی مسجد کا امام نہ رہنے دیا جائے۔ اہل سنت و جماعت کے تمام اکابر علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔ کہ امام ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو صحیح سنی حنفی بریلوی ہو اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

محمد عبدالحکیم شرف قادری

اللہ تعالیٰ مجیب فاضل کو جزائے خیر عطا فرمائے، نہایت مسکت جواب تحریر فرمایا ہے۔

حررہ فقیر عزیز احمد قادری

خطیب جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

الجواب صحیحٌ والمجیب منیب واللّٰہ اعلم بالصواب۔

محمد انوار الاسلام غفرلہ القادری الرضوی البرکاتی

جامعہ نظامیہ رضویہ، رجسٹرڈ، لاہور

اجادفی ماافادالعلامۃ المجیب واللّٰہ تعالٰی ورسولہ الاعلٰی اعلم۔

فقیر قادری محمد اعجاز الرضوی عفی عنہ

خادم الحدیث دار العلوم جامعہ نعمانیہ لاہور

۹ رصفر ۱۳۸۹ھ

ھذاھو الحق وماذابعدالحق إلا الضلال۔

احقر العباد قاضی لطف الرحمٰن خطیب

جامع مسجد بازار مظفر آباد کشمیر

الجواب صحیح والمجیب مصیبٌ وماذابعدالحق الا الضلال۔

راقم ابوالحسین محمد قاسم عفی عنہ تعالٰی پارس

فاضل مجیب کا جواب عقائد اہل سنت وجماعت کے مطابق وصریح موافق حق ہے۔

سید عبداللہ شاہ رضوی

الجواب موافق للصواب۔ فقیر سید عبدالرحیم شاہ خطیب، کراچی

مبسلاًوحامداًومسلماومصلیا: جواب مذکور صحیح ہے۔

الجواب حق والحق احق ان یتبع

احقر محمد طیب الرحمٰن چھوہروی

فقیر نے جواب مذکور کا بغور مطالعہ کیا ہے بفضلہٖ عقائد حقہ اہل سنت کے مطابق پایا اللہ تعالٰی راقم الحروف کو دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کا موقع عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

الراقم عطا محمد قادری عفی عنہ

مدرس دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور ہزارہ

الجواب صحیح والمجیب نجیح

محمد عبدالمالک القمرنوی بقلم خود

مبلغ دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور ہزارہ

امام مذکور شانِ رسالت میں بے ادب و گستاخ ہے۔ اس کے پیچھے ہرگز ہرگز نماز نہ پڑھی جائے۔ اسے امامت سے علیحدہ کیا جائے۔ امام شرعاً صحیح العقیدہ و پابند شرع ہونا چاہیے۔

واللہ الموفق۔

ابوالخلیل محمد اسلم غفرلہ الاحد۔

جامعہ اسلامیہ انوارالعلوم ملتان

نوٹ۔۔ یہ فتویٰ ۱۳۸۹ھ ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ ہری پور سے شائع کیا گیا، جبکہ راقم وہاں صدر مدرس اور مفتی تھا۔ ۱۲ شرف قادری

اسلام میں عورت کا مقام

اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوقات میں سے انسان سرفہرست ہے، زمین کی تمام چیزیں اسی کے لئے پیدا کی گئیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

خلق لکم مافی الارض جمیعا (سورۂ بقرہ ۲، ۲۹)

''اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے ہی پیدا کی ہیں۔''

اسی لئے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی بقا کا اتنا زبردست انتظام کیا کہ بے شمار جنگوں اور حادثوں کے باوجود زمین کی سطح پر اب بھی تقریباً پانچ ارب انسان بس رہے ہیں۔

انسانی زندگی کے لئے مرد اور عورت دو پہیوں کی حیثیت رکھتے ہیں، اسلام نے جہاں مرد کو بہت سی عزتیں اور سرفرازیاں عطا کی ہیں، وہیں عورت کو بھی بڑے اعزاز و اکرام سے نوازا ہے، آیندہ سطور میں ہم اُن عظمتوں کی ایک جھلک پیش کرنا چاہتے ہیں جو اسلام نے عورت کو عطا کی ہیں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اسلام میں عورت کا مقام کیا ہے؟

اسلام کی اہم خصوصیت مردوزن کی مساوات

قدیم یورپ بلکہ دنیا میں عورت کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، قدیم علماء اور فلاسفہ اس قسم کی بحثوں میں ذہنی توانائیاں صرف کرتے رہے کہ کیا عورت میں بھی روح ہوتی ہے؟ اگر اس میں روح ہوتی ہے تو وہ انسانی روح ہے یا حیوانی؟ اگر انسانی روح ہے تو مرد کے مقابلے میں اس کا صحیح معاشرتی مقام کیا ہے؟ کیا عورت پیدائشی طور پر ہی مرد کی غلام ہے یا اس کا مقام غلام سے کچھ اونچا ہے؟

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے انسانو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا

کیااوراسی سے اس کی شریک حیات بنائی اوران دونوں سے بہت سے
مرد پیدا کئے اور بہت سی عورتیں پیدا کیں۔'' (۱/۴)

عورت کا یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ اسے انسانیت کی عمارت کے دوستونوں میں سے ایک ستون قرار دیا گیا ہے، اوراسے جان، مال، عزت وآبرواور مال وجائیداد کے حقوق مرد کے برابر دئے ہیں، لہٰذا یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ اسلام عورت کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ جس طرح یہ کہنا صحیح نہیں کہ دونوں میں کلی مساوات ہے۔

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا خاتمہ

اسلام کی آمد سے پہلے لڑکی کی پیدائش کو اتنا برا سمجھا جاتا تھا کہ لڑکی کا باپ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے منہ دکھانے کے قابل نہیں سمجھتا تھا، قرآن پاک میں ہے:

جب ان میں سے کسی ایک کو لڑکی کی پیدائش کی اطلاع دی جاتی ہے تو
اس کا چہرہ (مارے شرم کے) سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ جل بھن جاتا ہے
وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اُس بیٹی کو برا جاننے کی وجہ سے جس کی
اسے طلاع دی گئی ہے (اور وہ سوچتا ہے کہ) ذلت برداشت کر کے
اسے اپنے پاس رکھ لوں یا زمین میں گاڑ دوں۔ (۱۶/ ۶۹۔۵۸)

بہت سے بدبخت تو ایسے تھے جو گڑھا کھود کر زندہ بچیوں کو اس میں دبا دیتے تھے، قرآن پاک میں ہے:

اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں
قتل کی گئی؟ (۸۱/ ۹۔۸)

یہ تو اسلام نے اس رسم بد کا خاتمہ کیا اور بیٹی کو بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا گیا۔

ایک خادمہ بڑی خوش خوش جا رہی تھی، کسی نے پوچھا بڑی خوش ہو، کہاں جا رہی ہو؟ اس نے بتایا کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے، اس کی اطلاع دینے جا

رہی ہوں، پوچھنے والے نے دوبارہ سوال کیا کہ اتنی بُری خبر لے کر جا رہی ہو، تو خوشی کس بات کی؟ اس نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پہلے بھی بیٹی پیدا ہوئی تھی تو انہوں نے اس وقت بھی خوشی منائی تھی ——— اور یہ بہت بڑا انقلابی اقدام تھا۔

فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصر سے خط لکھا کہ دریائے نیل کا پانی خطرناک حد تک کم ہو جاتا ہے، اس کا علاج یہ کیا جاتا ہے کہ ایک دوشیزہ کو آراستہ و پیراستہ کر کے دریا کے سپرد کر دیا جاتا ہے، تب اس کا پانی معمولی کی سطح تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم نے سختی کے ساتھ اس ظالمانہ رسم سے منع کیا اور ایک پرچہ دریا کے نام لکھ کر دیا، وہ دریا میں ڈالا گیا تو راتوں رات اس کے پانی میں سولہ ہاتھ کا اضافہ ہو گیا اور اس کے بعد کبھی خشک نہیں ہوا۔

عصمت فروشی کی ممانعت

اسلام سے پہلے عورت کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی، اس کی حیثیت صرف اتنی تھی کہ اس کے ذریعے حیوانی خواہشات پوری کی جائیں اور چند سکے اس کے دامن میں ڈال دئے جائیں، ایسی صورت میں رشتوں کا تقدس کیسے قائم ہو سکتا تھا اور خاندانی نظام کیسے برقرار رہ سکتا تھا؟ وہی صورت آج یورپ کے مادر پدر آزاد معاشرے میں پیدا ہو چکی ہے، یہ اسلام ہی تھا جس نے پیغام دیا:

> اے محبوب! فرما دیجئے کہ میرے رب نے کھلی اور خفیہ بدکاریوں کو حرام قرار دیا ہے۔ (۷/۳۳)

صرف یہی نہیں بلکہ زنا کاری پر شدید سزائیں مقرر کیں، یہی وجہ ہے کہ آج چودہ سو سال گزرنے کے باوجود مشرق میں مغرب جتنی بے حیائی نہیں ہے، ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو یورپ کے لوگ انہیں ''اولڈ ہاؤس'' میں جا کر جمع کرا دیتے ہیں، تا کہ ہمارے

رنگ میں بھنگ نہ ڈالیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔'' اور یہ بھی فرمایا کہ ''ماں باپ تیرے لئے جنت بھی ہیں اور دوزخ بھی'' یعنی ان کی خدمت کر کے تم جنت حاصل کر سکتے ہو اور انہیں ناراض کرو گے تو دوزخ کا ایندھن بنو گے۔

عزت وعظمت کی معراج

بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ ماجدہ کو اے عورت کہہ کر مخاطب کرتے تھے (دیکھئے یوحنا باب ۱۹، آیہ ۲۶) لیکن مسلمان کتنا ہی بدعمل ہو اپنی ماں کے ساتھ ایسا اندازِ تخاطب اختیار نہیں کرے گا۔

مجھے صوفی اللہ دین رحمہ اللہ تعالیٰ کی بات نہیں بھولتی، وہ ہندو سے مسلمان ہوئے تھے اور بھاٹی دروازہ، لاہور کے اندر رہتے تھے انہوں نے بتایا کہ میں اپنی والدہ کے پاؤں دھو کر پانی بوتل میں بند کر کے رکھ لیتا ہوں اور وہی پیتا رہتا ہوں اور جب وہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر ان کے پاؤں دھو کر بوتل میں محفوظ کر لیتا ہوں۔

عزت واحترام

بعض لوگ اپنی جہالت کی بنا پر غریب یا کمزور آدمی کا تمسخر اڑاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے رویئے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے:

> اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا تمسخر نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ (اللہ کے نزدیک) تمسخر اڑانے والوں سے بہتر ہوں، اور عورتیں عورتوں کا تمسخر نہ اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں، ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو، ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو، ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو اور پس پشت برائی نہ کرو۔ (۴۹/۱۱)

ان آیات میں مردوں کی طرح عورتوں کی عزت نفس کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا

ہے۔اسلام نے مردوں سے بڑھ کر عورتوں کی پرائیویسی کی حفاظت کا اہتمام کیا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے گھروں میں اجازت حاصل کرنے اور اہل خانہ کو سلام کہنے کے بغیر داخل نہ ہو۔ (۲۴/ ۲۷)

اسی طرح آخرت کے اجروثواب میں بھی عورتیں مردوں کے برابر ہیں، ارشاد ربانی ہے:

اللہ نے ان کی دعا کو قبول کر لیا کہ میں تم میں سے کسی مرد یا عورت کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔ (۳/ ۱۹۵)

اسلام نے عورت کو اتنا تقدس دیا ہے کہ غیر مرد اسے چھو نہیں سکتا، جب تک کہ اس کا محرم یا شوہر نہ ہو، ایک خاتون نے مصافحہ کرنے کے لئے اپنا ہاتھ ایک عالم کی طرف بڑھایا تو انہوں نے مصافحہ نہیں کیا اور اس خاتون کو کہا کہ آپ محسوس نہ کریں ہم مسلمان قرآن پاک کے تقدس کے پیش نظر اسے بغیر وضو کے نہیں چھوتے اور عورت کے تقدس اور احترام کے طور پر اسے بغیر نکاح کے ہاتھ نہیں لگاتے۔

وراثت اور جائداد کا حق

اسلام میں مرد کی طرح عورت بھی اپنے والدین، شوہر اور دوسرے رشتے داروں کی وراثت میں سے حصے دار بنتی ہے اور اپنی ملکیت (بصورت کرنسی ہو یا جائداد) میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتی ہے، فروخت کرے، کرائے پر دے، ہبہ کر دے، پٹے پر دے، غرض جس طرح کا تصرف کرنا چاہے اسے براہِ راست اختیار ہے، اسلام کی طرف سے عورت کو یہ حقوق مل جانے کے گیارہ سو سال بعد بھی یورپ میں اسے قانونی طور پر یہ حقوق حاصل نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ماں باپ اور قریبی رشتے دار جو مال چھوڑ جائیں اس میں مردوں کا
حصہ ہے، اسی طرح ماں باپ اور قریبی رشتے داروں کے ترکے میں
عورتوں کا بھی حصہ ہے۔ (۴/ ۷)

دوسری جگہ فرمایا:

مردوں کے لئے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی
کمائی کا حصہ ہے۔ (۴/ ۳۲)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسے اپنی ملکیت میں تصرف کرنے کے لئے باپ، بیٹے، بھائی یا شوہر کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔

عائلی زندگی

عورت کی زندگی کا اہم مسئلہ شادی اور نکاح ہے، اس میں اس کی آزادی کا یہ عالم ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے صراحۃ اجازت لی
جائے اور کنواری کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی
جائے، عرض کیا گیا اس کی اجازت کس طرح ہوگی؟ (وہ تو بولے گی
نہیں) فرمایا: اس کی خاموشی ہی اجازت ہے۔ (مشکوۃ شریف، ص ۲۷۰)

ایک صحابیہ حضرت خنساء بنت خدام رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثیبہ (شوہر دیدہ) تھیں ان کی ناپسندیدگی کے باوجود ان کے والد نے ان کا نکاح کر دیا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کی تو آپ نے ان کا نکاح کینسل کر دیا۔

(مشکوۃ شریف، ص ۲۷۰)

یورپ نے عورت کو یہ حق بہت بعد میں یعنی اٹھارویں صدی میں دیا، اسی طرح اسلام سے پہلے عورت اپنے شوہر کی پابند ہوتی تھی اور شوہر کو اس پر کلی اختیار حاصل ہوتا تھا،

اس کا شوہر اگر نامرد، خصی یا مقطوع الذکر، یا مجنون یا عمر قید کا قیدی ہوتا تو ان حالات میں انجیل (بائبل) میں اس کی خلاصی کی کوئی صورت نہیں تھی سوائے اس کے کہ وہ زنا جیسے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے۔ (دیکھئے متی باب ۵۔ آیہ ۳۲ باب ۱۹، آیہ ۹)

لیکن اسلام نے اسے آزادی دی ہے کہ شوہر نے اسے جو حق مہر وغیرہ دیا ہے اسے واپس کر کے خلع کر لے اور اس طرح طلاق حاصل کر لے یا اگر اس کا شوہر حقوق زوجیت ادا نہیں کر سکتا تو اسلامی جج اس کا نکاح کینسل کر دے گا۔

اسلام سے پہلے عورت بے کسی اور مظلومیت کی تصویر مجسم تھی، شوہر اسے طلاق دے دیتا اور جب اس کی عدت ختم ہونے والی ہوتی تو اس سے رجوع کر لیتا اور یہ سلسلہ ان گنت طلاقوں تک جاری رہتا، اسلام نے اعلان کر دیا کہ دو طلاقوں کے بعد تو رجوع ہو سکتا ہے، تیسری دفعہ طلاق دے دی تو اب رجوع نہیں ہو سکتا۔ (۲/۲۲۹)

اسی طرح شوہر کے فوت ہو جانے کے بعد اس کے وارث اس کی بیوی کے حق دار ہوتے تھے، ان میں سے کوئی چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا، چاہتا تو کسی دوسرے سے نکاح کر دیتا اور اگر چاہتا تو اس کا نکاح نہ کرتا، یعنی وہ شوہر کے وارثوں کے رحم و کرم پر ہوتی تھی، خود اسے یا اس کے رشتے داروں کا کوئی اختیار نہیں ہوتا تھا۔

اسلام نے صاف اعلان کر دیا کہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔ (بخاری شریف، ص ۶۵۸)

اسلام سے پہلے یہ بھی رواج تھا کہ باپ کے فوت ہو جانے کے بعد اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کر لیتا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تمہارے باپ دادا نے جن عورتوں سے نکاح کیا ہے تم اُن کے ساتھ نکاح نہ کرو۔ (۴/۲۲)

غرض یہ کہ ہر پہلو سے عورت کی عزت اور اس کے احترام کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اب چند احادیث مبارکہ بھی سن لیں جن سے بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کا سبق ملتا ہے۔

❶ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں دے دی گئیں۔ اس نے ارادہ کیا کہ کھجور کے درختوں کا پھل اتارے، کسی شخص نے اسے گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا اس نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا تم پھل اتار سکتی ہو اس طرح ہو سکتا ہے کہ تم پھر صدقہ دو یا کوئی اور نیک کام کرو۔

(مشکوٰۃ شریف، ص ۲۸۸)

❷ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی تو میں نے آپ کے ساتھ دوڑ لگائی اور آگے نکل گئی، پھر جب میرا جسم کس قدر بھاری ہو گیا تو پھر دوڑ لگائی اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے، آپ نے فرمایا: چلو حساب برابر ہو گیا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۲۸۱)

❸ حبشی مسجد نبوی میں فن حرب کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا ان کا مظاہرہ دیکھو گی؟ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑی ہو گئیں اور آپ نے انہیں اپنی چادر میں چھپا لیا اس طرح کافی دیر تک وہ مظاہرہ دیکھتی رہیں۔ (مفہوما) (بخاری شریف، ص ۷۸۸)

ان احادیث مبارکہ کا مطالعہ کیجئے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں اسلام تو عورتوں کو قیدی بنا کر رکھتا ہے وہ حقیقت حال سے بے خبر ہیں، دراصل بات یہ ہے کہ اسلام حاجت یا ضرورت کی بنا پر عورت کو گھر سے باہر نکلنے سے منع نہیں کرتا، ہاں اسلام یہ کہتا ہے کہ بن ٹھن کر، اپنے جسم اور حسن کی نمائش کرتے ہوئے دور جاہلیت کے طریقے پر مت نکلو۔ (۳۳/۳۳)

گفتگو بہت طویل ہو گئی ہے، ابھی اس موضوع پر بہت کچھ بیان کرنے کی

ضرورت ہے، خصوصاً ان مسائل پر اظہار خیال کی ضرورت ہے جن میں مرد اور عورت میں فرق ہے۔ مثلاً وراثت میں عورت کا حصہ، عورت کی دیت اور اس کی گواہی، اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو پھر کسی وقت اس موضوع پر کچھ لکھوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

نوٹ:۔ اس مقالے میں علامہ نور بخش توکلی کی کتاب ''سیرت رسول عربی'' اور سید قطب کی کتاب ''اسلام اور جدید ذہن کے شبہات'' سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

یونان سے علامہ محمد اسلم شہزاد کی فرمائش (۲۴ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ/ ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۵ء) پر یہ مقالہ سپرد قلم کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضرورتِ پردہ

نحمدہٗ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

اس موضوع کی حمایت اور مخالفت میں بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے، اس کے باوجود ضروری ہے کہ بحیثیت مسلمان ہم خدا اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے احکام کا مطالعہ کرتے رہیں اور ان میں غور وفکر کر کے نہ صرف خود ان پر عمل پیرا ہوں بلکہ اپنے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو ان سے آگاہ کرتے رہیں، اس وقت ہمارا خطاب مسلمانوں سے ہے، خدا کرے کہ یہ چند کلمات ہماری مسلمان بہنوں اور بھائیوں کے لئے فائدہ مند ثابت ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ جہاد وہ اہم ترین عمل اور عبادت ہے جو مسلمانوں کی بقا اور ترقی کی ضمانت ہے، مسلمان جب تک مصروفِ جہاد رہے ان کی ترقی کا عمل جاری رہا، پہاڑ اور دریا ان کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکے، اور جب انہوں نے جہاد سے منہ موڑ کر عیش وطرب کی محفلیں سجانا شروع کر دیں اور نفسانی خواہشات نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا تو ان کے پاؤں اکھڑنے لگے اور شکست ونامرادی ان کا مقدر بن گئی۔

اسی لئے علامہ اقبال نے کہا تھا:

آ تجھ کو بتاؤں میں، تقدیرِ اُمم کیا ہے؟
شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

غیر مسلم اقوام ہمیشہ اس بات سے خائف رہی ہیں کہ کہیں مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بیدار نہ ہو جائے اگر ایسا ہو گیا تو یہ متحد ہو کر ناقابلِ تسخیر بن جائیں گے اور دنیا کی کوئی طاقت ان کی پیش قدمی کو روک نہیں سکے گی۔

اس خطرے سے بچنے کے لئے کئی سازشیں کی گئیں، مسلمانوں میں افتراق کا بیج بویا گیا اور وحدتِ ملی کو پارہ پارہ کیا گیا تاکہ نہ یہ متحد ہوں اور نہ ہی ہمارے لئے خطرہ بن سکیں، پردے کو صحت کے منافی قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ جب تک پردہ باقی رہے گا اس وقت تک ترقی یافتہ معاشرہ معرضِ وجود میں نہیں آ سکتا، عریانیت اور فحاشی کو ثقافت قرار دیا گیا، راگ رنگ، ناچ اور گانے کو اعلیٰ سوسائٹی کی علامت قرار دیا گیا۔

اس سازش کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے بچوں اور جوانوں کو شرم وحیا اور غیرت سے یکسر عاری کر دیا جائے اور جو قوم ان اعلیٰ صفات سے محروم ہو جائے وہ چنگ و رباب سے تو دل بہلا سکتی ہے، لیکن میدانِ جنگ میں شمشیر وسناں سے کھیلنا اور دادِ شجاعت دینا اس کے بس کا روگ نہیں رہتا۔

حضرت محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ غیرت وحمیت کے پیکر تھے، ان کا دل نورِ ایمانی سے منور تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ خطۂ سندھ میں گرفتار بہنوں کی فریاد سن کر ساڑھے تین ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے باب الاسلام سندھ پہنچے اور اپنی بہنوں کو رہا کرا کے دم لیا، آج ہماری کتنی بہنیں ہیں جو ہندوستان میں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ ذلت ورسوائی کی زندگی بسر کر رہی ہیں، فلسطین اور افغانستان کی مظلوم بہنوں کی دل دوز چیخیں آسمان تک پہنچ رہی ہیں مگر ہے ہم میں کوئی محمد بن قاسم اور طارق بن زیاد ایسا جیالا جو اپنی بہنوں کی فریاد پر لبیک کہہ سکے۔

پاکستان خدا اور رسول اور اسلام کے نام پر بنا تھا، آج اکتالیس سال کا طویل عرصہ گزارنے کے باوجود،

- کیا ہم ملکِ پاک میں نظامِ اسلام اور نظامِ مصطفیٰ کو نافذ کر سکے ہیں؟
- کیا ہم نظامِ تعلیم کو اسلامی سانچوں میں ڈھال سکے ہیں؟
- کیا ہماری تہذیب، ہماری ثقافت، ہمارا معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا جا سکا ہے؟

○—— کیا ہم قیامِ پاکستان کے زمانے کی نسبت آج بہتر مسلمان ہیں؟

اگر نہیں تو ہم اللہ تعالیٰ اس کے حبیب اکرم ﷺ اور شہداءِ پاکستان کو کیا منہ دکھا سکیں گے؟

آج کیفیت یہ ہے کہ مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے، سینما ہال آباد ہیں، فائیو سٹار ہوٹل آباد ہیں، مخلوط پارٹیاں پُر رونق ہیں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں پڑھ رہی ہیں بلکہ گروپوں کی صورت میں دوسرے شہروں میں پکنک منانے کے لئے جاتے ہیں، بازاروں میں مکمل آرائش و زیبائش کے ساتھ بے حجابانہ خریداری اور مٹر گشت کی جاتی ہے اور کوئی انہیں روکنے والا نہیں۔

گلی گلی، کوچہ کوچہ وڈیو سنٹر قائم ہو چکے ہیں اور ایسی ایسی فحش اور عریاں تصویریں آویزاں ہوتی ہیں کہ غیرت سر پیٹ کر رہ جاتی ہے۔

اخبارات، جرائد اور ٹی وی پر ہر اشتہار کے ساتھ عورت کی تصویر شامل کر کے عورت کو پبلسٹی کا سامان بنا دیا گیا ہے، یہ طریق کار عورت کا استحصال ہے اور اس کی بدترین توہین ہے، اسلام نے عورت کو وہ تقدس اور شرف عطا کیا ہے کہ جنت اس کے پاؤں کے نیچے ہے، وہ نوع انسانی کی افزائش کا مرکزی کردار ہے، اس کی آغوش سب سے پہلی اور اہم ترین درسگاہ ہے، نپولین نے کہا تھا:

''مجھے بہترین مائیں دو میں تمہیں بہترین سپاہی فراہم کروں گا''۔

حضرات گرامی!

اسلام کی نظر میں ہر مرد اور عورت ذمہ دار ہے، لیکن زیادہ ذمہ داری مرد کی ہے:

○—— وہ باپ ہے تو اولاد کو اسلامی احکام اور اخلاق سے روشناس کرائے

○—— بھائی ہے تو احکام اسلام بجالانے میں بہن کا مددگار ہو اور

○—— شوہر ہے تو اپنی بیوی کو اسلامی راستے پر چلنے کا پابند بنائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِذَا سَأَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَاب

''جب تم امہات المؤمنین سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے پیچھے ہو کر مانگو۔''

غور کیجئے کہ نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں، کسی مسلمان سے یہ متصور نہیں ہو سکتا کہ ان کی طرف میلی نگاہ اٹھا کر دیکھے۔ اس کے باوجود حکم دیا گیا ہے کہ ان سے بھی کوئی چیز مانگنا ہے تو پسِ پردہ کھڑے ہو کر مانگو، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دوسری عورتوں کے لئے پردہ کس قدر ضروری ہو گا؟

پٹرول پمپ پر آگ جلانے سے سختی کے ساتھ منع کیا جاتا ہے کیونکہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں پٹرول کا ذخیرہ آگ نہ پکڑ لے، یہی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب عورت کسی نامحرم کے سامنے ضرورت شرعیہ کے بغیر جائے تو خطرہ ہے کہ اس کے جذبات میں ہیجان پیدا کر دے گی، اس کے ازدواجی تعلقات کو ٹھیس پہنچائے گی۔ اور اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو اس کی سوچ اور فکر کو غلط راستوں پر ڈال دے گی اور اس کے بعد جو خرابیاں پیدا ہوں گی وہ محتاج بیان نہیں ہیں۔ اسلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف برائی کو نہیں روکتا بلکہ برائی کی طرف جانے والے راستوں کو بھی بند کرتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ ایک لڑکے کے بارے میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابن زمعہ میں اختلاف ہو گیا، حضرت سعد کہتے تھے کہ یہ میرے بھائی عُتبہ کا دورِ جاہلیت کا ناجائز بیٹا ہے، لہذا میرے سپرد کیا جائے، ابن زمعہ کا موقف تھا کہ یہ میرے باپ کی کنیز کا بیٹا ہے، لہذا اسے میں اپنے پاس رکھوں گا، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہوا، آپ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ ابن زمعہ کا بھائی ہے، لیکن اس لڑکے میں عتبہ کی مشابہت پائی جاتی تھی، اس لئے ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا کہ ''تم اس سے پردہ کرو''، چنانچہ تا زیست اس لڑکے نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نہیں دیکھا۔

اندازہ فرمایئے کہ قانون کے مطابق وہ لڑکا حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھائی قرار پاتا ہے چونکہ اس لڑکے کی عتبہ کے ساتھ مشابہت پائی جاتی تھی، احتمال تھا کہ وہ عتبہ ہی کا بیٹا ہو، نبی اکرم ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس سے پردے کا حکم دیا، تو جو مرد، عورت کے لئے ہو ہی اجنبی، اس سے پردہ کرنے کا حکم کتنا سخت ہوگا؟

امام احمد اور امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جہنم والوں کی دو قسموں کو میں نے نہیں دیکھا:

❶ وہ لوگ جن کے پاس گائے کی دم ایسے چابک ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔

❷ وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود، عریاں ہوں گی، خود مائل ہونے والی، دوسروں کو مائل کرنے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کی ایک جانب جھکی ہوئی کوہانوں کی طرح ہوں گے —— وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور اس کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنے اتنے فاصلے سے محسوس کی جائے گی۔''

دوسری قسم کے بارے میں غور کیجئے کہ یہ غیب کی خبروں میں سے ایک خبر ہے کیونکہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اگرچہ اس قسم کو دیکھا نہیں، لیکن خدا داد علم کی بنا پر اس کی خبر دی کہ وہ عورتیں کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی لیکن ان کا چست باریک لباس پردہ داری میں ناکام ہوگا اور جسموں کے نشیب و فراز اور فتنے کے مقامات کو نمایاں کرنے میں اہم کردار ادا کرے گا، ان کی کشش، عابدِ شب زندہ دار کو بھی ان کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دے گی اور انہوں نے بالوں کو اپنے سروں پر اس طرح جمایا ہوا ہوگا جیسے اونٹ کی کوہان ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور باوجودیکہ جنت کی خوشبو دور دراز

سے محسوس کی جائے گی لیکن وہ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گی۔"

خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والی بہنوں اور بیٹیوں سے گزارش ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے احکام کا مطالعہ کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں اسی میں ان کی عزت ہے اور اسی میں سلامتی ہے۔

حکومت کی بھی ذمہ داری ہے کہ:

- خواتین کے لئے الگ یونیورسٹیاں اور درس گاہیں قائم کرے۔
- مخلوط اور بے حجابانہ اجتماعات کو خلاف قانون قرار دے۔
- اخبارات، رسائل اور ٹی وی پر عورت کو بطور جنسی چٹخارہ پیش کرنے کو ممنوع قرار دے۔
- عریاں اور فحش لٹریچر پر پابندی عائد کرے۔

وما علینا الا البلاغ

یہ مقالہ ۲۲ رشعبان المعظم مطابق ۹ راپریل ۱۹۹۸ء کو منعقد ہونے والی اصلاح معاشرہ کانفرنس، لیاقت باغ راولپنڈی کے لئے لکھا گیا۔

سانس لینے کے مسائل

(احادیث مبارکہ کی روشنی میں)

تمہیداً یہ ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

''جو کچھ رسول تمہیں دیں، لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔''

(الحشر:۵۹/۷)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جو حرام فرمایا وہ حرام ہے اور ''مَاسَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفُوٌ'' اور جس چیز سے سکوت فرمایا ہے وہ معاف ہے۔''(۱)

سانس لینے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

جہاں تک راقم کا مطالعہ ہے اس بارے میں سرکار دو عالم ﷺ کا کوئی حکم نہیں مل سکا کہ سانس منہ سے لیا جائے یا ناک سے۔

بیالوجی/علم حیاتیات نے جو یہ بتایا ہے کہ سانس، ناک کے ذریعے لینا چاہیے اور منہ کے ذریعے چھوڑنا چاہیے۔ تو چونکہ اس سلسلے میں کوئی واضح حکم معلوم نہیں ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ منہ سے سانس لیں یا ناک سے، دونوں طرح اجازت ہے اور علم حیاتیات کا بیان کردہ فارمولہ سنت کے مخالف نہیں ہے۔ البتہ حدیث شریف کے اشارات سے ناک کے ذریعے یا منہ کے ذریعے سانس لینے کا ثبوت ملتا ہے۔

❶ حضرت صفوان بن یعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام جعرانہ میں نبی اکرم ﷺ کی اس وقت زیارت کی جب آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی ان کا بیان ہے کہ وَهُوَ يَغِطُّ آپ خراٹے لے رہے تھے (جیسے سویا ہوا آدمی لیتا ہے)(۲)

---

(۱) مشکوٰۃ، عربی ص ۳۶۳ (۲) بخاری شریف، عربی، ج ۱، ص ۲۰۸

ظاہر ہے کہ سویا ہوا آدمی ناک ہی سے سانس لیتا ہے بشرطیکہ ناک بند نہ ہو۔

❷ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے ایک شخص نیند سے بیدار ہو پھر وضو کرلے تو اسے چاہیے کہ تین مرتبہ پانی ناک میں چڑھا کر واپس گرائے فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَبِیْتُ عَلٰی خَیْشُوْمِہٖ۔ اس لیے کہ شیطان اس کے نتھنے پر رات گزارتا ہے۔(۱)

ظاہر ہے کہ ناک کے ذریعے سانس لینے سے فضا میں اڑنے والے ذرات نتھنے پر جم جائیں گے اور ایسی میلی کچیلی جگہیں ہی شیطان کی پسندیدہ ہیں۔ لہذا شریعت اسلامیہ نے ناک میں پانی چڑھانا غسل میں فرض اور وضو میں سنت قرار دیا۔ لیکن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے:

فَنَامَ حَتّٰی نَفَخَ آپ سو گئے حتی کہ منہ کی جانب سے سانس لیا۔(۲)

نفخ کا معنی پھونک مارنے کے ہیں اور پھونک منہ ہی سے ماری جاتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ از روئے سنت کوئی پابندی نہیں، لہذا اگر علم حیاتیات والوں کی ہدایت پر عمل کیا جائے تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔

☆ کیسی فضا میں سانس لینا چاہیے، کیسی آب و ہوا سے اجتناب کرنا چاہیے؟ تو اس بارے میں یہ اصول پیشِ نظر رہے کہ فضا ایسی نہیں ہونی چاہیے جہاں بیماروں کی رہائش ہو، بخاری شریف میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''لَا یُوْرَدُ الْمُمَرِّضُ عَلَی الْمُصِحِّ(۳)

کسی بیمار کو کسی تندرست پر وارد نہ کیا جائے۔ یعنی جس کمرے میں تندرست رہتا ہو وہاں بیمار کو لے جا کر نہ ٹھہرایا جائے، تاکہ فضا آلودہ نہ ہو جائے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ قبیلہ ثقیف کے وفد میں ایک جذامی (کوڑھی)

---

(۱) مشکوٰۃ شریف، عربی، ص ۴۵ (۲) مشکوٰۃ شریف، ص ۱۰۶ (۳) بخاری شریف، ص ۸۵۹

تھا نبی اکرم ﷺ نے اسے فرمایا کہ تو واپس جا، ہم نے تجھے بیعت کر لیا۔ (اِرْجِعْ فَقَدْ بَایَعْنَاکَ) یہ بھی حدیث میں ہے کہ جب تم سنو کہ کسی علاقے میں طاعون ہے تو وہاں داخل نہ ہو۔ (۱)

نیز فضا متعفن اور بدبودار نہیں ہونی چاہیے، اسلام میں وضو، مسواک اور ناک میں پانی چڑھانے کی اہمیت روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ اس طرح انسان کا منہ خوراک کے ذرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ بلکہ ان کے اجتماع سے جو منہ میں بدبو پیدا ہوتی ہے وہ بھی دور ہو جاتی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''ہمیں تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں پسند ہیں ان میں سے ایک خوشبو ہے۔'' (۲)

آپ ﷺ کا جسد اقدس اور پسینہ قدرتی طور پر خوشبودار تھا۔ اس کے باوجود خوشبو کا استعمال پسند فرماتے، تاکہ ماحول معطر ہو۔ علاوہ ازیں باغ کی کھلی فضا کو پسند فرماتے۔ (۳)

رسول اللہ ﷺ کو یہ بات سخت ناپسند تھی کہ آپ سے ناپسندیدہ بو محسوس کی جائے۔ (۴)

پیاز اور لہسن کھا کر مسجد کے قریب آنے سے منع فرمایا۔ (مشکوٰۃ شریف ۶۹)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خود محنت مشقت کیا کرتے تھے۔ ان ہی کپڑوں میں جمعہ پڑھنے کے لئے آ جاتے، جب مسجد میں اکٹھے ہوتے تو انہیں پسینہ آتا اور ان سے مختلف بوئیں اٹھتیں۔

---

(۱) بخاری شریف، ص ۸۵۳

(۲) دیکھیے فیض القدیر شرح جامع صغیر، از: امام عبدالرؤف مناوی، ج ۲/ ۲۷۰

(۳) مشکوٰۃ شریف، ص ۱۵، نیز ص ۵۶۳، بخاری شریف، ص ۵۱۹

(۴) بخاری شریف کتاب الحیل

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

کتنا اچھا ہوتا کہ تم اس دن کے لئے غسل کر لیتے۔ (بخاری شریف، ج ۱ص ۱۲۳)

بلکہ خوشبو لگانے کی بھی ترغیب دی۔ (بخاری شریف، ج ۱ص ۱۲۱)

اِن احادیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ماحول کو تعفن سے بچانے کا اہتمام کیا ہے اور درس دیا ہے کہ ماحول کو خوشگوار اور معطر بناؤ۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مشکیزے کے منہ کو الٹ کر اور منہ لگا کر پانی پینے سے منع فرمایا:

''نَھٰی رسول اللّٰہ ﷺ عَنِ اخْتِنَاثِ الْاَسْقِیَۃِ وَزَادَفِی رِوَایَۃٍ وَاخْتِنَاثُھَااَنْ یُقْلَبَ رَأْسُھَاثُمَّ یَشْرَبَ مِنْہُ''۔

(مشکوٰۃ شریف، ص ۳۷۰)

وجہ یہ ہے کہ بار بار منہ لگا کر پانی پینے سے مشکیزے کے منہ میں بدبو پیدا ہو جائے گی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ:

''اَنْ یُتَنَفَّسَ فِی الْاِنَاءِ اَوْیُنْفَخَ فِیْہِ'' (مشکوٰۃ شریف، ص ۳۷۱)

یعنی ''برتن میں سانس لیا جائے یا اس میں پھونک ماری جائے۔''

کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ تھوک پانی میں جا گرے یا آج کی زبان میں آدمی کے جراثیم پانی میں شامل نہ ہو جائیں۔

ایک صحابی کو فرمایا:

''پیالہ اپنے منہ سے جدا کرو پھر پانی پیو۔'' (مشکوٰۃ شریف، ۳۷۱)

☆ جو لوگ ناک بند ہونے کی وجہ سے صرف منہ سے سانس لیتے ہیں ان کی صحت اور

دوسرے لوگوں کی صحت میں کیا فرق ہے؟

ایک تو یہی فرق ہے کہ اس کی ناک بند ہے۔ یہ کوئی صحت مندی کی علامت تو نہیں ہے۔

☆ مریض سے کتنی دور بیٹھ کر عیادت کی جائے تا کہ اس کا سانس تندرست کو متاثر نہ کر سکے؟

دوسری بیماریوں کے بارے میں تو معلوم نہیں لیکن جذام (کوڑھ) کے مریض کے بارے میں ایک روایت میں ہے کہ تم اس سے بات کرو جب کہ تمہارے اور اس کے درمیان ایک یا دو نیزوں کا فاصلہ ہو۔ (معجزات فی الطب، ص ۱۱۷، علامہ محمد سعید سیوطی)

☆ کیا اچھے اور برے خیالات کا مثبت اور منفی اثر، سانس پر پڑتا ہے؟

ضرور پڑتا ہے، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تجھ سے ہو سکے تو اس حال میں صبح اور شام کر کہ تیرے دل میں کسی کے لئے بدخواہی نہ ہو۔

''اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِیَ وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِکَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ''(۱)

دیکھا جائے تو دل ہی ہے جو پورے جسم کا حکمران ہے اور پورے جسم کو خون سپلائی کرتا ہے۔

جب بلڈ پریشر ہائی یا لو (**High or Low**) ہو تو سانس کا توازن بگڑ جاتا ہے اور اگر حد اعتدال پر ہو تو توازن برقرار رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب کسی کی پریشانی رفع ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ اب میں نے سکھ کا سانس لیا اور دہشت ناک منظر دیکھ کر آدمی کا سانس رک جاتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) مشکوٰۃ شریف، ص ۳۰

''اتقوا الغضب فانہ جمرۃ علی قلب ابن آدم''(۱)

''غصے سے بچو کیونکہ یہ انسان کے دل پر انگارہ ہے۔''

☆ چھینک یا جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ رکھنا ضروری ہے کہ نہیں؟

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تم میں سے کسی شخص کو جمائی آئے تو منہ پر ہاتھ رکھ لے۔

☆ تھوکنے کا تعلق بھی منہ اور سانس سے ہے۔ کس طرح تھوکنا چاہیے اور کس طرف تھوکنا چاہیے؟

ایک تو مسجد میں نہیں تھوکنا چاہیے، حدیث شریف میں ہے

''البزاق فی المسجد خطیئۃ و کفارتھا دفنھا'' (مشکوۃ شریف ص ۶۹)

''مسجد میں تھوکنا خطا ہے اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے (یعنی صاف کر دیا جائے)

دوسری بات یہ ہے کہ قبلہ رخ نہ تھوکے، اور نہ دائیں جانب تھوکے، حدیث شریف میں ہے، جب تم میں سے ایک شخص نماز کی طرف کھڑا ہو تو

فلا یبصق امامہ فانما یناجی اللہ مادام فی مصلاہ ولا عن یمینہ

(مشکوۃ شریف، ص ۶۹)

سامنے کی طرف نہ تھوکے کیونکہ وہ جب تک جائے نماز میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔ اسی طرح دائیں جانب بھی نہ تھوکے۔

---

(۱) مشکوۃ شریف، ص ۴۳۷

کرامات اولیاء کرام
اور
اُن کے وصال کے بعد استمداد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْن ۔

اما بعد!

فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ کَلَامِهِ الْمَجِیْدِ:

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَاۤءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۔

(سورہ یونس آیت ٦٦،٦٥،٦٤)

اصل موضوع پر گفتگو کرنے سے پہلے یہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ:

- ــــــ ولی کس کو کہتے ہیں؟ اور
- ــــــ کرامت کا مطلب کیا ہے؟

❶ علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ عقائد کی مشہور درسی کتاب شرح عقائد میں فرماتے ہیں:

''ولی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا عارف ہو، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعتوں میں مصروف رہتا ہو، گناہوں سے بچتا ہو، لذتوں اور خواہشات میں محو ہونے سے گریز کرتا ہو۔''(۱)

(۱) شرح عقائد، عربی، طبع لکھنؤ ص ۱۰۵

ایسے ہی حضرات کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ۔ (یونس۱۰/۶۳)

''وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔''

یعنی ولایت کی دو ہی بنیادیں ہیں: ایمان اور تقویٰ، لہذا جو شخص ایماندار نہیں ہے یا ایمان تو رکھتا ہے لیکن اعمال صالحہ سے عاری ہے وہ کچھ اور تو ہو تو، لیکن ولی نہیں ہوسکتا۔

❷ اب یہ دیکھنا ہے کہ کرامت کسے کہتے ہیں؟ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

''ولی سے صادر ہونے والا وہ خلاف عادت امر جس کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہ ہو۔''

نبوت کا دعویٰ نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی تا کہ کرامت اور معجزہ کا فرق ظاہر ہو جائے، معجزہ نبی سے ظاہر ہوتا ہے اور کرامت سچے امتی سے ظاہر ہوتی ہے۔

کرامت کو سمجھنے کے لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ مریض کو ڈاکٹر کے پاس لے جایا گیا، ڈاکٹر نے اسے دوائیں دیں اور وہ مریض تندرست ہو گیا تو یہ کوئی خلاف عادت واقعہ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دواؤں کو صحت کے لئے سبب عادی بنایا ہے، جب کہ ایسا ہی ایک مریض اللہ تعالیٰ کے ولی کے پاس لے جایا گیا، اس ولی نے مریض کو پھونک ماری تو وہ بھی تندرست ہو گیا، ایک مریض ڈاکٹر کے علاج سے تندرست ہو گیا، دوسرا ولی کے پھونک مارنے سے تندرست ہو گیا تو دوسری صورت کو کرامت کہیں گے، کیونکہ پھونک مارنا صحت کے لئے سبب عادی نہیں، ورنہ ہمارے پھونک مارنے سے بھی مریض تندرست ہو جائیں۔ جب کہ دوا اور علاج معالجہ سبب عادی ہے اس لئے پہلی صورت کو کرامت نہیں کہا جائے گا۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا اولیاء کرام سے کرامات صادر بھی ہوتی ہیں یا نہیں؟ سب سے قوی اور سب سے اہم دلیل قرآن پاک ہے، آیئے فرقان حمید کی چند آیتیں تلاوت

اور سماعت کریں جن سے ثابت ہوتا ہےکہ اولیاء کرام سے کرامات کا ظہور ہوا:

❶ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَامَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (سورہ آلِ عمران:۳/۳۷)

حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدۂ ماجدہ سیدہ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ بچپن میں حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں، حضرت زکریا علیہ السلام دیکھتے کہ ان کے پاس گرمیوں میں سردیوں کے پھل موجود ہیں اور سردیوں میں گرمیوں کے، آپ نے پوچھا: ''یہ پھل تمہارے پاس کہاں سے آتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی جناب سے آتے ہیں۔''

حضرت مریم نبیہ نہیں تھیں، صدیقہ تھیں، ان کی کرامات کا سلسلہ بچپن سے شروع ہوا:

- ـــــ بے موسم پھل ملے،
- ـــــ جوانی میں بغیر شوہر کے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنیں،

دیکھنے سننے والے انگشت بدنداں رہ گئے، طعن و تشنیع میں زبانیں دراز ہوئیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں لیٹے ہوئے فرمایا:

''میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبی بنایا۔'' (ترجمہ)

انہوں نے اس طرح اپنی والدہ ماجدہ کی عفت و پاکدامنی کی ناقابل تردید گواہی دی کہ مخالفین اور معترضین کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہوں نے کھجور کے پتے کو اپنی طرف حرکت دی تو اس سے تر و تازہ کھجوریں گرنے لگیں،

وَهُزِّيْ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا

(سورہ مریم:۱۹/۲۵)

یہ سب حضرت سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کی کرامتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں بطور اعزاز عطا فرمائیں، دوسری آیت ملاحظہ ہو:

❷ فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا۔ (سورہ کہف: ۱۸/ ۱۲-۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک جابر بادشاہ دقیانوس تھا، بت پرستی سے انکار کرنے والوں کو قتل کرا دیتا، شہر افسوس کے سات ایماندار افراد اپنا ایمان بچانے کے لئے آبادی چھوڑ کر پہاڑ کی ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے، بادشاہ نے اس غار کے آگے دیوار تعمیر کرا دی تاکہ وہ غار ہی ان حضرات کا قبرستان بن جائے، اصحاب کہف تین سو سال تک اس غار میں سوتے رہے، اس عرصے میں انہیں نہ کھانے کی حاجت پیش آئی نہ پینے کی، یہ ان کی کرامت ہی تھی کہ تین سو سال تک کھائے پئے بغیر زندہ رہے اور زمینی کیڑوں مکوڑوں نے ان کے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچایا، تین سو سال بعد جب منظر عام پر آئے تو لوگوں کو ماننا پڑا کہ جو رب اتنا عرصہ انہیں سلانے کے بعد جگانے پر قادر ہے وہ مرنے کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ ان کی کرامت اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حشر و نشر کی کھلی دلیل بن گئی۔

❸ تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی وزیر آصف بن برخیا کی روحانی قوت اور کرامت کا ذکر فرمایا ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ۔ (سورہ نمل: / ۴۰)

"جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس آپ کے پاس لے آؤں گا" اللہ اکبر! یہ کتنی بڑی کرامت ہے کہ ایک لمحے میں ملک سبا سے ملکۂ بلقیس کا تخت لا کر پیش کر دیا جس کی لمبائی اسّی گز اور چوڑائی چالیس گز تھی۔"

کرامت حدیث شریف کی روشنی میں :

دلائل شرعیہ میں سے دوسری دلیل حدیث شریف ہے، آیئے حدیث مبارک کی روشنی میں کرامت کی اہمیت سمجھنے کی کوشش کریں، امام بخاری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''جس شخص نے میرے ولی سے دشمنی رکھی، میرا اس کے لئے اعلانِ جنگ ہے، میرے بندے نے فرائض سے بڑھ کر کسی چیز کے ذریعے میرا قرب حاصل نہیں کیا (فرائض ادا کرنے کے بعد) میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں (یعنی میرے نور کا جلال)

- ــــــ اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے،
- ــــــ اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے،
- ــــــ اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ پکڑتا ہے،
- ــــــ اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ چلتا ہے،

اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ضرور اسے عطا کروں گا اور اگر میری پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔'' (۱)

اللہ تعالیٰ اس ولی کی آنکھیں اور کان بن جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کثرت عبادت واطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اس کی آنکھیں اور کان بن جاتا ہے۔ امام فخر الدین رازی اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور، ولی کے کان بن گیا تو وہ قریب و بعید کو سُنے گا، اور جب وہ نور اس کی آنکھیں بن گیا تو وہ قریب و بعید کو دیکھے گا،

---

(۱) محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: بخاری شریف، ج ۲ ص ۹۶۳، مطبوعہ کراچی

اور جب وہ نور اس کا ہاتھ بن گیا تو وہ مشکل اور آسان کام اور قریب و بعید میں تصرف کر سکے گا۔(۱)

یاد رہے کہ جو صاحب ایمان فرائض، واجبات اور سنتوں پر عمل پیرا ہو اور حرام کاموں سے بچے وہ ولی ہے، لیکن حدیث شریف میں بیان کردہ مقام ہر ولی کو حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اولیاء کاملین میں سے بھی منتخب حضرات کو حاصل ہوتا ہے۔

اس حدیث کی وضاحت ترمذی شریف کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ۔(۲)

''مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کرامات

امام علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

صحابۂ کرام، تابعین، اور ان کے بعد آنے والے اولیاء عظام سے منقول واقعات، کرامات کی حقانیت کی دلیل ہیں، مثلاً:

1. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (وفات سے پہلے وصیت کرتے ہوئے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا: تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، انہوں نے عرض کیا کہ محمد اور عبدالرحمٰن میرے دو بھائی ہیں اور دو بہنیں کون سی ہیں؟ میری تو ایک ہی بہن ہے حضرت اسماء، حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: (دوسری بہن تمہاری والدہ) ''بنت خارجہ کے پیٹ میں ہے۔ میرے دل میں القا کیا گیا ہے کہ وہ لڑکی ہے''، چنانچہ حضرت ام کلثوم پیدا ہوئیں۔(۳)

---

(۱) فخر الدین رازی، امام تفسیر کبیر (طبع جدید، مصر) ج ۲۱ ص ۹۱
(۲) ابو عیسیٰ ترمذی، امام، ترمذی شریف، کتاب التفسیر (طبع بیروت ۴/۱۴۹)
(۳) عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، امام: الحاوی للفتاوی ۲/۲۶۳

❷ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ کے واقعہ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلَ الْجَبَلَ ''اے ساریہ! پہاڑ کی پناہ لو، پہاڑ کی،'' حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مدینہ منورہ سے تقریباً ڈیڑھ ہزار میل کے فاصلے پر) مقام نہاوند میں (مصروفِ جہاد تھے) اللہ تعالیٰ نے ان کا پیغام حضرت ساریہ کو سنا دیا۔ اورانہوں نے اس پر عمل کر کے کامیابی بھی حاصل کی۔(۱)

اسی طرح دریائے نیل خشک ہو چکا تھا، حضرت عمر فاروق نے دریا کے نام ایک مکتوب لکھا جس کی برکت سے دریا جاری ہو گیا۔

❸ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام انہیں سلام کرنے کے لئے حاضر ہوئے، بلوائیوں نے محاصرہ کر رکھا تھا، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں اپنے بھائی کو خوش آمدید کہتا ہوں، مجھے اس کھڑکی میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا: عثمان، بلوائیوں نے تمہارا محاصرہ کر رکھا ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! آپ نے ایک ڈول میری طرف لٹکایا جس میں پانی تھا، میں نے پیٹ بھر کر پانی پیا، یہاں تک کہ مجھے اس کی ٹھنڈک سینے اور کندھوں میں محسوس ہو رہی ہے، پھر فرمایا: ''اگر چاہو تو تمہیں ان کے خلاف امداد دی جائے اور اگر چاہو تو ہمارے پاس افطار کرو''، میں نے عرض کیا: ''کہ میں آپ کے پاس افطار کرنا چاہتا ہوں''، چنانچہ اسی دن شہید کر دیے گئے۔(۲)

❹ اسد اللہ الغالب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامات حدِ شمار سے باہر ہیں، خیبر کے دن نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَاُعْطِیَنَّ ھٰذِہِ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ۔(۳)

---

(۱) عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، امام: الحاوی للفتاوی ۲/۶۳ طبع بیروت

(۲) ایضاً: ۲/۶۳

(۳) محمد بن عبداللہ الخطیب: مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۳ (کراچی)

''ہم کل یہ جھنڈا اس شخص کو دیں گے جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا''

چنانچہ آپ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں فتح عطا فرمائی، انہوں نے خیبر کا دروازہ اکھیڑ کر پھینک دیا، آپ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ مَاقَلَعْتُ خَيْبَرَ بِقُوَّةٍ جَسَدَانِيَّةٍ وَّلٰكِنْ بِقُوَّةٍ رَّبَّانِيَّةٍ۔(۱)

''اللہ کی قسم! میں نے خیبر (کا دروازہ) جسمانی طاقت سے نہیں بلکہ ربانی طاقت سے اکھیڑا تھا۔''

5 حضرت امام ابن ابی شیبہ راوی ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جب حیرہ گئے تو انہیں کہا گیا کہ آپ زہر سے بچیں، یہ عجمی آپ کو زہر پلا دیں گے، انہوں نے فرمایا: ''زہر لاؤ!'' زہر لائی گئی، آپ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی اور بسم اللہ پڑھ کر پی گئے، زہر نے انہیں کچھ نقصان نہ دیا۔(۲)

6 حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ وہ روم کے علاقے میں لشکر سے بچھڑ گئے، دشمن نے انہیں قیدی بنالیا، کسی طرح قید سے نکل بھاگے، راستے میں ایک شیر مل گیا، آپ نے فرمایا:

''اے ابوالحارث! (شیر کی کنیت) میں رسول اللہ ﷺ کا مولیٰ (غلام) ہوں، شیر دم ہلانے لگا اور لشکر تک پہنچا کر واپس چلا گیا۔''(۳)

7 حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک جگہ ہجوم دیکھا، وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ راستے میں ایک شیر بیٹھا ہوا ہے، اس لئے آمد و رفت منقطع ہے، آپ نے اس کے

---

(۱) محمد بن عمر بن حسین، امام رازی: تفسیر کبیر، ج ۲۱ ص ۹۱ (طبع مصر)

(۲) شیخ بلال حلاق: منار الھدیٰ، شمارہ ۱۴۱ ص ۲۹ (بیروت)

(۳) محمد بن عبداللہ الخطیب: مشکوٰۃ شریف (عربی) ص ۵۴۵

قریب جا کر ڈانٹ پلائی تو وہ دم دبا کر بھاگ گیا۔(۱)

حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں:

توھم گردن از حکمِ داور مپیچ　　　که گردن نه پیچد زحکمِ تو ھیچ

''تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے گردن نہ پھیر مخلوق میں سے کوئی تیرے حکم سے گردن نہیں پھیرے گا۔''

صحابہ کرام کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں حاضر ہو کر فیضان نظر حاصل کیا، ولایت عظمیٰ کے مقام پر فائز ہوئے اور دل و جان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی اور ایسی جان نثاری کا مظاہرہ کیا کہ عشق و محبت کی تاریخ میں امر ہو گئے، ان کی استقامت علی الدین ہی ہر کرامت سے بڑی کرامت ہے۔

اس امت کے اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم

پہلی امتوں کے ولی حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ کی کرامت کا اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے ایک لمحے میں تخت بلقیس لا کر حاضر کر دیا، اس امت کے اولیاء کاملین کی کیا شان ہو گی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ (سورہ آل عمران: آیت نمبر ۱۰)

''تم بہترین امت ہو جنہیں تمام انسانوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔''

حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی، شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامات تو شہرۂ آفاق ہیں، یہاں تک کہ شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلام اور ابن تیمیہ نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت شیخ کی کرامات حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔(۲)

---

(۱) یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: حجۃ اللہ علی العالمین، ج ۲، ص ۸۶۶

(۲) ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت وعزیمت، ج ا، ص ۲۵۸ (طبع کراچی)

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

''پہلوؤں کے سورج غروب ہو گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندیوں کے افق پر رہے گا اور غروب نہیں ہوگا۔''

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''سورج سے مراد ہدایت وراہنمائی کے فیض کا آفتاب ہے اور غروب ہونے سے مراد فیض کا ختم ہو جانا ہے، جب حضرت شیخ تشریف لائے تو آپ ہی رشد وہدایت کے پہنچنے کا واسطہ بنے، جب تک فیض کا سلسلہ جاری رہے گا، آپ ہی کے واسطہ سے ہوگا۔''(۲)

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

سورج اگلوں کے چمکتے تھے، چمک کر ڈوبے
اُفق نُور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
مرغ سب بولتے ہیں بول کے چپ رہتے ہیں
ہاں اصیل ایک نوا سنج رہے گا تیرا

حضرت شیخ سید احمد رفاعی کبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی مشہور کرامت ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا۔

فِیْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ كُنْتُ اُرْسِلُهَا
تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَهِیَ نَائِبَتِیْ
وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ
فَامْدُدْ یَمِیْنَكَ كَیْ تَحْظٰی بِهَا شَفَتِیْ

---

(۱) یوسف بن اسمٰعیل نبہانی، علامہ: حجۃ اللہ علی العالمین ج ۲ ص ۸۶۶

(۲) شیخ احمد سرہندی، امام ربانی مکتوبات فارسی (طبع ترکی) ج ۲ ص ۵۸۵

''میں ظاہری دوری کی حالت میں اپنی روح کو بھیجتا تھا جو میری نیابت
میں زمین کو چومتی تھی۔ اب میں جسمانی طور پر حاضر ہوں، آپ اپنا دست
اقدس بڑھائیں تا کہ میرے ہونٹ اسے چومنے کی سعادت حاصل کریں۔''

حاضرین نے سر کی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا دستِ اقدس ظاہر ہوا اور حضرت شیخ نے اسے بوسہ دیا۔(۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

مشائخ نقشبندیہ کے تصرفات عجیب ہیں، وہ اپنی ہمت اور توجہ کسی مراد پر مرکوز کر دیتے ہیں تو وہ پوری ہو جاتی ہے، وہ طالب کی طرف توجہ کرتے ہیں تو بیمار کی بیماری دور ہو جاتی ہے، گنہگار کو توبہ کی توفیق مل جاتی ہے، وہ لوگوں کے دلوں میں تصرف کرتے ہیں تو ان کے دل محبت و تعظیم سے لبریز ہو جاتے ہیں۔(۲)

عقائد اہل سنت کی مشہور درسی کتاب عقائد نسفی میں امام نجم الدین عمر نسفی فرماتے ہیں:

اولیاء کی کرامتیں برحق ہیں، مثلاً تھوڑے سے وقت میں طویل فاصلہ طے کرنا، بوقت حاجت طعام، مشروب اور لباس حاصل ہونا، پانی پر چلنا، ہوا میں پرواز کرنا، جانوروں اور پتھروں کا کلام کرنا، ان کی طرف توجہ کرنے والے سے مصیبت کا دور ہونا اور دشمن کے خطرے کا ٹل جانا۔(۳)

اہل سنت و جماعت کرامات اولیاء کے قائل ہیں، جب کہ معتزلہ منکر ہیں، انہوں نے کیوں انکار کیا؟ اس کی وجہ معلوم کرنے کے لئے علامہ تفتازانی کا ایک ارشاد پڑھئے،

---

(۱) عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی، امام: الحاوی للفتاوی عربی (بیروت) ج ۲ ص ۲۶۱

(۲) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: ہمعات، ص ۶۱ (حیدر آباد)

(۳) عمر نسفی، نجم الدین: عقائد مع شرح، ص ۱۰۶ (طبع دہلی)

فرماتے ہیں:

اولیاء کرام کی کرامتیں تقریباً اتنی ہی مشہور ہیں جس قدر انبیاء کرام کے معجزے مشہور ہیں اہل بدعت اور بد مذہبوں کی طرف سے کرامات کا انکار کرنا کچھ عجیب نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے نہ تو اپنی کرامتیں دیکھی ہیں اور نہ ہی اپنے ان بڑوں کی کرامتیں دیکھی ہیں جو گمان کرتے تھے کہ ہم بھی کسی مقام پر فائز ہیں، حالانکہ وہ عبادتوں کے ادا کرنے اور گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتے تھے، انہوں نے کرامتوں والے اولیاء پر اعتراض کیا، ان کی کھال نوچنے کی کوشش کی اور ان کا گوشت چبایا (یعنی ان کی غیبت کی) اور انہیں جاہل صوفیوں کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

اس اقتباس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اصحاب کرامات اولیاء صرف اہل سنت میں ہوئے ہیں، منکرین کے اکابر اس دولت اور سعادت سے محروم تھے۔

توسل اور استعانت

انبیاء کرام اور اولیاء سے مدد مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کریم جل شانہ کی بارگاہ میں اس کے پیاروں کا وسیلہ پیش کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندوں کی مرادیں پوری فرما دیتا ہے۔

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے اس طرح مدد مانگنا کہ انسان اس مخلوق پر بھروسا کرے اور اسے اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر نہ مانے تو یہ حرام ہے، اور اگر توجہ

---

(۱) مسعود بن عمر تفتازانی، علامہ: شرح عقائد، ج ۲ص ۲۰۴ (لاہور)

محض اللہ تعالیٰ کی امداد کی طرف ہو اور اللہ تعالیٰ کے نظامِ اسباب اور حکمت کو دیکھتے ہوئے اس مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی امداد کا مظہر جانے اور ظاہری طور پر اس سے مدد مانگے تو اہلِ معرفت سے دور نہیں ہے، اور یہ شریعت میں جائز ہے، مخلوق سے ایسی استعانت انبیاء اور اولیاء نے بھی کی ہے، درحقیقت یہ استعانت اللہ تعالیٰ ہی سے ہے، نہ کہ اس کے غیر سے۔''(۱)

شیخ المحدثین حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''حجۃ الاسلام امام محمد غزالی فرماتے ہیں کہ جس بزرگ کی زندگی میں اس سے مدد طلب کی جاتی ہے، وفات کے بعد بھی اس سے مدد طلب کی جائے گی، میں نے چار مشائخ کو اپنی قبروں میں اسی طرح تصرف کرتے ہوئے دیکھا جس طرح وہ اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ، ایک حضرت شیخ معروف کرخی اور دوسرے شیخ سید عبدالقادر جیلانی، ان کے علاوہ دو اور بزرگوں کا ذکر کیا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ صرف یہی چار بزرگ اپنی قبروں میں تصرف کرتے ہیں، بلکہ جو کچھ انہوں نے دیکھا وہ بیان کر دیا۔

تحقیق آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ روح باقی (اور زندہ) ہے، اسے زائرین اور ان کے احوال کا علم اور شعور ہوتا ہے، کاملین کی روحوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب اسی طرح ثابت ہے جس طرح زندگی میں تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ، اولیاء کرام کے لئے کرامات اور کائنات میں تصرف حاصل ہے، تاہم یہ ان کی روحوں کے لئے ثابت ہے اور ان کی روحیں باقی ہیں، حقیقی تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ

(۱) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی فارسی (دہلی) ج ۱ ص ۸

ہے اور سب کچھ اسی کی قدرت سے ہے، اولیاء کرام زندگی میں اور وفات کے بعد بھی اس کے جلال میں فنا ہو جاتے ہیں۔(۱)

آخر میں مخالفین کے ایک عالم کا حوالہ بھی سن لیں، سید احمد بریلوی کے بھتیجے کا بیان ہے، وہ لکھتے ہیں:

''آدھی رات کے وقت ہم مقام سَرِف میں پہنچے جہاں ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار ہے، عجیب اتفاق ہے کہ اس دن میں نے کچھ نہیں کھایا تھا، بھوک کی شدت کی وجہ سے میری طاقت جواب دے چکی تھی، روٹی حاصل کرنے کی بہت کوشش کی، مگر کہیں سے نہ ملی، مجبوراً زیارت کے لئے حجرہ مقدسہ میں گیا، میں نے مزار شریف کے سامنے فقیرانہ ندا کی: ''اے جدۂ محترمہ! میں آپ کا مہمان ہوں، کھانے کے لئے کچھ عنایت فرمائیں اور اپنے الطاف کریمانہ سے مجھے محروم نہ فرمائیں۔''

اس کے بعد میں نے سلام کیا، سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کی روح پرفتوح کو ایصال کیا، میں نے بیٹھ کر سر آپ کی قبر پر رکھا ہوا تھا کہ رزاق مطلق اور دانائے برحق کی طرف سے تازہ انگور کے دو گچھے میرے ہاتھوں میں آ گئے۔ عجیب ترین بات یہ تھی کہ سردیوں کا موسم تھا اور کہیں بھی تازہ انگور میسر نہ تھے، میں حیران رہ گیا، ایک گچھا تو میں نے وہیں کھا لیا، حجرے سے باہر آ کر ایک ایک دانہ ساتھیوں میں تقسیم کر دیا اور میں نے یہ اشعار کہے:۔

یافت مریم گر بہ ہنگام شتا میوہ ہائے جنت از فضل خدا

---

(۱) عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۷۱۵

ایں کرامت در حیاتش بود وبس بعد فوتش نقل ننمود است کس

بعد فوتِ زوجِ ختم المرسلین رفتہ چندیں قرنہا اے دور بین

بنگر ازوے ایں کرامت یافتم

مایۂ صد گونہ نعمت یافتم

- اگرچہ حضرت مریم کو سردی کے موسم میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جنتی میوے ملے۔
- تاہم یہ کرامت صرف ان کی زندگی میں تھی، ان کی وفات کے بعد کسی نے یہ کرامت نقل نہیں کی۔
- اے دور تک دیکھنے والے حضور ختم المرسلین ﷺ کی زوجہ محترمہ کی وفات کوئی صدیاں گزر گئی ہیں۔
- دیکھ کر میں نے ان کی یہ کرامت پائی اور سو قسم کی نعمت کا سرمایہ حاصل کیا۔(۱)

فلسفۂ کرامت

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ.

(سورۃ المنافقون: آیت نمبر ۸)

''اللہ تعالیٰ کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور مومنوں کے لئے، لیکن منافقین نہیں جانتے۔''

غور فرمائیں کہ ایک بندۂ مومن کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اس کی دیت پچاس اونٹ ہے، جب کہ دس درہم چوری کرنے پر چور کا پورا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے، فرق یہی ہے کہ وہ فرمانبردار بندہ ہے اس کے ہاتھ کی قیمت پچاس اونٹ ہے، اور چور اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اس کے ہاتھ کی قیمت صرف دس درہم، اللہ اکبر! جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عام بندہ مومن

(۱) محمد علی سید: مخزن احمدی

کی یہ قدر و قیمت ہے تو اس کی بارگاہ میں اولیاء اللہ کی کیا قدر و قیمت ہو گی جو اپنی تمام زندگی اور تمام خواہشات رضائے الٰہی کے حاصل کرنے کے لئے قربان کر دیتے ہیں؟

حدیث شریف میں ہے:۔

اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَّوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ (مشکوۃ شریف ص ۳۰۰)

''بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قسم دے کر عرض کریں تو وہ ان کی قسم کو پورا کر دے گا۔''

کرامات کے سننے اور سنانے کا فائدہ؟

اولیاء کرام کی عبادت و ریاضت، دینی و تبلیغی خدمات اور ان کی کرامات کا تذکرہ اگرچہ بجائے خود ایک مقصد ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نازل ہونے کا باعث ہے، اولیاء کرام فرماتے ہیں:

تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ.

''اولیائے کرام کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔''

تاہم صرف یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ان کی حیرت انگیز کرامات سن کر ذہنی طور پر لطف اندوز ہوں اور بس۔

دراصل امت مسلمہ کے اولیاء کرام کی کرامتیں نبی اکرم ﷺ کے معجزات ہیں جو آپ کی صداقت اور آپ کے دین کی عالم گیر حقانیت کی دلیل ہیں، لہٰذا کراماتِ اولیاء کے سننے اور بیان کرنے کے مقاصد یہ ہونے چاہیں۔

1. اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت غالبہ پر ایمان مضبوط ہو۔
2. نبی اکرم ﷺ کی سچائی اور آپ کے دین کی صداقت کا پختہ یقین ہو۔
3. اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہم پر نازل ہوں۔
4. اس امر کا یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے محبین اور

فرمانبرداروں کو نوازتا ہے اور بے حساب نوازتا ہے، آج کی حکومتیں فوجی جانبازوں کو گولڈ میڈل، ہلالِ جرأت اور نشانِ حیدر سے نوازتی ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ جو خالق کائنات ہے شاہوں کا شاہ ہے اپنی راہ میں سب کچھ قربان کرنے والوں کو کوئی اعزاز نہیں دیتا؟ حاشا وکلا! ایسا ہرگز نہیں ہے۔ سنئے رب کریم کیا ارشاد فرماتا ہے؟

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.

(سورۃ الطلاق: ۶۵: ۳)

''جو شخص اللہ سے ڈرے، اللہ اس کو نکلنے کا راستہ عطا فرمائے گا اور ایک جگہ سے اسے رزق دے گا کہ اسے گمان بھی نہیں ہوگا۔''

عارف باللہ سیدنا محمد شاہ دولھا بخاری سبزواری قدس سرہ العزیز جن کے عرس مبارک میں ہمیں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، امام بخاری کی سرزمین سے تشریف لانیوالے اولین مشائخ میں سے ہیں، آپ کا مزار فائز الانوار تقریباً آٹھ سو سال پرانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کریمی ہے کہ عوام وخواص کھنچے چلے آتے ہیں اور حضرت کے وسیلے سے مرادیں مانگتے ہیں اور شاد کام ہوتے ہیں۔

یا اللہ! ہم بھی اس تقریب کے دولھا سیدنا محمد شاہ بخاری قدس سرہ کے وسیلے سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمیں اپنی اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کی سچی محبت اور اطاعت عطا فرما اور ہم سب کی نیک دلی حاجتیں پوری فرما۔ آمین!

انک علی کل شیئ قدیر وبالاجابۃ جدیر

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین.

یہ مقالہ ۱۴ ربیع الثانی مطابق ۳۰ اگست ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء کو حضرت سید محمد شاہ دولھا بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کھارادر، کراچی کے عرس کے موقع پر پڑھا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایصالِ ثواب کے لئے ذبیحہ حلال ہے

تصنیف (۱) امام احمد رضا بریلوی

(۲) علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری

رحمہما اللہ تعالیٰ

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم وعلی آله واصحابه اجمعین

عامۃ المسلمین میں سے بعض لوگ بزرگانِ دین کے ایصالِ ثواب کے لئے جانور پالتے ہیں تاکہ ختم شریف کے موقع پر اسے ذبح کیا جائے، پوچھنے پر کہہ دیتے ہیں کہ یہ فلاں بزرگ کے نام کا جانور ہے، غیر مقلدین اور دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے کہتے ہیں کہ وہ جانور حرام ہو گیا اور حرام بھی ایسا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنے سے بھی حلال نہیں ہوتا، علماءِ اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرتا ہے اور اسی کے لیے جانور کا خون بہاتا ہے اور اسی کی رضا کے لئے گوشت پکا کر بندگانِ خدا کو کھلاتا ہے اور اس سارے عمل کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے حرام قرار دیا جائے۔

اس مسئلے پر اس وقت چند رسائل راقم کے پیش نظر ہیں، جن میں اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی گئی:۔

۱۔ سُبُلُ الْاَصْفِیَاءِ فِیْ حُکْمِ الذَّبْحِ لِلْاَوْلِیَاء (۱۳۱۲ھ) تصنیف:
امام احمد رضا بریلوی، مطبوعہ نورانی بکڈپو، جمشید پور، انڈیا (۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء)

۲۔ قلمی فتویٰ از علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری

اس کا مختصر تعارف آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں —— اس وقت یہ دونوں فتوے ہدیۂ قارئین کئے جا رہے ہیں۔

۳۔ اِعْلاءُ کَلِمَةِ اللّٰهِ فِیْ بَیَانِ مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ

از حضرت مہر ولایت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی شائع کردہ آستانہ عالیہ گولڑہ شریف۔
(۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء)

۴۔ تَصْرِیْحُ الْمَقَالِ فِیْ حَلِّ اَمْرِ الْاِهْلَالِ

از غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی اجمیری کتب خانہ، ملتان (۱۹۵۸ء)

مخالفین اپنی تائید میں ''تفسیر عزیزی'' کا حوالہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ کی تفسیر میں وہی کچھ کہا ہے جو ہم کہتے ہیں۔

اس سلسلے میں چند امور قابل توجہ ہیں:۔

۱۔ تمام مستند مفسرین نے اس آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ جس جانور کو ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ حرام ہے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی اس آیت کا یہی ترجمہ کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ (البقرۃ ۲: آیت ۱۷۳)

اس کا ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس طرح کیا ہے:

''وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا'' (فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن)

''اور وہ جانور جس کے ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام بلند کیا جائے۔''

اسی طرح سورۂ مائدہ آیت ۳ اور سورۂ نحل آیت ۱۱۵ کا بھی ایسا ہی ترجمہ کیا ہے۔
جب آیت کریمہ کا یہ ترجمہ ہے تو یہ فتویٰ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کہ جس جانور کی نسبت کسی بزرگ کی طرف کر دی گئی ہو تو وہ حرام ہے اگر چہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ ہی کا نام لیا جائے۔

۲۔ شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی، صاحب ''تفسیر مجددی معروف بہ تفسیر رؤفی''، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد امجاد میں سے تھے[1] اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے، انہوں نے ''تفسیر عزیزی'' کی اس عبارت ہی کو الحاق قرار دیا ہے، اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے، مخالفین، حق وصداقت کے چھپانے اور اپنے باطل عقائد کو فروغ دینے کے لئے ایسی کاروائیاں کرتے رہے ہیں۔

حکیم سید محمود احمد برکاتی، کراچی لکھتے ہیں:

''شاہ (ولی اللہ) صاحب کے ساتھ تو ابتدا ہی سے یہ معاملہ روا رکھا گیا ہے، ان کی کئی کتابوں (تاویل الاحادیث، ہمعات، عقد الجید وغیرہ) میں حذف والحاق کیا گیا، اس کے علاوہ ان کی طرف بر سبیل غلط مستقل چھ کتابیں منسوب کر دی گئیں:۔

❶ قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الحسنین ❷ جنۃ العالیہ فی مناقب المعاویہ
❸ البلاغ المبین ❹ تحفۃ الموحدین ❺ اشارۂ مستمرہ ❻ قول سدید

شاہ صاحب کے اخلاف کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا گیا، شاہ عبدالعزیز کی کتاب ''تحفہ اثناء عشریہ'' کے طبع ہوتے ہی اس میں الحاقات کئے گئے جو شاہ صاحب کے مسلک سے متضاد تھے، شاہ صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں ان سے براءت ظاہر کی اور اسے الحاق قرار دیا۔(۲)

''القول الجلی'' حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مستند اور مصدقہ سوانح حیات ہے۔ عرصۂ دراز تک اسے پردۂ خفا میں رکھا گیا، اور اسے شائع کرنے سے گریز کیا گیا

---

(۱) انہوں نے اپنا شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے: رؤف احمد بن شعور احمد بن محمد شرف بن رضی الدین بن زین العابدین بن محمد یحیٰی بن مجدد الف ثانی (تفسیر رؤفی، ج۱، ص۴)

(۲) محمود احمد برکاتی، حکیم سید: القول الجلی کی بازیافت، رضا اکیڈمی، لاہور (۱۹۹۱ء) ص ۳۶-۳۵

کیونکہ پروپیگنڈے اور خودساختہ تاریخی بنیاد پر شاہ صاحب کو جس مسلک کا نمایندہ بنا کر پیش کیا گیا تھا یہ کتاب اس کی نفی کرتی تھی، لیکن حق بھی کبھی چھپانے سے چھپا ہے، وہ تو کسی نہ کسی وقت ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔

حکیم سید محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

''اب تک ہمارے ذہن میں شاہ صاحب کی جو تصویر تھی وہ اس تصویر سے بہت مختلف ہے جو ''القول الجلی'' کے آئینے میں نظر آتی ہے، اور اب تک ہم شاہ صاحب کو جس مسلک فقہی کا ترجمان اور داعی سمجھتے تھے یہ تحریریں اس سے مختلف ہیں۔''(۱)

اب اصل مطلب کی طرف آیئے، شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی فرماتے ہیں:

''وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ'' اور جو جانور ذبح کیا جاوے بنام غیر خدا، معلوم ہووے کہ اکثر لوگوں کو اس آیت کی معنی میں مفسدوں کے بہکانے سے شک پڑتا ہے، سو ہم یہاں اس کی تفصیل ''احقاق الحق'' (کتاب کا نام ۱۲ ق ن) میں سے کئی تفسیروں کی عبارت کے ترجمہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے جلالین، تفسیر حسینی، تفسیر بیضاوی، کشاف، مدارک، تفسیر جامع البیان، تفسیر دُرِ منثور، معالم التنزیل اور تفسیر احمدی کی عبارتیں ترجمہ سمیت نقل کی ہیں، ان تمام تفسیروں میں آیت مبارکہ کا وہی مطلب بیان کیا گیا جو شاہ رؤف احمد نے بیان کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے جو کچھ لکھا ہے توجہ اور چشم حیرت سے پڑھنے کے لائق ہے، فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ ''تفسیر فتح العزیز'' میں کسی عدو نے الحاق کر دیا ہے اور

---

(۱) محمود احمد برکاتی، حکیم سید: القول الجلی کی بازیافت، رضا اکیڈمی، لاہور (۱۹۹۱ء) ص ۳۴

یوں لکھا ہے کہ اگر کسی بکری کو غیر کے نام سے منسوب کیا ہو تو بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کرنے سے وہ حلال نہیں ہوتی، اور غیر کے نام کی تاثیر اس میں ایسی ہوگئی ہے کہ اللہ کے نام کا اثر ذبح کے وقت حلال کرنے کے واسطے بالکل نہیں ہوتا، سو یہ بات کسی نے ملا دی ہے۔

خود مولانا و مرشدنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کبھی ایسا، سب مفسرین کے خلاف نہ لکھیں گے، اور ان کے مرشد اور استاد اور والد حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے ''فوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں مَا اُحِلَّ کا معنی مَا ذُبِحَ لکھا ہے یعنی ذبح کرتے وقت جس جانور پر بت کا نام لیوے، سو حرام ہے اور مردار جیسا ہے۔ اور بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ذبح کیا سو کیونکر حرام ہوتا ہے۔

بعضے نادان تو حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مولد شریف کی نیاز حضرت پیرانِ پیر کی نیاز اور ہر ایک شہدا اولیاء کی نیاز فاتحہ کے کھانے کو بھی حرام کہتے ہیں اور یہ آیت دلیل لاتے ہیں کہ غیر خدا کا نام جس پر لیا گیا سو حرام ہے، واہ وا! کیا عقل ہے۔ ایسا کہتے ہیں اور پھر جا کر نیاز فاتحہ کا کھانا بھی کھاتے ہیں۔ (۱)

اب تو وہ بنیاد ہی ختم ہوگئی جس پر وسیع و عریض عمارت تعمیر کی گئی تھی۔

۳۔ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی نے ''تفسیر عزیزی'' اور ''فتاوی عزیزی'' کی داخلی شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نزدیک وہی جانور حرام ہے جس کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، محض کسی بزرگ کی طرف نسبت کر دینے سے جانور حرام نہیں ہو جاتا، ذیل میں علامہ کاظمی کے رسالۂ مبارکہ ''تصریح المقال فی حل امر الاہلال'' سے اس بحث کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔

---

(۱) رؤف احمد نقشبندی مجددی، شاہ: تفسیر رؤفی (مطبع فتح الکریم، بمبئی ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء) ج ۱ ص ۱۳۹

نوٹ: تفسیر رؤفی دو جلدوں میں ہے اور اس کا قدیم نسخہ بیت القرآن، عقب عجائب گھر، لاہور میں موجود ہے۔ ۱۲۔ شرف

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں انواع شرک کے تحت مشرکین کے چند فرقے شمار کئے ہیں، ان میں سے چوتھا فرقہ پیر پرستوں کا ہے، اس کے متعلق محدث دہلوی نے فرمایا: چوتھا گروہ پیر پرست ہے، جب کوئی بزرگ کمالِ ریاضت اور مجاہدہ کی بناپر اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول دعاؤں اور مقبول شفاعت والا ہوکر اس جہان سے رخصت ہوجاتا ہے تو اس کی روح کو بڑی قوت و وسعت حاصل ہوجاتی ہے، جو شخص اس کے تصور کو واسطۂ فیض بنالے یا اس کے اٹھنے بیٹھنے کی جگہ یا اس کی قبر پر سجدہ اور تذلل تام کرے (اس جگہ اصل عبارت یہ ہے)

یا در مکانِ نشست و برخاست او، یا بر گورِ او سجود تذلیل تام نماید

تو اس بزرگ کی روح وسعت اور اطلاق کے سبب (خود بخود) اس پر مطلع ہوجاتی ہے اور اس کے حق میں دنیا اور آخرت میں شفاعت کرتی ہے۔(۱)

یہ گروہ واقعی مشرک تھا جو قبروں پر تذللِ تام کے ساتھ سجدہ کرتا تھا، علامہ شامی فرماتے ہیں:

اَلْعِبَادَةُ عِبَارَةٌ عَنِ الْخُضُوْعِ وَالتَّذَلُّلِ ؎۲

''خضوع اور تذلل (تام) کو عبادت کہتے ہیں''

آج کل کے خوارج کی ستم ظریفی ہے کہ وہ اولیاء اللہ کے عقیدت مند اہل سنت و جماعت کو پیر پرست قرار دے کر مشرک قرار دیتے ہیں، حالانکہ عامۃ المسلمین عبادت اور انتہائی تعظیم صرف اللہ تعالیٰ کیلئے مانتے ہیں کسی دوسرے کے لئے نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کا روئے سخن اُس گروہ مشرکین کی طرف ہے، اُن کا طریقہ یہ تھا کہ جانور کی جان دینے کی نذر شیخ سدو وغیرہ کے لئے مانتے اور اس کی تشہیر کرتے تھے پھر اسی نیت کے

(۱) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی، سورۃ البقرہ (لال کنواں دہلی) ص ۱۲۷

(۲) ابن عابدین شامی، علامہ: ردالمحتار (مصطفی البابی، مصر) ج ۲ ص ۲۵۷

تحت شیخ سدو وغیرہ کے لئے خون بہانے کی نیت سے اسے ذبح کرتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ ذبیحہ کسی طرح حلال نہیں ہوسکتا، کم فہم لوگوں نے سمجھ لیا کہ حضرت شاہ صاحب نے محض کسی بزرگ کی طرف نسبت کرنے کی بناپر ان جانوروں کو حرام قرار دیا ہے، حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے اور شاہ صاحب پر بہتان صریح ہے۔

شاہ صاحب نے ''تفسیر عزیزی'' میں اپنے موقف کی وضاحت کے لئے تین دلیلیں پیش کی ہیں۔

پہلی دلیل: یہ حدیث ہے مَلْعُوْنٌ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ ''ملعون ہے جس نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا'' ـــــ اس حدیث میں صراحۃً لفظ ذبح مذکور ہے۔

دوسری دلیل: عقلی ہے، اس میں یہ تصریح ہے ''وجانِ ایں جانور از اں غیر قرار دادہ کشتہ اند'' اس جانور کی جان غیر کی ملک قرار دے کر اس جانور کو ذبح کیا ہے ـــ

اس عبارت میں دو باتیں ہیں:

(۱) جانور کی جان غیر کے لئے مملوک قرار دی۔

(۲) اس کو ذبح کیا، صاف ظاہر ہے کہ اس جانور میں اس لئے خبث پیدا ہوا کہ اسے غیر کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔

تیسری دلیل: تفسیر نیشاپوری کی ایک عبارت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ اگر کسی مسلمان نے کوئی جانور ذبح کیا اور اس کے ذبح سے غیر اللہ کا تقرب (بطور عبادت) مقصود ہو تو وہ مرتد ہو گیا اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔

اس عبارت میں بھی غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے ذبح کا ذکر ہے، ثابت ہوا کہ شاہ صاحب محض اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کی نسبت کے مشہور کر دینے کو حرمت کا سبب قرار نہیں دیتے بلکہ ان کے نزدیک غیر اللہ کے ذبح کرنے سے جانور حرام ہوتا ہے اور یہی تمام امت مسلمہ کا عقیدہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے اُہِلَّ کا ترجمہ اصلِ لغت کے اعتبار سے یہ کیا ہے کہ ''آواز دی گئی اور شہرت دی گئی ہو''، لیکن اس سے ان کی مراد وہی شہرت ہے جس پر ذبح واقع ہو، چنانچہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سورۂ بقرہ میں ہے وَمَا اُہِلَّ بِہ لِغَیْرِ اللّٰہِ ۔ بِہ، لِغَیْرِ اللّٰہ سے پہلے ہے جب کہ سورۂ مائدہ، انعام اور نحل میں لِغَیْرِ اللّٰہ پہلے ہے اور بِہ مؤخر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ باء فعل کو متعدی کرنے کے لئے ہے اور اصل یہ ہے کہ باء فعل کے ساتھ متصل ہو اور دوسرے متعلقات سے پہلے ہو، اس جگہ تو باء اپنے اصل کے مطابق لائی گئی ہے، دوسری جگہوں میں اس چیز کو پہلے لایا گیا ہے جو جائے انکار ہے۔

پس ذبح بقصد غیر اللہ مقدم آمدہ[1]

لہذا غیر اللہ کے ارادے سے ذبح کرنے کا ذکر پہلے آیا ہے۔

اب اگر اُہِلَّ سے مراد ذبح نہیں ہے تو یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ سورۂ بقرہ کے علاوہ باقی سورتوں میں غیر اللہ کے ارادے سے ذبح کرنے کا ذکر پہلے ہے، حالانکہ باقی سورتوں میں بھی ذبح کا ذکر نہیں ہے بلکہ اُہِلَّ ہی کا ذکر ہے۔ ثابت ہوا کہ خود شاہ صاحب کے نزدیک وَمَا اُہِلَّ بِہ لِغَیْرِ اللّٰہِ، کا مرادی معنی: ''غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا'' ہی ہے۔

مزید تائید کے لئے شاہ صاحب کی ایک اور تحریر ملاحظہ ہو، سوال یہ ہے کہ حضرت سید احمد کبیر کے لئے نذر مانی ہوئی گائے حلال ہے یا حرام؟ اس کے جواب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> ذبیحہ کی حلت اور حرمت کا دارومدار ذبح کرنے والے کی نیت پر ہے، اگر تقرب الی اللہ کی نیت سے یا اپنے کھانے کے لئے یا تجارت اور دوسرے جائز کاموں کے لئے ذبح کرے تو حلال ہے ورنہ حرام۔[2] (ترجمہ)

---

(۱) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: تفسیر عزیزی، البقرہ، ص ۶۱۱

(۲) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاویٰ عزیزی، فارسی (مجتبائی، دہلی ۱۳۲۲ھ) ج ا، ص ۲۱

غور فرمائیں کہ حضرت سید احمد کبیر کے لئے نذر مانی ہوئی گائے کو انہوں نے حرام نہیں کہا اگر محض تشہیر اور نذر لغیر اللہ موجب حرمت ہوتی تو صاف کہہ دیتے کہ حرام ہے۔ یوں نہ کہتے کہ ذبح کرنے والے کی نیت اور قصد پر دار و مدار ہے۔

یہ خلاصہ ہے حضرت غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی کی تحقیق کا، یاد رہے کہ یہ گفتگو اس وقت ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ عبارات حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ہیں، اور اگر ان عبارات کو الحاقی قرار دیا جائے جیسے کہ حضرت شاہ رؤف احمد نقشبندی مجددی نے فرمایا ہے تو پھر اس گفتگو کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

ذیل میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فتاویٰ سے ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے جو اس مسئلے کے سمجھنے میں مدد دے گا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> 'حاجت برآری کے لئے جو اولیاء کرام کی نذر معمول اور مروج ہے، اکثر فقہاء اس کی حقیقت تک نہیں پہنچے، اسے اللہ تعالیٰ کی نذر پر قیاس کر کے شقوں کے ساتھ جواب دیا ہے کہ اگر نذر مستقل طور پر اس ولی کے لئے ہے تو باطل ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور ولی کا ذکر مصرف کے بیان کے لئے ہے تو صحیح ہے، لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ اس نذر میں کھانا کھلانے، خرچ کرنے اور مال صرف کرنے کا ثواب میت کی روح کو پہنچانا اپنے ذمہ لازم کیا جاتا ہے، اور یہ امر مسنون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسے کہ حضرت ام سعد وغیرہ کا حال صحیحین میں وارد ہے۔ پس اس نذر کا حاصل یہ ہے کہ اتنی مقدار کا ثواب فلاں کی روح کو پہنچانا مقصود ہے، اور ولی کا ذکر عملِ منذور کی تعیین کے لئے ہے (یعنی ان کی روح کو ثواب پہنچانا مقصود ہے۔ ۱۲ق ن) نہ کہ مصرف بیان کرنے کے لئے، نذر

ماننے والوں کے نزدیک اس نذر کا مصرف اس ولی کے متوسلین ہوتے ہیں مثلاً رشتے دار، خدام اور پیر بھائی وغیرہ، بلاشبہ نذر ماننے والوں کا مقصد یہی ہوتا ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے، اسے پورا کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ ایسی عبادت ہے جو شریعت میں معتبر ہے۔

ہاں اگر اس ولی کو مستقل طور پر مشکلات کا حل کرنے والا یا شفیع غالب اعتقاد کریں تو یہ عقیدہ شرک اور فساد تک پہنچا دے گا، لیکن یہ عقیدہ الگ چیز ہے اور نذر دوسری چیز۔[1]

چشم انصاف سے دیکھئے! عامۃ المسلمین جب یہ کہتے ہیں کہ یہ بکرا سیدنا غوث اعظم کے نام کا ہے تو ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے لئے اور اسی کا نام لے کر ذبح کیا جائے گا، اس کا گوشت بندگانِ خدا کو کھلا کر ثواب سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پرفتوح کو پہنچایا جائے گا، اس عمل سے بکرا کیوں حرام ہو جائے گا؟ اور وہ شخص کیوں مشرک ہو جائے گا؟ شاہ صاحب تو فرماتے ہیں کہ اگر ایسی نذر مانی گئی تو وہ نذر صحیح ہے اور اسے پورا کرنا واجب ہے۔

حضرت عالمگیر کے استاذ اور مشہور درسی کتاب نور الانوار کے مصنف حضرت ملاجیون آیت مبارکہ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ، کے تحت فرماتے ہیں:

وَمِنْ هٰهُنَا عُلِمَ اَنَّ الْبَقَرَةَ الْمَنْذُوْرَةَ لِلْاَوْلِيَاءِ كَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِيْ زَمَانِنَا حَلَالٌ طَيِّبٌ۔[2]

''یہاں سے معلوم ہوا کہ وہ گائے جس کی نذر اولیائے کرام کے لیے مانی جائے جیسے کہ ہمارے زمانے میں رواج ہے، حلال اور طیب ہے۔

---

(۱) عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاویٰ عزیزی فارسی (مجتبائی، دہلی) ج اص ۲۲-۱۲۱

(۲) ملاجیون: تفسیرات احمدیہ (مکتبہ احمدیہ، دیوبند) ص ۴۴

۴۔ اس جگہ ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جانوروں کو مشرکین اپنے معبودوں کے لئے مختص کر دیتے تھے اور اس کی تشہیر بھی کرتے تھے تاکہ ان جانوروں کا احترام کیا جائے، قطعی بات ہے کہ وہ مشرکانہ عقیدے کی بنا پر ایسا کرتے تھے، ہمارے مخالفین کے نزدیک وہ جانور لازمی طور پر مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں داخل ہوں گے، اس کے باوجود ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو ان کا کھانا مسلمانوں کے لئے جائز ہے، صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے نہ کھانے والوں کو زجر فرمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَالَكُمْ اَنْ لَّاتَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (۶/۱۱۹)

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان جانوروں سے نہیں کھاتے جن پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے۔''

علامہ ابوالسعود اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس بات کا انکار فرمایا ہے کہ ان کے لئے کوئی ایسی چیز پائی جائے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کئے ہوئے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ جانوروں کے کھانے سے اجتناب کا سبب ہو۔''[1]

اللہ اکبر! کافروں نے جن جانوروں کو مشرکانہ طور پر اپنے معبودانِ باطلہ کے لئے مختص کر دیا ہو انہیں مسلمان اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کریں تو ان کا کھانا حلال، اور عامۃ المسلمین اولیاء اللہ کے ایصال ثواب، فاتحہ اور نذر عرفی کے لئے مخصوص کردہ جانوروں کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کریں تو ان کا کھانا حرام، اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟

علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری کا فتویٰ

۱۳ر جون ۱۹۹۰ء کو برادر محترم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری مدظلہ بذریعہ بحری

---

(۱) ابوالسعود، امام: تفسیر ابوسعود (احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۳ ص ۱۷۹

جہاز حج وزیارت کے لئے حرمین شریفین روانہ ہوئے تو راقم انہیں رخصت کرنے کے لئے کراچی گیا، ان کی واپسی پر استقبال کے لئے دوبارہ ۱۹/اگست کو کراچی جانے کا اتفاق ہوا، دونوں دفعہ آمد ورفت کے موقع پر ہوائی جہاز کے ٹکٹ کا انتظام جناب سیٹھ عرفان عمر صاحب (لاہور) نے کیا اور قیام کے لئے تاج محل ہوٹل کا کمرہ ریز رو کرایا، شمس العلوم جامعہ رضویہ، کراچی اور دار العلوم نعیمیہ، کراچی کے علماء نے پرتپاک استقبال کیا، مولانا قاری محمد اسمٰعیل سیالوی اور ان شاگرد رشید جناب عمر فاروق سیالوی کیپٹن نیوی نے روانگی اور واپسی پر اتنا پُرخلوص تعاون کیا کہ اسے بھلایا نہیں جا سکتا، دونوں دفعہ کیپٹن صاحب راقم کو بحری جہاز کے اندر لے گئے اور مسلسل ساتھ رہے، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اسی سفر میں علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے بھتیجے، جلیل القدر فاضل حکیم نصیر الدین مدظلہ العالی نظامی دواخانہ، شاہراہ قائدین کراچی سے ملاقات ہوئی، دوران گفتگو علامۃ الہند کے غیر مطبوعہ فتوے کا ذکر آ گیا، حکیم صاحب نے بتایا کہ دار العلوم دیوبند سے ایک فتویٰ بغرض تصدیق علامۃ الہند کے پاس آیا، فتوے کا مضمون یہ تھا کہ:

''اولیاء کرام کے لئے نامزد کیا جانے والا جانور حرام ہے۔''

علامۃ الہند نے فرمایا: مجھے اس فتوے سے اتفاق نہیں ہے، اس لئے تصدیق نہیں کر سکتا، حضرت کے شاگرد مولانا منتخب الحق (سابق صدر شعبۂ معارف اسلامیہ، کراچی یونیورسٹی) نے درخواست کی کہ اگر آپ کو اس فتوے سے اختلاف ہے تو آپ اپنا موقف تحریر فرما دیں، اس طرح یہ فتویٰ تحریری طور پر معرضِ وجود میں آیا۔

عبد الشاہد خاں شروانی اس فتوے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مَـا اُهِـلَّ بِـهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے حرمت کے دائرہ میں ان جانوروں کو بھی داخل کر لیا جو کسی بزرگ کے فاتحہ وغیرہ کے نام سے موسوم ومتعین ہو جائیں، مولانا (معین الدین اجمیری)

کا مسلک شاہ صاحب کے مخالف تھا، اس پر ایک مبسوط محققانہ مضمون بھی
لکھا تھا جو ضائع ہو گیا، اور روز افزوں صحت کی خرابی نے دوبارہ لکھنے کا
موقع نہ دیا۔[1]

لازمی بات ہے اس متاع گم گشتہ کی بازیابی کی اطلاع سے خوشی ہوئی، حکیم صاحب نے بتایا کہ اس فتوے کی اصل کاپی عامر عثمانی، ایڈیٹر ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند بغرضِ اشاعت لے گئے تھے، لیکن انہوں نے یہ فتویٰ شائع نہیں کیا، البتہ اس کی فوٹو کاپی حکیم سید محمود احمد برکاتی، کراچی کے پاس موجود ہے، راقم کی درخواست پر برکاتی صاحب نے ایک فوٹو کاپی مجھے فراہم کر دی۔

یہ فتویٰ باریک قلم سے لکھا گیا تھا، فوٹو کاپی بھی صاف نہ تھی اس لئے اس کا پڑھنا بڑا دشوار تھا، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے فاضل مدرس مولانا غلام نصیر الدین چشتی نے بڑی دیدہ ریزی سے اسے نقل کیا، مولانا حافظ محمد رمضان خوشنویس نے کتابت کی، اس طرح یہ غیر مطبوعہ فتویٰ چھپ کر قارئین کرام کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔

اسی موضوع پر امام احمد رضا بریلوی کا ایک مختصر مگر جامع رسالہ ہے:

سُبُلُ الْاَصْفِیَاء فِیْ حُکْمِ الذَّبْحِ لِلْاَوْلِیَاء،

موضوع کی مناسبت کے پیش نظر دونوں فتوے رضا اکیڈمی، لاہور کی طرف سے اکٹھے شائع کئے جا رہے ہیں، رضا اکیڈمی، لاہور کے اراکین و معاونین اس علمی پیشکش پر بجا طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں، مقامِ صد شکر ہے کہ رضا اکیڈمی، لاہور نے مختصر عرصے میں علمی اور اشاعتی میدان میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، جن پر علمی حلقوں نے نہایت حوصلہ افزا تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ/ ۱۲؍نومبر ۱۹۹۱ء

---

(۱) عبدالشاہد خاں شروانی: باغی ہندوستان (مکتبہ قادریہ، لاہور ۱۹۷۸ء) ص ۲۰-۲۱۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ائمہ دین کی نعت گوئی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا، ان نعمتوں کا تقاضا ہے کہ بندہ اسے وحدہ لاشریک مانے، اس کی عبادت کرے، اس کی بارگاہ میں سراپا سپاس ہو اور ہمہ وقت اس کے ذکر میں مصروف رہے —— اگر انسان اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کی یاد اور اطاعت میں صرف کر دے اور ہر بُن مو زبان شکر بن کر ہر وقت اس کا شکر ادا کرنے میں مصروف ہو جائے تو اس رب کریم کا حق شکر ادا نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور رازِ توحید سے ہمیں کس نے آشنا کیا؟ موت و حیات، خیر و شر اور دنیا و آخرت کا فلسفہ کس نے بتایا؟ کیا ہم اس کریم ہستی کا شکریہ ادا کر سکتے ہیں؟ نہیں؟ ہرگز نہیں، ہماری سعادت اور فیروز بختی یہی ہے کہ ہم اللہ کریم جل شانہ کے آخری نبی اور حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں، آپ کے بتائے ہوئے راستے صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے ساتھ ساتھ ہادیٔ برحق محسن اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اپنے دل و دماغ میں راسخ کر لیں اور اس محبت کا نور اس قدر پھیلائیں کہ غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں اور معصیت کی زندگی بسر کرنے والے تقویٰ و طہارت کا پیکر بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح و نعت ہر مسلمان کا وظیفہ اور وجہ سکونِ قلب ہے، مخلوق میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی کماحقہ حمد نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کے شاہکار اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کا حق ادا کرنا بھی کسی مخلوق کے بس کی بات نہیں، رب کائنات نے تمام دنیا کے ساز و سامان کو قلیل فرمایا ہے، وہ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتا ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم

''اے حبیب! بے شک آپ عظیم خلق کے مرتبے پر فائز ہیں۔''

اس ذات اقدس کے مقام و مرتبہ اور عظمتِ اخلاق کے بیان کا حق کون ادا کر سکتا ہے؟

اے رضا خود صاحب قرآن ہے مداحِ حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

ائمہ دین کو دینی امامت کا منصب اس لئے حاصل ہوا کہ انہوں نے دینِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیغام تحریر وتقریر کے ذریعے عوام وخواص تک پہنچایا اور لوگوں کے دلوں میں عظمت خداوندی اور رفعت مصطفائی کی عقیدت راسخ کی ــــــ مصنفین اور خاص طور پر ائمہ دین، مفسرین، محدثین اور فقہاء نے اپنی کتابوں کے آغاز کو جہاں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سے بابرکت بنایا، وہاں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہوئے آپ کے اوصافِ حمیدہ اور شمائلِ مبارکہ کے بیان سے سعادت حاصل کی ــــــ مفسرین نے قرآن پاک کی تفسیر کرتے ہوئے مختلف آیات کے تحت بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں گلہائے عقیدت پیش کئے جن کے مطالعہ سے مشامِ جان معطر ہو جائے، محدثین نے اس عنوان پر مستقل کتابیں تحریر کیں مثلاً:

- ــــــ دلائل النبوۃ: امام ابونعیم
- ــــــ دلائل النبوۃ: امام بیہقی
- ــــــ خصائص کبریٰ: امام جلال الدین سیوطی
- ــــــ حجۃ اللہ علی العالمین: امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی

حدیث کے شارحین نے اپنی شروحات میں ــــــ سیرت نگاروں نے کتب سیرت میں ــــــ صوفیاء نے کتب تصوف میں اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

بارگاہِ حسن وناز میں اپنی اپنی بساط کے مطابق ہدیۂ عقیدت و نیاز پیش کیا ہے، یہ سب نعت ہی کے تو انداز ہیں۔

منظوم نعت پیش کرنے والے صحابۂ کرام سے لے کر آج تک کے اہل محبت شمار سے باہر ہیں، اور سچی بات تو یہ ہے کہ بے شمار جہانوں میں سے نعت کا اپنا ایک جہان ہے، جس میں صحابۂ کرام بھی ملیں گے، امام زین العابدین، امام ابوحنیفہ، سیدنا غوث الاعظم، علامہ بوصیری، شیخ سعدی، مولانا جلال الدین رومی، مولانا جامی، حکیم خاقانی، قدسی، نظامی گنجوی، امیر خسرو اور دور آخر میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، آزاد بلگرامی، احمد شوقی، علامہ محمد فضل حق خیر آبادی، علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ بھی ملیں گے۔

علامہ یوسف نبہانی کا عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے نثری گلہائے نعت ''جواہر البحار'' کی چار جلدوں میں اور منظوم قصائد نعت ''**المجموعة النبهانية**'' کی چار جلدوں میں جمع کر دئے ہیں، یہ دونوں کتابیں عربی میں ہیں، البتہ ''جواہر البحار'' کا ترجمہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور نے چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔

۱۴۱۶ھ/۱۹۹۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ' ونصلی ونسلم علیٰ رسو لہ الکریم

حضرات گرامی! آج کے مباحثے کا موضوع ہے:

''نظام مصطفےٰ اقتدار سے نہیں کردار سے آتا ہے''

اپنی رائے کے اظہار سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نظام مصطفےٰ کا مفہوم واضح کر دیا جائے ــــــ نظام کا معنی ہے: ''موتیوں کو لڑی میں پرو دینا'' ــــــ اور عربی زبان میں مصطفیٰ کا معنی منتخب ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صفاتی نام ہے۔ مجموعی طور پر ''نظام مصطفیٰ'' سے مراد ''نظامِ اسلام'' ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے۔ نظامِ مصطفےٰ کا مطلب یہ ہوا کہ مخلوق خدا کو اسلامی احکام کا پابند بنا دینا اور ظاہر ہے کہ یہ کام انفرادی طور پر نہیں اجتماعی طور پر ہوگا اور اجتماعیت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتی جب تک کوئی بااختیار شخصیت کنٹرول کرنے کے لئے موجود نہ ہو ــــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَآتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔

''وہ لوگ کہ جب ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں ــــــ زکوٰۃ دیں ــــــ نیکی کا حکم دیں، اور برائی سے روکیں۔''

نماز اور زکوٰۃ کا قائم کرنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا نظام مصطفےٰ ہے۔ جسے اقتدار پر معلق کیا گیا ہے۔ اقتدار ہوگا تو یہ سب کچھ نافذ ہوگا، اقتدار نہیں ہوگا تو آپ اپنی نماز پڑھ سکتے ہیں، خود زکوٰۃ دے سکتے ہیں لیکن نماز اور زکوٰۃ کا نظام نافذ نہیں کر سکتے۔

مکہ مکرمہ میں نبی اکرم ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد تیرہ سال بسر کیے۔ کردار

اس وقت بھی موجود تھا لیکن نظام مصطفیٰ مدینہ طیبہ میں اس وقت نافذ ہوا جب اقتدار قائم ہوا۔

غور فرمایئے نظام مصطفیٰ میں:

O—— احکام خداوندی نافذ کئے جائیں گے،

O—— نماز جمعہ جماعت اور عیدین کا اہتمام کیا جائے گا،

O—— جھگڑوں کو نمٹایا جائے گا،

O—— ظالموں سے مظلوموں کا حق دلایا جائے گا،

O—— چوروں، زانیوں شرابیوں ڈاکوؤں پر حدود شرعیہ نافذ کی جائیں گی،

O—— اسلامی ممالک کی سرحدوں کی حفاظت کی جائے گی،

O—— کافروں سے جہاد کیا جائے گا،

O—— عدل وانصاف کیا جائے گا،

O—— اور یہ سب کچھ اقتدار کے بغیر ناممکن ہے۔

اریٹیریا کی مثال آپکے سامنے ہے، وہاں مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود نظام مصطفیٰ سے اس لئے محروم ہیں کہ وہاں اقتدار عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اب وہ کردار کے لحاظ سے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں، اقتدار کے بغیر نظامِ مصطفیٰ نافذ نہیں کر سکتے۔

احادیث مبارکہ میں امیر کی اطاعت کو اس قدر اہمیت دی گئی ہے کہ، اگر حبشی غلام بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت سے بھی انحراف نہ کرو، ورنہ سارا نظام مختل ہو کر رہ جائے گا۔

لیکن یہ بھی ذہن میں رہے کہ اقتدار کس کا ہو؟ اقتدار ایسے شخص کا ہو جو مسلمان ہو، غلامِ مصطفیٰ ہو، جو اپنے آپ کو حکومت الٰہیہ کا ایک سپاہی تصور کرے۔ ورنہ محض اقتدار تو ریگن اور اندرا گاندھی کے پاس بھی موجود ہے، ان سے نظامِ مصطفیٰ لانے کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی۔

محررہ ۲۰۰۰ء/۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

علمِ دین کی اہمیت

جناب صدرگرامی قدر! حضرات علماء کرام اور مدارس دینیہ کے لائقِ احترام طلبہ!

یہ امرخوش آیند ہے کہ مدارس اسلامیہ کے طلباء تنظیم اور اجتماعیت میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ یہ کوشش عملی زندگی میں ممد اور معاون ثابت ہوگی۔ میرے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ مجھے ''انجمن طلباء مدارس عربیہ'' کے اس اجتماع میں:

''علم دین کی اہمیت''

کے موضوع پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی ہے، آپ حضرات چونکہ خود علماء دین ہیں اور علم دین کے حصول میں مصروف ہیں، آپ سے زیادہ علم دین کی اہمیت سے کون واقف ہوگا؟ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر الفاظ میں اصل موضوع پر کچھ عرض کرنے کے ساتھ ساتھ علم دین کی کچھ ضرورتوں اور تقاضوں کی طرف بھی اشارہ کرتا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سلف صالحین کے نقش قدم پر چل کر صحیح انسان سچا، مسلمان، ملک وملت اور دین کا مخلص خادم بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرات علماء کرام! علم دین کا بقدر ضرورت حاصل کرنا فرض عین ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ'' عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ '' اور قدر ضرورت سے زیادہ علم حاصل کرنا جس سے دوسروں کی ضرورت پوری کی جاسکے فرض کفایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ'' لِیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ۔ الآیۃ۔ اس دعوے کی بین دلیل ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ ہر بڑی جماعت سے ایک چھوٹی جماعت کیوں نہ نکلی تاکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔

احادیث طیبہ میں علماء دین اور طلباء کی بڑی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔ چند حدیثیں سنئے اور اپنی قسمت پر فخر کیجئے کہ آپ نے جو راستہ منتخب کیا ہے وہ سب سے بہتر راستہ ہے اور اسی میں دین و دنیا کی سعادتیں ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

1. تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔ (ابن ماجہ ص ۱۹)
2. اے ابوذر! اگر تو صبح جا کر قرآن پاک کی ایک آیت کا علم سیکھے تو تیرے لئے سو رکعت ادا کرنے سے بہتر ہے، اور اگر تو علم کا ایک باب حاصل کرے خواہ اس پر عمل کیا گیا یا نہ تو تیرے لئے ہزار رکعت سے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۰)
3. ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔ (ایضاً)
4. جو شخص طلب علم کے لئے کسی راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان فرما دیتا ہے۔
5. طالب علم کی خوشنودی کے لئے فرشتے پَر جھکا دیتے ہیں۔
6. ارض و سما کی مخلوقات، یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں، طالب علم کی مغفرت کی دعا مانگتی ہیں۔
7. عالم کو عابد پر وہ فضیلت حاصل ہے جو چاند کو دوسرے ستاروں پر ــــ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے وراثت میں درہم و دینار نہیں دئے انہوں نے ورثہ میں علم دیا ہے جس نے علم حاصل کیا اس نے بہت بڑا حصہ حاصل کیا۔ (ایضاً ۲۰)
8. اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین کا فہم عطا فرماتا ہے۔ (ایضاً ص ۲۰)

رسول اللہ ﷺ کے مہمانو! یہ فضل و شرف کس کے لئے ہے؟ بلا شبہ یہ شرافت علم دین کے متوالوں اور طلبگاروں کے لئے ہے، لیکن اس طلب کے مقبول اور ثمر آور ہونے کے لئے نیت کا صحیح ہونا اولین شرط ہے۔ نیت یہ ہونی چاہیے کہ:

میں علم دین حاصل کر کے اور اپنے عقائد، اخلاق اور اعمال کو درست کر کے خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کروں گا پھر اللہ تعالیٰ نے موقع دیا تو

تدریس، تصنیف، تبلیغ وافتاء وقضا کے ذریعے خدمتِ دین اور خدمت خلق انجام دوں گا۔

یہ سب امور ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اصل مقصد تو صحیح انسان اور سچا مسلمان بن کر خدا اور سول کی رضا کا حصول ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

''جس نے وہ علم حاصل کیا جو رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے اور وہ اس علم سے دنیا کا ساز وسامان حاصل کرنا چاہتا ہے وہ جنت کی ہوا بھی نہ پائے گا۔'' (ابن ماجہ: ص۲۲)

ایک دوسری حدیث میں ہے:

''جو شخص اس لئے علم حاصل کرتا ہے کہ اس علم کی بنا پر جاہلوں سے جھگڑے یا علماء پر فخر کرے یا لوگوں کی توجہات اپنی طرف مبذول کرے وہ جہنم میں ہے۔'' (ابن ماجہ: ص۲۲)

دوسری چیز جو انتہائی ضروری ہے وہ استقامت ہے۔ والدین بچے کو دینی درسگاہ میں داخل کراتے ہیں طالب علم اپنے ماحول کو دیکھتا ہے کہ بیٹھنے کے لئے چٹائی، کھانے کے لئے روکھی سوکھی روٹی، گلی کوچے میں آتے جاتے لوگوں کی طنز بھری نگاہیں برداشت کرنا پڑتی ہیں بلکہ بعض اوقات تمسخر آمیز فقرے سننے پڑتے ہیں۔ پھر طالب علم اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے کہ فارغ ہو کر مسجد کی امامت یا خطابت پر تقرر ہوگا۔ تین چار سو روپے مشاہرہ ہوگا اور ہر شخص اعتراض اور نکتہ چینی کو اپنا پیدائشی حق تصور کرے گا۔ اس کے برعکس سکول اور کالج کے طلبہ تعلیم کے دوران اس قسم کی مشکلات سے دوچار نہیں ہوتے اور فراغت کے بعد انہیں دنیاوی اعتبار سے باعزت روزگار میسر آتا ہے تو طلبہ کا دل مچل اٹھتا ہے کہ ہمیں بھی کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔

مشہور مقولہ ہے کہ ہر شے کے لئے ایک آفت ہوتی ہے اور علم کے لئے بے شمار آفتیں ہیں۔ یہ صورتحال بھی اُن آفتوں میں سے ایک آفت ہے خصوصاً شہری طلباء کے

لئے۔اگر ہم علم دین کی فضیلتوں اور عظمتوں پر غور کریں اور یہ سوچیں کہ کائنات کی مقدس ترین ہستیوں انبیاء کرام علیہم السلام اور خصوصاً حضور سید عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور ان قدسی صفات حضرات نے کس ثابت قدمی کے ساتھ دعوت دین کا کام جاری رکھا تھا؟ تو ہمارے اندر وہ خوداعتمادی پیدا ہوگی کہ راستے میں آنے والی مشکلات پرِ کاہ کی حیثیت نہیں رکھیں گی اور جب ہمارے اندر یہ احساس اجاگر ہو جائے گا کہ ہم یہ تمام تکلیفیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے برداشت کر رہے ہیں تو ان تکالیف میں بھی کیف وسرور محسوس ہوگا۔

آپ یہ خیال نہ کریں کہ میں دنیاوی تعلیم کے حصول کی مخالفت کر رہا ہوں آپ پہلے علوم دینیہ حاصل کر لیجئے پھر چاہے تمام عمر دنیا کے مروج علوم حاصل کرتے رہیں ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا بلکہ تبلیغ کے نقطۂ نظر سے ایسا کرنا ضروری ہے کیونکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے ہماری گفتگو اسی وقت قابل توجہ ہوگی جب ہم ان کی سوچ اور ان کے معیار کے مطابق گفتگو کریں گے نیز پاکستان میں نظام مصطفےٰ ﷺ کے نفاذ کے چرچے سنائی دے رہے ہیں اس سلسلے میں آپ اپنا کردار اسی وقت ادا کر سکیں گے جب آپ کو دینی علوم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم پر بھی عبور حاصل ہوگا۔البتہ دینی تعلیم کو نامکمل چھوڑ کر دنیاوی تعلیم میں مصروف ہو جانا افسوس ناک عمل ہے۔

ملک وملت کی فلاح و بہبود اور مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کی بقا اور ترقی کے لئے چند ضروری امور کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

1. ہمارے ہاں ٹھوس قابلیت کے مدرسین تیار ہونے چاہئیں۔خدمت دین کے سلسلے میں مدرسین بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔سوء اتفاق کہ ہمارے ہاں قابل مدرسین کی صرف قلت نہیں بلکہ قحط ہے۔ہمارے ہاں علمی انحطاط کے پیش نظر مخالفین کا کہنا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب مدارس اِن کے ہوں گے اور مدرس ہمارے ہوں گے، مسجدیں ان کی ہوں گی اور خطیب ہمارے ہوں گے۔

❷ تصنیف و تالیف کی طرف ہمیں خصوصی توجہ دینی چاہیے، آج کا دور سٹیج کا دور نہیں بلکہ پریس کا دور ہے۔ آج جب کہ ہمارے اہل علم کسی قدر قلم و قرطاس کی طرف توجہ دے رہے ہیں اس کے باوجود مارکیٹ میں جا کر دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی موضوع پر مخالفین کی تصانیف مل سکتی ہیں، جب کہ بہت سے موضوعات ایسے ہیں جن پر اہل سنت کی تصانیف نہیں ملیں گی۔

❸ ہمارے علماء کو چاہیے کہ انہیں اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس ہو —— ان کا مطالعہ وسیع ہو —— کردار بلند ہو —— وعدے کی پاسداری ہو —— حالاتِ زمانہ اور ان کے تقاضوں کا صحیح ادارک ہو —— گفتگو پر مغز اور مدلل ہو —— زیب داستاں کے لئے قصے کہانیوں کا سہارا نہ لیں بلکہ قرآن و حدیث اور علمائے امت کی مستند تصانیف کو بنیاد بنائیں —— امام غزالی، امام ابوالقاسم قشیری، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری کے تتبع میں زبان و بیان میں ایسی حلاوت ہو کہ مخالف بھی کشش محسوس کرے —— امام رازی، علامہ سیوطی، علامہ آلوسی اور امام احمد رضا بریلوی کی پیروی میں دلائل ایسے دئے جائیں جو دل میں اترتے ہوئے محسوس ہوں —— وعظ و تقریر صرف فضائل تک محدود نہ ہو بلکہ عوام الناس کو نماز روزہ، حج و زکوٰۃ اور اسلام کی دیگر بنیادی تعلیمات کی مؤثر تلقین کی جائے۔

❹ آج مخالفین غیر ملکی سرمائے اور تمام تر قوت کے ساتھ مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف مصروف کار ہیں، اس لئے ہمیں اپنی صفوں میں کامل اتفاق اور اتحاد کی شدید ضرورت ہے۔ اسی میں ہماری فلاح و بقا مضمر ہے اور اسی میں ملک و ملت کی بھلائی ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

نوٹ:۔ یہ مقالہ ۴ رمحرم مطابق ۱۰ رنومبر ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء کو انجمن طلبائے مدارس عربیہ کے زیر اہتمام جامعہ نعیمیہ، لاہور میں منعقد ہونے والے اجلاس میں پڑھا گیا۔

دینی مدارس کا کردار

دین اسلام دین برحق ہے۔ یہی دین فطرت ہے۔ یہ دین اس کامل ترین ہستی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے معجزات کے ذریعے تائید وتقویت فراہم کی۔ یوں تو سرکارِ دو عالم ﷺ کے ہزاروں معجزات ہیں لیکن سب سے زیادہ نمایاں اور لازوال معجزہ قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک کا پوری دنیا کو چیلنج ہے کہ اگر تمہیں دینِ اسلام کی حقانیت میں شک وشبہ ہے تو کسی مختصر سے مختصر آیت کی مثال لا کر پیش کرو۔ چودہ سو سال گزر گئے مگر آج تک دنیائے کفر پر سناٹا چھایا ہوا ہے۔ کسی کو اس چیلنج کے قبول کرنے کی جرات نہیں ہو سکی۔ مخالفین اسلام کے پاس کس چیز کی کمی ہے؟

- ——دولت کی ان کے پاس فراوانی ہے۔
- ——علوم وفنون کے بڑے بڑے ماہرین اور عظیم الشان ادارے ان کے پاس موجود ہیں۔
- ——عربی زبان وادب کے سکالران کے پاس موجود ہیں۔

اس کے باوجود ان کا اس چیلنج کو قبول نہ کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے اور دینِ اسلام برحق ہے۔

دینِ اسلام کے ماننے والوں کا پہلا فریضہ ہے کہ عقائد واعمال سے متعلق اسلامی تعلیمات کا علم حاصل کریں اور ان عقائد کو اپنے دل میں جگہ دیں اور اعمال پر عمل پیرا ہوں۔ دوسرا فریضہ یہ ہے کہ ان تعلیمات سے دوسروں کو روشناس کرائیں۔ اپنے رشتہ داروں کو، اپنے ملک والوں کو اور پھر دنیا بھر کے باشندوں کو اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا

قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ''۔

''تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کرے اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائے اس امید پر کہ وہ بچیں۔'' (التوبہ ۹/۱۲۲)

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

بَلِّغُوْا عَنِّی وَلَوْ آيَةً ''ہماری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی سہی۔''

دینی مدارس کا یہ کردار قابل قدر ہے کہ انہوں نے ہر دور میں قرآن وحدیث کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مولوی کی اہمیت اور عظمت ہی تھی جس نے بادِ مخالف کے شدید ترین جھونکوں کے باوجود شمع اسلام روشن رکھی۔ ذرا تصور کیجئے جس وقت برعظیم پاک و ہند پر انگریزوں کی حکمرانی تھی اس وقت ہندو اور انگریز نے اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے کیا کیا حربے استعمال نہیں کیے؟ دینی مدارس کے خاتمے اور علماء دین کو بے اثر بنانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا گیا؟ اس کا اندازہ قدرت اللہ شہاب کے درج ذیل اقتباس سے کیا جا سکتا ہے:

''ایک زمانے میں ملا اور مولوی کے القاب علم وفضل کی علامت ہوا کرتے تھے۔ لیکن سرکار انگلشیہ کی عملداری میں جیسے جیسے ہماری تعلیم اور ثقافت پر مغربی اقدار کا رنگ و روغن چڑھتا گیا اسی رفتار سے ملا اور مولوی کا تقدس بھی پامال ہوتا گیا۔ رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ یہ دونوں تعظیمی اور تکریمی الفاظ تضحیک وتحقیر کی ترکش کے تیر بن گئے۔ داڑھیوں والے ٹھوٹھ اور ناخواندہ لوگوں کو مذاق ہی مذاق میں ملا کا لقب ملنے لگا۔ کالجوں، یونیورسٹیوں اور دفتروں میں کوٹ پتلون پہنے بغیر دینی رجحان رکھنے والوں کو طنز و تشنیع کے طور پر مولوی کہا جاتا تھا۔ مسجدوں کے پیش اماموں پر جمعراتی، شبراتی، عیدی، بقر عیدی، اور فاتحہ و درود پڑھ کر روٹیاں توڑنے والے قل اعوذئیے ملاؤں کی پھبتیاں کسی جانے لگیں۔''

اس نامساعد اور حوصلہ شکن ماحول کے باوجود یہ علماء دین ہی تھے جنہوں نے نہ صرف دینی تعلیمات کو سینے سے لگائے رکھا بلکہ دوسروں تک منتقل کرنے کا فریضہ بھی ادا کرتے رہے۔ انہوں نے بوسیدہ چٹائیوں پر بیٹھنا گوارا کیا، روکھی سوکھی روٹی پر اکتفا کیا، لوگوں کے طنز و تشنیع میں ڈوبے ہوئے کلمات کے تیر و نشتر برداشت کیے۔ لیکن اپنے فرض منصبی سے دستبردار نہ ہوئے اور نہ ہی پرچم اسلام کو سرنگوں ہونے دیا۔ یہ ان کی قابل داد استقامت نہیں تھی تو کیا تھا؟ یہ ایثار و قربانی اور استقامت دینی مدارس میں دی جانے والی تعلیم و تربیت ہی کا فیضان تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ان کے شامل حال تھی۔

قدرت اللہ شہاب جو کسی زمانے میں ایوب خاں کے سیکرٹری ہوا کرتے تھے لکھتے ہیں:

''دن ہو یا رات، آندھی ہو یا طوفان، امن ہو یا فساد، دور ہو یا نزدیک، ہر زمانے میں شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی، کچی پکی مسجدیں اسی ایک ملا کے دم سے آباد تھیں۔ جو خیرات کے ٹکڑوں پر مدرسوں میں پڑا تھا۔ در بدر کی ٹھوکریں کھا کر گھر بار سے دور اللہ کے کسی گھر میں سر چھپا کر بیٹھ رہا تھا۔ اس کی پشت پر نہ کوئی تنظیم تھی نہ کوئی فنڈ تھا اور نہ کوئی تحریک تھی۔ اپنوں کی بے اعتنائی، بیگانوں کی مخاصمت، ماحول کی بے حسی اور معاشرے کی کج ادائی کے باوجود اس نے نہ اپنی وضع قطع کو بدلا اور نہ اپنے لباس کی مخصوص وردی کو چھوڑا۔ اپنی استعداد اور دوسروں کی توفیق کے مطابق اس نے کہیں دین کی شمع، کہیں دین کا شعلہ، کہیں دین کی چنگاری روشن رکھی۔ یہ ملا ہی کا فیض تھا کہ کہیں کام کے مسلمان، کہیں نام کے مسلمان، کہیں محض نصف نام کے مسلمان ثابت و سالم و برقرار رہے اور جب سیاسی میدان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان آبادی کے اعداد و شمار کی جنگ ہوئی تو ان سب کا اندراج مردم شماری کے صحیح کالم میں موجود تھا۔ برصغیر کے

مسلمان عموماً اور پاکستان کے مسلمان خصوصاً ملا کے اس احسانِ عظیم سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے جس نے کسی نہ کسی طرح، کسی نہ کسی حد تک ان کے تشخص کی بنیاد کو ہر دور اور ہر زمانے میں قائم رکھا۔''

قیام پاکستان کے بعد حالات میں تبدیلی نہیں آئی۔علماء دین اور دینی اداروں سے عوام الناس کی بے اعتنائی بدستور قائم رہی۔بعض لوگوں کا دلچسپ مشغلہ ہی یہ ہے کہ اٹھتے بیٹھتے علماء کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔لیکن آفرین ہے علماء کرام کی ہمت مردانہ پر کہ وہ اپنی معاشی ناہمواری، قوم کی بے اعتنائی اور وسائل کی قلت کے باوجود دین متین کا پیغام عام کرنے میں مصروف عمل ہیں۔

ماضی قریب میں بیرون ملک علماء کرام کی مانگ پیدا ہوئی اور بڑی تعداد میں علماء کرام بیرون ممالک میں جا کر فریضہ تبلیغ ادا کرنے لگے۔اس کے ساتھ ہی حساس اور اہل فکر حضرات اس امر کو شدت سے محسوس کرنے لگے ہیں کہ بین الاقوامی سطح پر تبلیغ کے لئے ضروری ہے کہ مبلغ حضرات کو دنیا کی دوسری زبانوں اور خصوصاً جدید عربی اور انگریزی زبان پر بھی عبور ہونا چاہیے۔نیز تقابل ادیان کا وسیع مطالعہ ضروری ہے۔اسی صورت میں تبلیغ کے مطلوبہ نتائج اور ثمرات حاصل کئے جا سکتے ہیں۔مرکزی دینی مدارس کو اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اپنے ہاں ان شعبوں کے ساتھ شعبہ دعوت وارشاد کا بھی اجراء کرنا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی مدارس کے مدرسین

فرائض اور حقوق

دنیا کی ہر قوم تعلیم کی اہمیت کا اعتراف کرتی ہے، سالانہ بجٹ میں اس کے لئے خطیر رقم مختص کی جاتی ہے، خالقِ کائنات جل مجدہٗ نے ابتدائے آفرینش سے انسانیت کی فلاح و بہبود اور ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور آخر میں کائنات کے سب سے عظیم معلم، خاتم الانبیا ﷺ کو مبعوث فرمایا، آپ کے بعد صحابہ، ائمہ دین، مجتہدین اور اولیاء کرام اپنے اپنے دور میں اس فریضے کو انجام دیتے رہے۔ سب کا مقصد عالم انسانیت کی بھلائی اور فکر و کردار کو صراط مستقیم پر گامزن کرنا تھا، بالفاظ دگر انسانوں کو مقام انسانیت سے روشناس کرانا اور اس پر فائز کرنا تھا۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ دینی معلم اور مدرس، وارث انبیاء ہیں —— نائب اولیاء ہیں اور مسند نشین ائمہ دین ہیں۔ اور دینی تعلیم و تدریس وہ مقدس فریضہ ہے جس کے ذریعے انسانیت کی عظیم ترین کدمت انجام دی جاتی ہے۔ معلمین کے لئے اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاء سے بڑھ کر تاجِ عظمت اور تمغۂ فضیلت کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن یہ عزت اور احترام تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب ایک استاذ ان آداب کو اپنائے گا، جو رہبر اعظم ﷺ کی تابدار سیرت کا حصہ ہیں اس کے بغیر نہ تو ایک معلم صحیح معنوں میں معلم کہلانے کا حق دار ہو سکتا ہے اور نہ ہی تعلیم کے مطلوبہ نتائج میسر ہو سکتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا اس پر عمل کر کے دکھایا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

ان نبی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان خلقہ القرآن (الحدیث)

اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے؟ کہ نبی اکرم ﷺ نے قرآن پاک کے ایک ایک حکم پر عمل کر کے دکھایا۔لہٰذا معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ جن عقائد اور اعمال کی تعیم دے وہ پہلے خود ان کو اپنائے۔اگر وہ خود ان عقائد اور اعمال کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہے تو شاگردوں کو وہ تلقین کیسے فراہم کرے گا؟اسی طرح جن اعمال کی وہ تعلیم دے رہا ہے اگر خود ان پر عمل پیرا نہیں ہے تو وہ اعمال،طلبہ کی نگاہ میں کس طرح اہمیت حاصل کر سکیں گے؟

اللہ تعالیٰ کی یہ عادت کریمہ ہے اور اقوام عالم بھی اس فارمولے کو تسلیم کرتی ہیں کہ تعلیم کے لئے صرف کتاب کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے پڑھانے اور سکھانے کیلئے معلم ہونا چاہیے جو نہ صرف کتاب کی تعلیمات کو طلبہ کے ذہن نشین کرائے ، بلکہ وہ خود عمل اور کردار کا ایسا حسین پیکر ہو کہ طلبہ اسے آئیڈیل تسلیم کریں اور غیر شعوری طور پر اس کے رنگ میں رنگ جائیں۔

ارشاد ربانی ہے:

قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً

''فرما دیجئے کہ میں دین کی تعلیم اور تدریس پر تم سے کچھ معاوضہ طلب نہیں کرتا۔''

اس لئے معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی لالچ یا معاوضے کے پیش نظر تعلیم نہ دے، اگر ایسا ہے تو اسے دوکانداری اور کاروبار تو کہہ سکتے ہیں مگر تعلیم و تدریس کہنا مناسب نہ ہوگا، نبی اکرم ﷺ نے جز وقتی نہیں، ہمہ وقتی تعلیم دی لیکن اس پر فیس اور تنخواہ کا مطالبہ نہیں کیا۔معاوضے کی طلب نہیں کی صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہے اور خلق خدا کی بہتری مقصود ہے، اگر کچھ طلب کیا تو یہ کہ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ:

اے قبائل قریش! تمہارے ساتھ ہماری قرابت ہے اس قرابت کا پاس

کرواس سے محبت کرو اور ہم سے دور بھاگ کر جہنم کا ایندھن نہ بنو بلکہ اسلام لاکر جنت کے مستحق بن جاؤ۔

یعنی پھر بھی اپنی ذاتی منفعت کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ اپیل ہے تو یہ کہ ہمارے پیغام کو اپنا لو اور ہمارے مشن پر گامزن ہو جاؤ۔

مدارس وہ کارخانے ہیں جہاں دین کے ہر شعبے میں کام کرنے والے افراد تیار کئے جاتے ہیں ——— مدرس، مصنف، مناظر، مبلغ، خطیب، امام اور مفتی ان ہی اداروں میں تیار کئے جاتے ہیں اور اگر صحیح طور پر ایسے افراد تیار ہو جائیں تو معاشرے میں اسلامی انقلاب برپا کر سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ معلمی کو بطور پیشہ یا ذریعۂ معاش اختیار کرنے والے مدرسین، فعّال، اور باصلاحیت علماء تیار نہیں کر سکتے، یہ کارنامہ وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو اس کام کو بطور مشن اور عبادت انجام دینگے، جو ہر روز باقاعدہ مطالعہ کر کے اپنے موضوع پر پورا عبور حاصل کریں گے اور طلبہ کے سامنے مکمل اعتماد اور ذمہ داری سے گفتگو کر سکیں گے۔ حضرت ملک المدرسین استاذ العلماء مولانا عطاء محمد گولڑوی مدظلہ العالی[1] کو علوم دینیہ پڑھاتے ہوئے تقریباً نصف صدی کا عرصہ گزر چکا ہے مگر آج بھی وہ ہر کتاب کا مطالعہ کر کے پڑھاتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ جس مدرس کو خود شرح صدر حاصل نہ ہو وہ طالب علم کو علم کی روشنی کہاں سے عطا کرے گا؟

مدرس کی حیثیت ایک باپ کی ہے بلکہ بعض اعتبارات سے تو وہ باپ سے بڑھ کر ہے، اس لئے اس کا رویہ طلبہ کے ساتھ بڑا مشفقانہ اور مربیانہ ہونا چاہیے۔ طالب علم اگر اپنی کسی غلطی پر معذرت پیش کرے تو فراخدلی سے اسے قبول کرے، اور اگر کوئی سوال پوچھے تو اسے تمام تر تسلی کے ساتھ مطمئن کرنے کی کوشش کرے، استاذ کا کام ہے کہ وہ اپنے

---

(۱) استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ ۴ر ذیقعدہ مطابق ۲۱ر فروری ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شاگردوں کو معقول دلائل سے قائل کرے، رعب اور ڈانٹ ڈپٹ ذریعے انہیں خاموش کرنے کی کوشش نہ کرے۔ طلبہ کی اصلاح کے لئے بھی حکیمانہ انداز اختیار کرے اور ایسا طریقہ اختیار نہ کرے کہ طالب علم کی عزتِ نفس مجروح ہو، ورنہ بہت ممکن ہے کہ باغی اور سرکش خیالات اسے تحصیل علم ہی سے روک دیں اور کسی دوسرے راستے پر چلا دیں۔

درس نظامی میں منطق و معقول کی کتابیں اس لئے شامل کی گئی ہیں کہ فکر و نظر کو جلا ملے، حق کی تائید میں استدلال اور غور و فکر کا طریقہ معلوم ہو اور باطل افکار و نظریات کے شکوک و شبہات کا بخوبی ازالہ کرنے کا سلیقہ حاصل ہو جائے، ان علوم آلیہ کی افادیت تسلیم، لیکن بہتر یہ ہوگا کہ زیادہ زور اصولِ فقہ پر دیا جائے جس میں معقولیت بھی ہے اور براہِ راست دینی مسائل پر گفتگو بھی ہے —— پھر کیا ضروری ہے کہ ایک مدرس تمام زندگی منطق و فلسفہ کے پڑھانے میں ہی صرف کر دے، آلے کو آلے ہی کی حد تک استعمال کرنا چاہیے۔ اسے مقصد کا درجہ دے دینا وضع الشئ فی غیر محله کے ضمن میں آئے گا۔ ضروری ہے کہ ایک مدرس کچھ عرصہ علوم آلیہ پڑھانے کے بعد قرآن و حدیث، اصول فقہ اور علم عقائد و تصوف کے لئے مختص ہو جائے اور اپنی تمام توانائی ان علوم کے لئے صرف کر دے۔

اس جگہ ایک انتہائی اہم بات کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہمارے علماء خصوصاً واعظوں کی تمام تر سعی اور کاوش چند فروعی اور درجۂ استحباب کے مسائل پر مرکوز ہو کر رہ گئی ہے —— حالانکہ اصل اہمیت اس پیغام کی ہے جو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے جس پر عمل پیرا ہونے سے تاریخِ عالم میں حیرت انگیز انقلاب آ گیا۔ قیصر و کسریٰ کے تاجِ شہنشاہی مجاہد صحابہ کی ٹھوکروں پر آ گئے، ہمارے مدرسین کا فرض ہے کہ اپنے شاگردوں کو دین کی اصل روح سے آشنا کریں۔ انہیں بتائیں کہ ● —— توحید کا ایقان کیا ہے؟ ● —— رسالت کا مقام کیا ہے؟ انہیں بتائیں کہ ● —— عبودیت کا مطلب کیا ہے؟

لمبے چوڑے نصاب پڑھنے، کئی کئی گھنٹوں پر پھیلی ہوئی تقریریں سننے کا کیا فائدہ؟ اگر خداوند قدوس کے کارساز اور رزاق مطلق ہونے کا ہمیں یقین نہیں ہے، اگر ہمارے دل خشیتِ الٰہی سے معمور نہیں ہیں، اگر ہمیں ایک ایک عمل پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جوابدہ ہونے کا احساس نہیں ہے۔ اگر ہمارے اندر قوتِ عمل بیدار نہیں ہوتی اور اگر مؤذن کی آواز ہمیں عملاً لبیک کہنے پر مجبور نہیں کرتی۔

ایک وقت تھا جب مشائخ تصوف کی کتابیں سبقاً پڑھایا کرتے تھے، آج ہمارے نصاب سے تصوف کو خارج کر دیا گیا ہے، ایسے میں ذوق عبادت اور جذبہ اطاعت کہاں سے پیدا ہوگا؟ ہمیں احیاء العلوم، کشف المحجوب، الفتح الربانی، رسالہ قشیریہ، ارشاد المسترشدین اور مکتوبات امام ربانی، ایسی کتابوں کو شامل درس کرنا پڑے گا۔ ورنہ ہم خشک مُلّا تو تیار کرسکیں گے، ایسے افراد ہرگز تیار نہ کرسکیں گے جن کی گفتگو میں اپیل کرنے والی صلاحیت ہو، جو تقویٰ وطہارت کے پیکر ہوں اور جن کی نجی محفلیں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم ﷺ کے ذکر اور تعلیمات کے بیان سے آراستہ ہوں۔

ہمارے اساتذہ یونان کے فلاسفہ کے افکار پر مشتمل کتابیں تو پڑھاتے ہیں لیکن ایسی کوئی کتاب نہیں پڑھاتے جس میں ان کی ضلالتوں اور کافرانہ نظریات کی واضح نشاندہی کی گئی ہو، اس مقصد کے لئے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا رسالہ مبارکہ الکلمۃ الملہمہ ضرور پڑھانا چاہیے۔

نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سیرتوں کا تفصیلی مطالعہ بھی ضرور کرانا چاہیے کہ اس کے بغیر تعمیر سیرت کا تصور ہی باطل ہے، اولیا کرام ائمۂ مجتہدین اور علماء اہل سنت کے تذکروں سے بھی روشناس کرانا ضروری ہے۔

کسی بھی مدرس کے لئے وسیع مطالعہ اور تحقیق ازبس ضروری ہے اور تحقیق کیلئے تصنیف کے میدان میں قدم رکھنا ضروری ہے۔ تصنیف کے بغیر نہ تو کسی مسئلے پر پوری توجہ

مرکوز ہوتی ہے اور نہ ہی کسی موضوع کے ضروری پہلوؤں کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ مروج طریقے کے مطابق تفسیر کی کتابیں پڑھانے سے وہ فہم قرآن حاصل نہیں ہو سکتا جو قرآن پاک کی تفسیر لکھنے سے حاصل ہو سکتا ہے، لازماً اس کے لئے مختلف تفاسیر کا مطالعہ پورے انہماک سے کرنا ہوگا اور قدیم وجدید تفاسیر کی ورق گردانی کرنا ہوگی تب کہیں جا کر ایک عالم تفسیر لکھنے کی صلاحیت حاصل کر سکے گا۔

ایک مدرس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ طلبہ کی اخلاقی اصلاح پر بھرپور توجہ دے۔ تزکیۂ نفس، اتباع دین، صبر وشکر، توکل علی اللہ تعالیٰ، غنا، نفس اور عظمتِ کردار سے روشناس کرائے، تاکہ مدارس سے فارغ ہونے والے علماء عوام کے سامنے اعلیٰ کردار اور عمل کا نمونہ پیش کر سکیں، یہ تسلیم کہ انگریز نے اپنے دورِ حکومت میں عوام الناس کی نظروں میں علماء کا وقار گرانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ آج کے اکثر علماء کرام بھی اخلاق، کردار اور عمل کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش نہیں کر سکے جو عوام پر اچھا تاثر چھوڑے۔

مدرس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ صرف کلاس میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دے، طلبہ کے ساتھ زیادہ اختلاط اور وہ بھی خاص طور پر تنہائی میں اختیار نہ کرے۔ طالب علمی کے دور میں دوسرے طلبہ سے بے تکلف میل جول ہوتا ہے، لیکن اب اس سے اجتناب کرنا چاہیے، ورنہ مختلف قسم کی اخلاقی برائیاں پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے، اور کچھ نہیں تو کسی بھی مخالف کو اتہام پردازی کا بہترین موقع مل جائے گا ——— حضرت ملک المدرسین مولانا علامہ عطا محمد بندیالوی مدظلہ نے اپنے شاگرد مولانا شاہ محمد صاحب کو ایک جگہ تدریس کیلئے بھیجتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ درس وتدریس کے علاوہ طلبہ سے الگ تھلگ رہنا یہاں تک کہ ہو سکے تو اپنے کپڑے بھی خود دھو لینا۔

کتب درسیہ میں موقع کی مناسبت سے طلبہ کو تقابلی مطالعہ کی طرف بھی متوجہ کرنا

چاہیے ● — اسلام کا تقابل ادیان عالم سے ● — مسلک اہل سنت کا تقابل فرقہ باطلہ سے ● — مذہب حنفی کی اہمیت اور برتری دوسرے مذاہب پر ● — اور قرآن پاک کے مختلف تراجم کا تقابلی مطالعہ،

کرنا چاہیے تاکہ فارغ ہونے والے علماء ہر قسم کی معلومات سے بہرہ ور ہوں۔

نیز طلبہ کو انداز تبلیغ بھی سکھانا چاہیے، انہیں بتایا جائے کہ وہ اپنے خطاب میں قصے کہانیوں کا سہارا لینے کی بجائے قرآن وحدیث اور ائمۂ دین کے ارشادات پیش کریں، غیر ضروری اشعار اور وہ بھی ترنم کے ساتھ پڑھنے سے حتی الامکان اجتناب کریں کیونکہ تعلیم یافتہ طبقہ ان چیزوں کو پسند نہیں کرتا، سامعین کو واقعات سے نہیں دلائل سے قائل کریں، تقریر کا ایک عنوان متعین کریں اور اس پر معقول گفتگو کریں، نیز تمام وقت فضائل بیان کرنے پر صرف نہ کریں، بلکہ حاضرین کو مسائل سے آگاہ کریں، مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل ومناقب اس طرح بیان کیے جائیں کہ سننے والوں کو یہ معلوم ہو کہ ان کی سیرت میں ہمارے لئے کیا سبق ہے؟ واقعہ معراج کو ایک قصے یا کہانی کے طور پر نہیں، بلکہ اس طرح بیان کیا جائے کہ سامعین کو پتا چلے کہ اس میں ہمارے لئے کون کون سے اسباق مضمر ہیں؟ اسی طرح حضور سید العالمین ﷺ کی عظمت وجلالت اور آپ کی محبت کی عظمت اس طرح بیان کریں کہ حاضرین یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکیں کہ اس ہادئ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا لازم ہے ورنہ عشق ومحبت کا زبانی دعویٰ کوئی حیثیت نہیں رکھے گا۔

مدرس کا یہ کام ہے کہ طلبہ میں تبلیغ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دے، خیال فرمائیں کہ نبی اکرم ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے پاس اُن کے آخری وقت میں تشریف لے جاتے ہیں، وہاں ابوجہل اور دوسرے مشرکین بھی بیٹھے ہوئے ہیں، آپ نے یہ خیال کئے بغیر کہ یہ لوگ کیا کہیں گے؟ فرمایا:

''چچا ایک مرتبہ کلمہ پڑھ لو، میں اس کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں
تمہاری وکالت کروں گا۔''

ابوجہل وغیرہ مشرکین کہتے رہے کہ:

''ابوطالب! کیا تم ملت عبدالمطلب سے برگشتہ ہو جاؤ گے؟''

لیکن سرکار دو عالم ﷺ نے بار بار کلمۂ طیبہ پڑھنے کی تلقین فرما کر اپنی ذمہ داری کا حق پورا کر دیا، اسی طرح ایک یہودی بچہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہو گیا تو آپ بنفس نفیس اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اس کے یہودی باپ کی موجودگی میں فرمایا: بیٹے کلمہ پڑھ کر حیات جاودانی حاصل کر لو، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اس کے باپ نے کہا: ''اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ حضور کی بات مان لو'' وہ بچہ کلمہ ایمان پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور ایمان پر اس دنیا سے رخصت ہوا، سرکار دو عالم ﷺ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بدولت اسے مستحق نجات بنا دیا، ایک مرتبہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

''اگر اللہ تعالیٰ تمہاری بدولت ایک شخص کو ہدایت عطا فرما دے تو یہ
تمہارے لئے سرخ اونٹ سے زیادہ قیمتی ہے۔''

علم دین میں ادب کی بڑی اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے تمام فیوض و برکات ادب ہی کی بدولت حاصل ہوتے ہیں، طلبہ کو یہ نکتہ ذہن نشین کروایا جائے کہ علم دین کی برکتیں تب ہی حاصل ہوں گی جب کہ دین سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کا ادب اور احترام کیا جائے ● — استاذ کا ادب ● — کتابوں کا ادب ● — دینی درسگاہ کا ادب اور ● — اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا ادب۔

ادب ہی زینۂ کمال و کامرانی ہے — علماء اہل سنت کا ادب کیا جائے، ان کی کسی بات یا کسی عمل سے اختلاف ہو تو ان کی توہین و تحقیر کا انداز ہرگز اختیار نہ کیا جائے۔

دینی مدارس کے طلباء میں کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرنے کا بڑا رجحان پایا جاتا ہے، اساتذہ اور مدارس کے منتظمین کی ذمہ داری ہے کہ انہیں سمجھائیں کہ تمہارے والدین نے تمہیں دینی علوم پڑھنے کے لئے بھیجا ہے، دینی مدارس پر خرچ ہونے والی خطیر رقوم قوم سے دینی علوم کے نام پر حاصل کی جاتی ہیں، اب اگر تم قیام تو مدارس میں کرو اور اپنی ضرورتیں یہیں سے پوری کرو، لیکن اپنا وقت اور اپنی توانائی دنیاوی علوم کے حاصل کرنے پر صرف کرو تو تم نہ صرف اپنے والدین اور قوم سے بے وفائی کا ارتکاب کر رہے ہو، بلکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی جواب دہ ہونا پڑے گا کہ تمہارے پاس دینی علوم کو نظر انداز کر کے دنیاوی علوم کے حاصل کرنے کا کیا جواز تھا؟ جبکہ تم اپنی تمام ضروریات دینی علوم کے حوالے سے حاصل کر رہے تھے۔

طلباء کو یہ بھی سمجھایا جائے کہ تم پہلے مکمل طور پر دینی علوم پڑھ لو اس کے بعد کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم حاصل کرو، تحصیل علم پر پابندی تو نہیں ہے۔

اس طریق کار کے کئی فوائد ہوں گے:

1. دینی تعلیم حاصل کرنے کی بناء پر ان طلباء کی بنیاد مضبوط ہوگی تو دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے دوران لادینی نظریات کا مطالعہ کر کے بھٹکنے سے محفوظ رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!
2. ہر دو طرح کے ماحول میں علم حاصل کرنے سے ان کے ذہنوں میں وسعت پیدا ہوگی اور وہ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے ذہنی تقاضوں سے آشنا ہو کر ان سے مؤثر گفتگو کر سکیں گے۔
3. قدیم و جدید علوم کے ماہرین نظریاتی کونسل یا کسی بھی ایسے تحقیقی ادارے کے ممبر بن کر یا شریعت کورٹ کے جج یا مشیر بن کر نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ کے لئے ہر ممکن کوشش کر سکیں گے۔ ورنہ انگریزی خواں طبقہ انہیں قبول کرنے اور تسلیم کرنے کے

لیے تیار نہیں ہو سکے گا۔ تعاون کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس وقت ایسے علماء کی ضرورت ہے جو عصری علوم میں ان کے برابر ہوں اور دینی علوم میں ان سے بڑھ کر ہوں۔

❹ انگریزی زبان میں علوم اسلامیہ کا بہت بڑا ذخیرہ منتقل ہو چکا ہے، نئی نئی تحقیقات اور تنقیدات پیش کی جا رہی ہیں، ان ذخائر کا مطالعہ کرنے کے لئے انگریزی زبان کا جاننا بے حد ضروری ہے۔

❺ بین الاقوامی سطح پر تبلیغِ اسلام کے لئے قدیم وجدید علوم کے جامع علماء مؤثر انداز میں کام کر سکتے ہیں۔

اب آیئے ذرا عوام وخواص کے ذہن میں پیدا ہونے والے ایک سوال پر غور کر لیا جائے، وہ سوال یہ ہے کہ:

''کیا وجہ ہے؟ ہمارے مدارس کی کارکردگی روبہ زوال ہے، ہمارے دینی مدارس سے رازی وغزالی اور امام احمد رضا بریلوی جیسے علماء کیوں پیدا نہیں ہوتے، دور کیوں جائیں؟ جو اساتذہ اس وقت مدارس میں پڑھا رہے ہیں ان جیسے مدرسین بھی تیار نہیں ہو رہے۔

یہ معمولی سوال نہیں ہے کہ اسے غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔

ماضی کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سلاطین خود دین دار اور علوم دینیہ کے سرپرست ہوتے تھے، دینی مدارس ان کی توجہ خاص کے مرکز ہوتے تھے اور اربابِ علم کو نہ صرف معزز اور باوقار مناصب پر فائز کرتے تھے بلکہ علمی اور تحقیقی کام کرنے والوں کو انعامات سے بھی نوازتے تھے اور ان کی ضرورت کے وسائل مہیا کرتے تھے، اس سے نہ صرف طالب علموں کے ذوق علمی میں بے پناہ اضافہ ہوتا تھا بلکہ امراء، وزراء اور اربابِ ثروت بھی اپنے بچوں کو علوم دینیہ حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیتے تھے۔

جب سے انگریزوں نے پاک و ہند میں اپنے قدم جمائے انہوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت علوم دینیہ حاصل کرنے والے طلبہ کی حوصلہ شکنی کی، دینی مدرسین کا وقار اور احترام کم بلکہ ختم کرنے کی کوششیں کیں، ایک وقت تھا جب سکول کالج کے پڑھے ہوئے اساتذہ کو پچیس روپے اور مولوی فاضل کو سترہ روپے تنخواہ دی جاتی تھی، اسی طرح حکومت کے کاغذات میں موچی، جولاہا، لوہار اور بڑھئی کے خانوں میں جہاں کمیوں کا اندراج ہوتا تھا وہیں ایک خانے میں مولوی کا بھی اندراج ہوتا تھا۔

آج کے حالات کا جائزہ لیجئے ظاہر ہے کہ حکومت کو دینی مدرسین کی سرپرستی سے کوئی غرض نہیں، عوام الناس کسی واعظ، پیر، پروفیسر اور ڈاکٹر کا جس قدر احترام کرتے ہیں اس کا دسواں حصہ بھی مدرسین کے لئے روا نہیں رکھتے، منتظمین کی نگاہ میں طلباء کی جتنی اہمیت ہے مدرسین کی اتنی قیمت بھی نہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ طلباء نہ ہوئے تو مدرسہ نہیں چلے گا، رہا مدرس تو وہ چلا گیا تو کیا؟ دوسرا لے آئیں گے۔ آپ یہ تو سوچتے ہیں کہ درجہ عالمیہ کی سند حاصل کرنے والے طلباء کو ایم۔اے عربی۔ایم۔اے اسلامیات کے برابر درجہ ملنا چاہیے۔ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ مدارس میں اس درجہ کو پڑھانے والے مدرسین کو بھی وہ مشاہرہ اور سہولتیں ملنی چاہئیں جو یونیورسٹیوں میں ایم۔اے عربی یا ایم اے اسلامیات کے لیکچرار کو میسر ہیں۔

بلکہ بقول حریری ؎

وَلَاتَرْجُ الْوُدَّ مِمَّنْ یَرٰی　　اَنَّکَ مُحْتَاجٌ اِلٰی فَلْسِہٖ

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ تم اس کے پیسے کے محتاج ہو اس سے محبت کی توقع نہ رکھو۔

عموماً مدرسین کی خودداری اور عزت نفس بھی محفوظ نہیں ہوتی۔ ایک مدرس ساری عمر تدریس میں صرف کردے، اسے رہائش کے لئے ذاتی مکان میسر نہیں ہوتا، اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کہیں امامت وخطابت کے فرائض انجام دینا پڑتے ہیں تو کہیں ٹیوشن

پڑھانی پڑتی ہے۔ایسے میں وہ کیا خاک افراد تیار کرے گا۔

حضرت صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ بڑے بلند خیال مفکر تھے، آج سے طویل عرصہ پہلے انہوں نے "مدارس اسلامیہ کے دردناک نظارے" کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا تھا، اس کے بعض اقتباسات، بارخاطر نہ ہوں تو توجہ کے ساتھ سماعت فرمالیں:

اسلامیہ مدارس کے شاکی بہت ملیں گے اور ملتے رہے ہیں، مگر ایسے حضرات بہت کم ہوں گے جنہوں نے اپنے دماغ کو ان اسباب کی جستجو میں پریشان کیا ہو جن سے شکایتوں کے مادے تیار ہوتے ہیں۔

دینی درسگاہوں میں علی العموم مدرسین کی کوئی قدر نہیں ہوتی اور انہیں بسر اوقات کے قابل کفاف (اتنی روزی جو بقدر ضرورت ہو) بھی میسر نہیں آتا، قلیل تنخواہوں پر صبر کئے بیٹھے رہتے ہیں، دولت مند انہیں منہ نہیں لگاتا، نئے تعلیم یافتہ ان کی صورت کو حیرت ناک تماشا سمجھتے ہیں، ان کی وضع، گفتار، خصائل، عادات، سب ان کی نظر میں قابل مضحکہ ہیں، ان کی زندگی کے ایک ایک شعبہ پر نکتہ چینی اور حقارت آمیز عیب گیری کی جاتی ہے، قوم کے برتاوے نہایت ناشائستہ، معاش اس قدر تنگ کہ گزارہ بمشکل ہو سکتا ہے، اس خدمت پر نہ ان کی حوصلہ افزائی کرنے والا نظر آتا ہے اور نہ اپنی ضروریات ہی کی طرف سے اطمینان ہے، باوجود اس کے مردانہ وار استقلال کے ساتھ اپنی خدمت کو انجام دئے جانا اور افکار و مصائب کے عساکر و افواج سے سینہ سپر ہونا، اپنے بیگانوں کی سختیاں جھیلنا، ہر طرح کی باتیں سننا اور صبر و سکون سے اپنا کام کئے جانا اور کسی کی پرواہ نہ کرنا، اسلام کی حقانیت کا ایک اثر ہے، اور علوم اسلامیہ کی روحانیت

کی زندہ دلیل ہے۔

سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ حاملانِ تعلیم کے دماغوں کو فکر نان ونمک کی قیدوں سے آزاد کیا جائے، اور اہل وعیال کی بدحالی کے غموں سے رہائی دی جائے تاکہ وہ فارغ زندگی بسر کرسکیں اور دماغی قویٰ سے آزاد ہو کر کارِ تعلیم کے لئے وقف ہو جائیں۔ اس وقت تعلیم کا لطف آسکتا ہے اور سربراہ کارانِ تعلیم اپنے فضل وکمال کے جوہر دکھا سکتے ہیں۔

دوسری ضرورت یہ ہے کہ طلبہ متوسط درجے کی انسانی زندگی سے گرے ہوئے نہ ہوں، بھوکا استاد کیا دماغ سے کام لے سکتا ہے؟ گرسنہ شاگرد کیا اخذ مطالب کرسکتا ہے؟ یہاں استاد بھی پریشان حال ہیں اور شاگرد بھی۔ ان طلبہ کو یہ بھی امید نہیں کہ کسی اگلے زمانے میں ان کو یہ محنتیں کام دیں گی اور ان کے عیش وراحت کا ذریعہ ہوسکیں گی، ان کے استادان کے سامنے نمونہ ہیں اور وہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم نے جان ہلاک کر کے محنتیں جھیل کر استاد جیسا کمال پیدا کرلیا اور نصیب یاور ہوا اور بالفرض کہیں مدرسی مل گئی تو ہمیں کارآزما ہو جانے کے بعد پھر ان مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جن کے شکنجے میں حضرت استاد مدظلہ پھنسے ہوئے ہیں، یہ ایسے حوصلہ فرسا اور ہمت شکن حالات ہیں، ان کے باوجود عزم واستقلال کو پایۂ ثبات سے محروم رہنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔

مدارس اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ اساتذہ کی ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر اتنا کفاف (وظیفہ) مقرر کریں جو ان کے دماغوں کو معاش اور ضروریات زندگی کے افکار سے آشنا نہ ہونے دے۔ طلبہ کے لیے ایسے وظائف مقرر ہوں کہ وہ معمولی درجے کے انسان کی زندگی بسر کرسکیں، لیکن اسلامی

مدارس یہ دونوں فرض انجام نہیں دیتے —— حقیقت بین جان سکتا ہے کہ قوم نے آنکھیں پھیر لی ہیں، مسلمانوں کی توجہ کا رُخ پھر گیا ہے۔

ع اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

دنیا اِن مدارس کو غیر ضروری اور بیکار چیز شمار کرتی ہے، زمانہ چاہتا ہے کہ علماء اور طلباء کھانے پینے کے حق میں فرشتہ خصال ہو جائیں، وہ آمدنی جس کا مصرف یہی مدارس ہیں دوسرے کاموں میں صرف کی جاتی ہے اور مستحق محروم چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ مُدرّسوں کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہوتا جس سے وہ اپنی حالت درست کرسکیں مدارس کو موجودہ قلیل تنخواہوں کا ادا کرنا دشوار ہے، مسلمان اس طرف سے بہت افسردہ خاطری برتتے ہیں، چندے بہت قلیل ہیں اور وہ بھی وقت پر نہیں پہنچتے۔

(پھر خیریت ہے کہ) شکم سیر، بے فکروں کو شکایت ہے کہ ان مدارس میں گداگری کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر یہ شکایت کرتے ہوئے ان کو غیرت آنا چاہیے کہ انہوں نے مذہب و دین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے والوں اور عیش و راحت سے دست کش ہو جانے والوں کو کس حالت میں رکھا ہے، کیا کسی مدرسہ کو آج یہ ثروت حاصل ہے کہ وہ اپنے طلبہ کو انگریزی اسکولوں کے بورڈوں کی حیثیت میں رکھ سکے؟ طلبہ کی اولوالعزمی اور مردانگی صد ہزار آفریں کی مستحق ہے کہ وہ باوجود ان مصائب کے طلب علم میں محو ہیں (1)

اس طویل اقتباس کو ایک بار پھر ٹھنڈے دل سے پڑھیے اور غور کیجئے کہ حضرت صدر الافاضل نے کس گہری نظر سے دینی مدارس کے حالات کا تجزیہ کیا ہے، ذیل میں مختصر

---

(1) ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، انڈیا: شمارہ مئی ۱۹۸۸ء، ص ۱۳-۱۱

طور پر ان کے تجزیئے کی شقیں پیش کی جاتی ہیں:

1. علوم دینیہ کی تعلیم کیلئے مدرسین ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں، جب تک وہ اخلاص سے مالا مال نہیں ہوں گے، اور انہیں معاشی فارغ البالی میسر نہیں ہوگی، تعلیم کا معیار درست نہیں ہو سکے گا، اور تعلیم کے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو سکیں گے۔

2. مدرسین کی حالت زار دیکھ کر طلبہ میں مدرس بننے کا ولولہ پیدا نہیں ہوگا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارا معیار تعلیم روبہ زوال ہوگا، نیز خوشحال طبقے کے لوگ اپنے بچوں کو دینی مدارس میں داخل نہیں کرائیں گے، معاشرے کے پامال کئے ہوئے بچے علم دین پڑھ بھی لیں گے تو ان میں حق گوئی کی جرأت کہاں سے آئے گی؟

3. طلبہ کی نگاہوں میں جب دینی مدارس کے فضلاء کی کس مپرسی آتی ہے تو ان میں سے جنہیں تھوڑے بہت وسائل مہیا ہوتے ہیں وہ کالج اور یونیورسٹیوں کا رُخ کرتے ہیں، اس طرح باصلاحیت طلباء یہ لائن چھوڑ ہی جاتے ہیں، آپ خود سوچئے باقی رہنے والے طلباء سے رازی وغزالی ایسے اہل علم کہاں پیدا ہوں گے؟

4. آج مادہ پرستی کا دور ہے ہمارے اندر پہلے بزرگوں والا اخلاص، توکل اور قناعت نہیں ہے، ہم طلباء میں یہ اوصاف کہاں سے منتقل کریں گے؟ اب صورتحال یہ ہے کہ کئی کئی سال تدریسی زندگی بسر کرنے والے مدرسین، سکولوں میں ماسٹر لگ رہے ہیں، نئے مدرسین تیار نہیں ہو رہے اگر یہی کیفیت رہی تو چند سالوں میں مدارس کو

- متوسط کتب پڑھانے والے مدرسین بھی نہیں ملیں گے۔

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدارس کے منتظمین کی بے بسی کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ دینی مدرسہ چلانا جوئے شیر لانے کے برابر ہے اس راستے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں،

لیکن ہماری درخواست صرف اس قدر ہے کہ مدرسین کی معاشی خوشحالی، ان کی عزت نفس اوران کے ذہنی سکون کو ترجیحی بنیادوں پر سرفہرست رکھنا چاہیے۔

اس سلسلے میں حکومت کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ زکوۃ وعشر کے نام پر جمع ہونے والی رقوم کا پندرہ فیصد دینی مدارس پر صرف کیا جاتا ہے ایسے حالات میں دین کا درد رکھنے والے اصحاب ثروت کا کام ہے کہ وہ دینی مدرسوں کی بھرپور سرپرستی کریں، اورانہیں یہ احساس ہونا چاہیے کہ ہم جو کچھ خرچ کررہے ہیں، وہ دینی مدارس علماء اور طلباء پر ہمارا احسان نہیں ہے بلکہ ہمارا فرض ہے کیونکہ دینی مدارس کے طلباء علوم دینیہ حاصل کر کے ہماری طرف سے فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے مدرسین، منتظمین اور طلباء کو یہ فرض کفایہ بطریق احسن پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۰ رجمادی الثانی ۱۴۰۹ھ/ ۲۹ رجنوری ۱۹۸۹ء

یہ مقالہ ۲۵ راکتوبر ۱۹۸۹ء کو جامعہ رضویہ سیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی کی سلور جوبلی کے اجلاس میں پڑھا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی علوم کی ترویج واشاعت
اور مسلم حکومتوں کے فرائض

حضرات گرامی! آج ملک عزیز پاکستان جن خارجی خطرات اور داخلی خلفشار سے دوچار ہے وہ کسی ذی ہوش سے مخفی نہیں، دہشت گردی، کرپشن، مہنگائی، بے حیائی، لوٹ مار، گینگ ریپ، حادثوں، دھماکوں نے ملک پاک کے باسیوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے، رشوت اور سفارش کے بغیر نہ تو سرکاری دفاتر میں کوئی پوچھتا ہے اور نہ ہی ہسپتالوں میں کوئی پرسانِ حال ہے، ٹی وی اور اخبارات وجرائد نے جس طرح عورت کی عزت وعظمت کا استحصال کیا ہے، وہ اصحابِ فکر کے لئے سوہانِ روح ہے، میراتھن ریس کے ذریعے ہم نے خود اپنی قوم کی بیٹیوں کی شرم وحیاء کا جنازہ نکال دیا ہے، ہم نے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگا کر اسلام کو دوسرے نمبر پر رکھ دیا ہے، اسلامی شعائر پردہ، داڑھی اور پگڑی کا کھلے عام مذاق اُڑایا جارہا ہے، دینی علماء اور طلباء کے گرد دائرہ تنگ کیا جارہا ہے، چند لمحوں کے لئے ہمیں سوچ لینا چاہیے کہ قیامت کے دن ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے؟ —— ذرا توجہ سے ارشاد ربانی سنئے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (۱)

''کیا تم نے سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے اور ہماری بارگاہ میں پیش نہیں کئے جاؤ گے؟''

اس سے بڑی تنبیہ کیا ہوسکتی ہے کہ رب کریم خود ہمیں یاد دلا رہا ہے کہ تم نے میری بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، اس وقت کیا جواب دو گے؟

ہمیں اگر واقعی پاکستان سے محبت ہے تو ہمیں چودہ اگست کی تقریبات مناتے

(۱) المؤمنون: ۲۳/۱۱۵

ہوئے اس نکتے پر ضرور غور کرنا چاہیے کہ کیا پاکستان ان ہی مقاصد کے لئے بنا تھا جن کو ہم اپنائے ہوئے ہیں، کیا اسی پاکستان کے لئے لاکھوں جانوں اور ہزاروں غیرتوں کی قربانی دی گئی تھی؟ ہم علامہ اقبال اور قائداعظم کو کیا منہ دکھائیں گے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان اسلامی اصول وقوانین کی تجربہ گاہ کے طور پر بنایا گیا تھا، یہ فکر کسی طرح بھی درست نہیں ہے، قائداعظم سے پوچھا گیا تھا کہ آپ کے ملک کا آئین کیا ہوگا؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہم کون ہوتے ہیں آئین بنانے والے، ہمارا آئین تو چودہ سو سال پہلے تیار ہو چکا تھا۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ خطۂ پاک آئین اسلام کو آزمانے کے لئے نہیں، بلکہ اسے نافذ کرنے کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔

ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اسی حیثیت سے سوچنا چاہیے کہ آخر ہماری تمام تر وفاداری کے باوجود غیر مسلم قوتوں کا دباؤ ہم پر کیوں بڑھتا جا رہا ہے، اور داخلی طور پر ہم بدامنی اور بے چینی کا شکار کیوں ہیں؟ قرآن پاک نے اس سوال کا بڑا واضح جواب دیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاس (۱)

''لوگوں کے ہاتھوں سے سرزد ہونے والے گناہوں کے سبب فساد بحر و بر میں پھیل گیا۔''

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَاِنَّ لَهُ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى ۔ (۲)

''اور جس نے میری یاد اور عبادت سے اعراض کیا اس کی زندگی بہت تنگ ہوگی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا بنا کر اُٹھائیں گے۔''

اب یہ حقیقت ہمیں اچھی طرح سمجھ میں آجانی چاہیے کہ تمام مصیبتوں کا واحد حل

(۱) الروم: ۳۰/۴۱ (۲) طٰہٰ: ۲۰/۱۲۴

یہ ہے کہ ہم اپنے مقصد حیات کو سمجھیں اور ربّ کریم کے احکام پر عمل پیرا ہوں، دوسرے لفظوں میں ہم نظامِ مصطفیٰ پر عمل پیرا ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (۱)

''میں نے انسانوں اور جنوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔''

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا وہ اپنی زندگی کے مقصد کو پورا نہیں کرتا۔

یہ تو عمومی احکام ہیں جن میں شاہ و گدا سب ہی شریک ہیں۔

حکمرانوں کی ذمہ داری:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (۲)

''وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، زکات دیں، نیکی کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں۔''

''اس آیت مبارکہ میں حکمرانوں کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں۔''

۱۔ نماز قائم کرنا، ۲۔ زکوٰۃ دینا (اور نظامِ زکات قائم کرنا،

۳۔ نیکی کا حکم دینا اور ۴۔ برائی سے منع کرنا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر حکمران اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہوئے ان چاروں احکام پر دیانت داری سے عمل پیرا ہو جائیں تو معاشرے کی ساری خرابیاں دور ہو جائیں گی۔

دنیا بھر میں اکثر و بیشتر جرائم کے دو ہی سبب ہیں (۱) ہوس زر (۲) جنسی خواہشات،

---

(۱) الذاریات: ۵۱/۵۶ (۲) الحج: ۲۲/۴۱

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں دونوں قسم کی خواہشات کے ناجائز فروغ کے سدباب کا کوئی انتظام نہیں، بلکہ ان کوفروغ دینے کی مہمیں جاری ہیں، لاٹری سسٹم، انعامی بانڈ اور مختلف کمپنیوں کی طرف سے انعامی سکیموں نے ہوس زر اور راتوں رات امیر بننے کے شوق کو آسمان پر پہنچا دیا ہے، دوسری طرف ڈائجسٹ قسم کے فلمی اور غیر فلمی جرائد اور اخبارات میں عریاں اور فحش قسم کے مضامین اور خواتین کی بے حجابانہ تصاویر اور ٹی وی کے ماحول میں چوری، ڈاکے، قتل و غارت گری اور گینگ ریپ کا رجحان نہیں بڑھے گا اور تو کیا ہوگا؟ کیبل، ڈش، انٹرنیٹ اور انڈین فلموں نے تو اسلامی روایات کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اکبرالہ آبادی نے کہا تھا:

جب میں کہتا ہوں کہ یااللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہء اعمال دیکھ

ابھی ابھی قرآن پاک کی روشنی میں حکمرانوں کی جن ذمہ داریوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان پر اس وقت تک عمل نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ دینی تعلیم کو فروغ نہ دیا جائے اور باقاعدہ اس کی سرپرستی نہ کی جائے۔

دینی علوم کی ترویج

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و تمیز کے ذریعے تمام حیوانات اور دوسری مخلوقات سے ممتاز کیا ہے، لیکن عقل اسی وقت صحیح معنوں میں کارآمد ہوتی ہے جب اسے دولتِ علم دین میسر ہو، علم کے بغیر عقل عیار ایسے ایسے فتنے کھڑے کر دیتی ہے جن کا علاج کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔

یہ حقیقت تو اظہر من الشمس ہے کہ ایک علم کا تعلق دین سے ہے یعنی وہ علم جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے عقائد، اعمال، اخلاق اور احوال قلب سے ہے، یہی علم ہے جس کی تعلیم کے لئے انبیائے کرام مبعوث ہوئے اور دوسرا وہ علم ہے جس کا تعلق دنیا

سے ہے مثلاً مٹی، لکڑی، لوہے اور پیتل وغیرہ کی چیزیں بنانا، ایسے ہی دوسرے علوم۔

اسلام واحد دین ہے جس نے نہ صرف ہر عام و خاص کے لئے علم حاصل کرنے کے دروازے چوپٹ کھول دیئے ہیں، بلکہ انہیں علم حاصل کرنے کی ترغیب بھی دی ہے۔ تاہم حکم صرف علم دین حاصل کرنے کا دیا ہے، یا پھر دشمن کے مقابل ہر قسم کی تیاری کرنے کا حکم دیا ہے جو کہ وقت کی اہم ضرورت ہے، یہ تیاری ہم دوسرے علوم کی مدد سے کر سکتے ہیں باقی رہے دنیاوی علوم وفنون جو اسلام کے ساتھ متصادم نہ ہوں ان کی اجازت ہے، ضروری نہیں کہ ان کے بارے میں حکم ہی دیا جائے، انہیں تو لوگ خود برضا و رغبت حاصل کر لیں گے۔

اسلام کا اصل ماخذ ومنبع وحی الٰہی ہے اور سب سے پہلے وحی میں عبادات و اعتقادات یا معاملات میں سے کسی کا حکم نہیں دیا گیا، اگر حکم دیا گیا تو یہی کہ:

''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ''(۱)

''اے محبوب! اپنے رب کا نام پڑھئے جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا فرمایا، آپ پڑھئے! آپ کا رب سب سے زیادہ کریم ہے، جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔''

ان چار مختصر آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دو دفعہ پڑھنے کا حکم دیا اور قلم کا بھی ذکر فرمایا، کون نہیں جانتا کہ تعلیم وتعلم میں قلم کا انتہائی اہم کردار ہے، اس کے ساتھ ان اہم ترین سوالوں کا جواب دے دیا، جو اکثر نوجوانوں کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ میری اصلیت کیا ہے اور میں کس طرح عدم سے وجود میں آیا ہوں، یہ کس کی عنایت ہے؟ فرمایا: اَلَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔''

---

(۱) العلق: ۹۶/ ۱۔۴

جہاد اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پوری قوم جہاد میں مصروف ہو جائے، اگر ایسا ہوا تو دین کا علم کون حاصل کرے گا؟ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''سب کے سب مومنوں کو تو جہاد پر نہیں جانا چاہیے، تو کیوں نہ ایسا ہو کہ ان کے ہر بڑے قبیلے سے ایک چھوٹی جماعت جہاد کے لئے نکلتی تا کہ بعد والے دین کا علم حاصل کرتے اور جب ان کی قوم کے افراد جہاد سے واپس آتے تو انہیں ڈرسناتے۔'' (۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ'' کے کلمات پر غور کیجئے اور اندازہ کیجئے کہ علم دین حاصل کرنے کو کتنی اہمیت دی گئی ہے؟ اس لئے علماء دین فرماتے ہیں کہ بقدر ضرورت علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، حدیث شریف میں ہے ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ'' لیکن وسیع پیمانے پر علم دین حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ ابن ماجہ شریف (حدیث شریف ۲۲۷) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہماری اس مسجد میں خیر کا علم حاصل کرنے یا سکھانے کے لئے آیا وہ فی سبیل اللہ مجاہد کے درجے میں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملت اسلامیہ کے پہلے حکمران ہیں ''فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ'' آپ نے بنفس نفیس احکام الٰہیہ کی تبلیغ کی اور تعلیم بھی دی، مدینہ منورہ میں آپ تمام صحابہ کرام کو بالعموم اور اصحابِ صُفّہ کو بالخصوص قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتے تھے اور اپنے ارشادات سے نوازتے تھے، آپ کا شانۂ مبارکہ میں امہات المؤمنین کو بھی تعلیم دیا کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ بہت سے صحابۂ کرام کئی مسائل میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔

---

(۱) التوبہ: ۱۲۲/۹

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ)

''ربّ کائنات کی قسم! اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان ہی میں سے ایک عظیم الشان رسول ان میں بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔'' (۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تین فرائض کا ذکر کیا ہے:

(۱) اللہ کی آیتوں کا پڑھ کر سنانا،

(۲) شرک وکفر اور اوصاف ذمیمہ سے پاک کرنا (یعنی عملی تربیت دینا، جیسے کہ مشائخ صوفیہ کا معمول رہا ہے)۔

(۳) اور قرآن وسنت کی تعلیم دینا۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان حکمران کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں فرض ہے کہ وہ ملت اسلامیہ کے افراد، خاص طور پر نونہالوں کو قرآن پاک اور حدیث شریف کی تعلیم دے اور صرف تعلیم ہی نہیں ان کی عملی تربیت بھی کرے۔

حضرات گرامی! چند دن پہلے پاکستان نے کروز میزائل کا کامیاب تجربہ کیا ہے، کوئی شک نہیں کہ ایٹم بم کی طرح کروز میزائل بھی پاکستان نے اپنے تحفظ کے لئے بنایا ہے اور ان کا بنانا ضروری بھی تھا۔ اس سلسلے میں پوری قوم ان سائنس دانوں کو خراج تحسین پیش کرتی ہے جنہوں نے یہ کارنامے انجام دئے ہیں، حکومت پاکستان بھی مستحق تحسین ہے۔

لیکن حکمرانوں کو اس حقیقت کا بھی احساس ہونا چاہیے کہ ان کی ذمہ داری صرف ملکی سرحدوں کی حفاظت نہیں ہے، بلکہ نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی ان کی ذمہ داری ہے

---

(۱) آل عمران: ۳/۱۶۴

بلاشبہ آپ نے کروز میزائل کا فائر کر کے ملکی سرحد کی حفاظت کی طرف ایک اہم قدم اُٹھایا ہے، اسی طرح نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے دینی مدارس کی سرپرستی کرنا، نظریہ پاکستان کی وسیع پیمانے پر تشہیر کرنا، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب اور نظام تعلیم کو ایسے انداز میں مرتب کرنا بھی آپ کے فرائض میں سے ہے کہ وہاں سے فارغ ہو کر نکلنے والے صحیح معنوں میں اسلام کے ترجمان اور اقبال کے شاہین ہوں۔

حکمرانوں کا جہاں یہ فرض ہے کہ جسمانی علاج معالجے کی ضروریات پوری قوم کو فراہم کریں، وہاں یہ بھی فرض ہے کہ قوم کی اخلاقی اور روحانی بیماریوں کے علاج کی فکر بھی کریں۔

آپ دہشت گردوں کے خلاف ہیں اور اسی آڑ میں غیر ملکی طلبہ کو نکالنے پر تُلے ہوئے ہیں، جو دور دراز سے علم دین حاصل کرنے آئے ہوئے ہیں، ہم بھی کہتے ہیں کہ جس شخص کا جرم ثابت ہو جائے اسے بیک بنی و دو گوش ملک سے نکال باہر کریں اور اگر پاکستانی ہو تو اسے جیل بھیج دیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر غیر ملکی دینی طالب علم کو ملک سے نکال دیں۔ پھر یہ بھی سوچئے کہ غیر ملکی طلباء سائنس، میڈیکل، انجینئرنگ اور دوسرے علوم کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی تو پاکستان آئے ہوئے ہیں، ان کو نکالنے کا تو آپ نے کوئی فیصلہ نہیں کیا، آخر دین کا علم حاصل کرنے والوں کے ساتھ یہ ترجیحی سلوک کیوں ہے؟

خلافت راشدہ سے لے کر مغلیہ دور حکومت تک مسلم حکومتیں دینی تعلیم کی سرپرستی کرتی ہی رہیں، جس کی بدولت نہ صرف عوام و خواص تک علم دین پہنچا، بلکہ خود ان سرپرستی کرنے والوں کا نام بھی زندہ جاوید ہو گیا، اس سلسلے میں خاص طور پر ہارون الرشید، مامون الرشید، سلطان نورالدین زندگی، سلطان صلاح الدین ایوبی، نظام الملک طوسی اور سلطان عالمگیر کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ ہارون الرشید دنیا کی عظیم ترین حکومت کا فرمان روا تھا، حج کے موقع پر اس کی ملاقات حضرت فضیل عیاض سے ہوئی، انہوں نے فرمایا:

''امیر المومنین! مجھے خوف ہے کہ جس طرح علم ہمارے ہاں ضائع ہو

چکا ہے اسی طرح آپ کے ہاں بھی ضائع ہو چکا ہوگا۔

یہ نصیحت ہارون الرشید کے دل و دماغ میں اُتر گئی، واپس آ کر اس نے پہلا آرڈر یہ جاری کیا کہ علماء، ائمہ اور خطباء کے وظیفوں میں معقول اضافہ کیا جائے، اس نے آرڈر دیا کہ مؤذن کو ایک ہزار دینار، قرآن پاک کے حافظ طالب علم کو دو ہزار، حدیث کی روایات اور فقاہت میں مہارت رکھنے والے حافظ قرآن کو چار ہزار دینار وظیفہ دیا جائے۔

اس حکم نامے پر عمل درآمد ہونے سے عظیم علمی اور عملی انقلاب برپا ہو گیا، عوام تو کیا امراء رؤساء کے بیٹے بھی طالب علموں کی صفوں میں نظر آنے لگے، حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے دور کے بعد کسی دور میں رشید کے زمانے سے زیادہ عالم، قرآن کے قاری، نیکیوں میں سبقت لے جانے والے اور دین کی حرمتوں کے پاسبان نہیں دیکھے۔

سب سے پہلا باقاعدہ دینی مدرسہ جامعہ نظامیہ بغداد تھا جو ملک شاہ سلجوقی کے وزیر نظام الملک طوسی نے قائم کیا تھا اور اس کے اخراجات کے لئے وسیع جائداد وقف کی تھی، اس دارالعلوم سے امام غزالی جیسے بڑے بڑے فضلاء پیدا ہوئے، کسی نے بادشاہ کے کان بھرے کہ آپ کے وزیر نے اتنا سرمایہ دارالعلوم پر خرچ کر دیا ہے، اتنے خرچ سے تو بڑا لشکر تیار کیا جا سکتا ہے، شاہ کی باز پرس پر نظام الملک طوسی نے اسے جو جواب دیا وہ تاریخ نے سنہری حروف کے ساتھ اپنے سینے میں محفوظ کر لیا، انہوں نے کہا کہ:

''میں نے تمہارے لئے ایسا لشکر تیار کیا ہے جسے رات کا لشکر کہا جاتا ہے، جب تمہارے سپاہی رات کو سو جاتے ہیں تو رات کے یہ لشکر صف بستہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر رب کریم کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں، تمہارے لئے اور تمہارے لشکروں کے لئے دعائیں مانگتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ تم اور تمہارے لشکر ان کی حفاظت میں جی رہے ہیں۔

صدیاں گزر گئیں لیکن آج بھی علم دین اور علماء کے ان خادموں کا نام زندہ ہے

اور قیامت تک زندہ وتابندہ رہے گا اور قیامت میں جو انعامات ان کو ملیں گے وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

ہندوستان ہمارا پڑوسی اور کہنے کو سیکولر (لادین) ملک ہے، وہاں کے حکمران غیر مسلم ہیں، اس کے باوجود ہزاروں دینی مدارس کو حکومت ہند معقول امداد دے رہی ہے۔

پاکستان اللہ اور رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا تھا، حکومت پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کے حکمرانوں کا تو بطریقِ اولیٰ فرض بنتا ہے کہ وہ دینی علوم اور مدارس کی سرپرستی کریں۔

علماء کے اس عظیم الشان سیمینار کی وساطت سے حکومت پاکستان کی توجہ ان کے چند فرائض کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔

(۱) دینی مدارس کی بھرپور سرپرستی کی جائے اور ان کے نظام تعلیم میں مداخلت نہ کی جائے۔

(۲) انٹرنیٹ پر تبلیغ اسلام کیلئے ایک ویب سائٹ بنائی جائے جہاں دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کے فضلاء کا ایک پینل حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ اسلام کی دعوت پیش کرے اور اسلام کے خلاف اٹھائے جانے والے شکوک وشبہات کا جواب دے۔

(۳) یہودیوں نے بزعم خویش قرآن پاک کے مقابلے میں ایک کتاب ''الفرقان الحق'' کے نام سے عربی اور انگریزی میں شائع کی ہے، اس کا جواب دیا جائے اور بتایا جائے کہ قرآن پاک کے مقابلے میں اس کتاب کی حیثیت کیا ہے؟

۱۷ر رجب ۱۴۲۶ھ/ ۲۳ر اگست ۲۰۰۵ء

---

(۱) یہ مقالہ ۳۰ر اگست ۲۰۰۵ء کو جناح کنونشن سنٹر، اسلام آباد میں تنظیم المدارس اہل سنت کے کنونشن بعنوان ''دینی مدارس اور عصر حاضر کے چیلنجز'' میں پڑھا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اھل سنت میں بیداری کی لھر

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو اس کی مثال ایک سادہ کاغذ کی ہوتی ہے، بعد میں اس پر مختلف رنگ چڑھائے جاتے ہیں:

○—— کسی پر دین کا رنگ چڑھایا جاتا ہے اور کسی پر دنیا کا،

○—— کسی پر شرک وکفر کی چھاپ لگائی جاتی ہے اور کسی پر لادینیت کی،

حدیث شریف میں ہے:

''پیدا ہونے والا ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی بنادیتے ہیں یا عیسائی یا مجوسی۔'' (۱)

اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ انسان کے سنوارنے اور بگاڑنے میں تعلیم کا بنیادی دخل ہے، جس طرح اولاد کے لئے خوراک، لباس اور رہائش کا انتظام کرنا والدین اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اس کی دینی اور دنیاوی تعلیم کا انتظام کرنا بھی والدین اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ تعلیم کے لئے صرف کتاب کافی نہیں، بلکہ اس کے لئے استاد اور مربی کا ہونا بھی ضروری ہے، جو اس کتاب کی تعلیمات کا ماہر اور حامل ہی نہیں بہترین نمونہ بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا یہ طریقۂ جاریہ ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے جہاں ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں وہاں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام بھی مبعوث فرمائے، قرآن پاک نازل کیا اور اس کی تعلیم وتفسیر کے لئے اپنے حبیب کریم نبی آخرالزمان ﷺ کو بھیجا، ارشاد ربانی ہے:

---

(۱) اسمٰعیل بن محمد عجلونی، محدث: کشف الخفاء (بحوالہ صحیحین) ج ۲ ص ۱۲۵

قَدْ جَاءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ (۱)

کتاب مبین سے مراد قرآن پاک ہے تو نور سے مراد نور الانوار، سر الاسرار النبی المختار محمد مصطفےٰ حبیب کبریا ﷺ ہیں۔

قرآن وحدیث میں شخصیات کے تذکرے موجود ہیں۔اچھی شخصیات کے بھی مثلاً: سیدنا آدم، سیدنا نوح، سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور بری شخصیات مثلاً: ابلیس لعین، فرعون، ہامان، نمرود، ابولہب وغیرہم تا کہ بعد میں آنے والوں کے کے لئے درس عبرت ہو اور انہیں معلوم ہو کہ ہمیں کن کے نقشِ قدم پر چلنا چاہیے؟ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۔ایک گروہ جنت میں ہے اور ایک دوزخ میں— پھر نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ حدیث کی کتابوں میں ضمناً بیان کی گئی، بہت سے حضرات نے سیرت طیبہ پر مستقل کتابیں لکھنے کی سعادت حاصل کی۔صحابۂ کرام اور اہلِ بیت کے تذکرے لکھے گئے، کیونکہ یہ حضرات قیامت تک کے لوگوں کے لئے مثالی شخصیات ہیں— پھر احادیث کی صحت، ضعف اور موضوعیت معلوم کرنے کے لئے اسماء رجال کی کتابیں معرضِ وجود میں آئیں اور تذکروں کے اتنے انبار لگ گئے کہ دنیا کی کسی قوم کے پاس ان کی مثال نہیں ہے—— کچھ حضرات نے تاریخ کی کتابوں میں شاہانِ وقت کے ساتھ ساتھ علماء، اصفیاء اور دیگر شعبوں کی نمایاں شخصیت کا بھی تذکرہ کیا، کچھ حضرات نے ایک ایک صدی کے علماء کا تذکرہ مرتب کیا، غرض یہ مسلمانوں کا محبوب اور بامقصد مشغلہ رہا ہے۔

پاک و ہند میں اسلام کا نور پہلے پہل تاجروں کے ذریعے پہنچا، پھر مجاہد اسلام حضرت محمد بن قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ذریعے پہنچا جو تین ہزار مجاہدین کے ساتھ راجہ داہر کے ہاں قید چند مردوں اور عورتوں کو رہا کروانے کے لئے آئے تھے اور صرف سندھ ہی نہیں ملتان تک اسلام کا پرچم لہرا گئے، اسی لئے سندھ کو باب الاسلام کہا جاتا ہے—— اس

وقت سے لے کر آج تک سرزمین پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت کا سہرا، صوفیاء کرام، علماء اسلام اور شاہانِ مسلمین کے سر بندھتا ہے اور اس خطے میں اسلام کی جڑیں جو گہری ہیں تو یہ اولیاء کرام کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ چپے چپے پر آپ کو اولیاء کرام کے مزارات ملیں گے جہاں صرف دن کے وقت نہیں رات کو بھی اجالا ہوتا ہے اور اہل محبت حاضر ہو کر انہیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں اور ان کے دینی اور اسلامی احسانات کا اعتراف کرتے ہیں۔

کوئی شک نہیں کہ زندہ قومیں اپنے محسنوں کو یاد رکھتی ہیں، ان کی تابندہ زندگیوں سے کسبِ ضیاء کرتی ہیں، ان کی قربانیوں، سرفروشیوں اور جدوجہد کا مطالعہ کر کے اپنی کوتاہیوں کو نوٹ کرتی ہیں اور ان کے ازالے کی کوشش کرتی ہیں، بزرگوں کے مزارات کی حفاظت، ان کے نام پر ادارے، لائبریریاں اور تنظیمیں قائم کرنا، ان کی سوانح حیات لکھنا ان کی تصانیف کی اشاعت جاری رکھنا، ان کے آثار اور ذاتی لائبریریوں کو محفوظ کرنا، یہ سب کیا ہے؟ یہ ان بزرگوں کے پیغام کو پھیلانے اور مشن کو آگے بڑھانے ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارا سرمایہ بزرگوں بلکہ مجذوبوں کے مزارات پر خرچ ہو رہا ہے ——— قوالوں اور نعت خوانوں پر نوٹوں کی بارش کی جاتی ہے ——— ہمیں اس سے غرض نہیں کہ ان حضرات کی وضع قطع شرعی ہے یا نہیں ——— وہ نماز روزے کے پابند بھی ہیں یا نہیں ——— ہم صرف صوت (آواز) اور صورت کو دیکھتے ہیں، ہم ڈھنگ اور آہنگ کو دیکھتے ہیں ——— ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ نعت کے نام پر پڑھا جانے والا کلام شریعت مصطفیٰ (ﷺ) سے ہم آہنگ ہے بھی یا نہیں؟ ——— ہمارے سامنے ''خدا ہے محمد۔ محمد خدا ہے'' جیسے غیر شرعی کلمات کہے جاتے ہیں تو ہم جھوم جھوم جاتے ہیں اور سبحان اللہ! ماشاء اللہ! کہہ کر داد بھی دیتے ہیں ——— میلاد شریف اور گیارہویں شریف کے نام پر بیسیوں دیگیں اور رنگارنگ کھانے اور پھل مہیا کئے جاتے ہیں اور غرباء کو نہیں مالدار

دوستوں کو کھلا کر ہم مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم جنت کے مستحق ہو گئے ہیں ـــــ ہم یہ نہیں سوچتے کہ:

○ ـــــ ان تقریبات سے ہمارے اندر کیا انقلاب پیدا ہوا ہے؟

○ ـــــ کتنا خوفِ خدا بیدار ہوا ہے؟

○ ـــــ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور سنت پر عمل کرنے اور آپ کے مشن کو آگے بڑھانے کا کتنا جذبہ پیدا ہوا ہے؟

خدارا سوچئے اور کوشش کیجئے کہ ہمارے اندر کوئی صالح تبدیلی پیدا ہو، ہم ایسے کام کریں جن سے خواہشِ نفس کی تسکین نہ ہو بلکہ رب کریم راضی ہو اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہو۔

اس کے برعکس اگر ہمیں دینی دارالعلوم قائم کرنے، یا اس کے ساتھ تعاون کرنے کی اپیل کی جائے، یا لٹریچر فری تقسیم کرنے والے کسی ادارے کی امداد کی درخواست کی جائے، یا کسی بزرگ عالم کی علمی و تحقیقی کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں گزارش کی جائے، یا لائبریری قائم کرنے کا مشورہ دیا جائے تو ہم پر انقباض کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور ہماری جیب سے پانچ دس روپے سے زیادہ نکلنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔

سوچئے! کیا ہمارا مزاج علمی ہے؟ یا ہم جذبات کے سہارے جینے کو ہی اصلِ حیات سمجھتے ہیں؟ اغیار کی عربی کتابیں دس دس، بیس بیس جلدوں میں شائع ہو رہی ہیں اور بین الاقوامی سطح پر مقبولیت حاصل کر رہی ہیں جب کہ ہمارے ہاں عربی زبان میں ایک جلد کی کتاب کا شائع کرنا بھی جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، اور اگر کوئی چھاپ ہی دے تو کوئی اسے خریدنے اور پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ ہمارے بارے میں اغیار کا پروپیگنڈا یہ ہے کہ "یہ جاہلوں کی جماعت ہے"، "یہ سب جاہل ہیں" ـــــ آخر اس پروپیگنڈے کی وجہ کیا ہے؟ یہ وجہ نہیں کہ ہمارے علماء نے کچھ لکھا نہیں، انہوں نے لکھا اور

بہت کچھ لکھا، مختلف موضوعات پر مختلف زبانوں میں لکھا ہے لیکن بعد میں آنے والوں نے اپنے بزرگوں کے علمی اثاثے کی اشاعت کی طرف توجہ نہیں کی، مکتبے کی اہمیت کو نہیں پہچانا اور لائبریری کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ علامہ اقبال نے کس دکھ سے کہا تھا؟

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں جا کے یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم نے اجتماعی طور پر اپنے اسلاف کے تذکرے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی، زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ اپنے پیر صاحب یا استاذ صاحب کا تذکرہ چھاپ دیا اور بس! حالانکہ شخصِ واحد کے تذکرے کی وہ اہمیت نہیں ہوتی جو دو چار سو شخصیات کے تذکرے کی ہوتی ہے۔

ہمیں جماعتی سطح پر اس مسئلے پر غور کرنا چاہیے کہ پاک و ہند کے علماء و مشائخ کا بین الاقوامی سطح پر اور بالخصوص عالم عرب میں جو تعارف ہے وہ مولانا عبدالحی لکھنوی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنو (والد ابوالحسن علی ندوی) کی کتاب ''نزھۃ الخواطر'' (عربی) کے ذریعے سے ہے، جو کچھ عرصہ قبل بیروت سے چار جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ اسے پڑھنے والا غیر جانبدار آدمی بھی حیران رہ جاتا ہے۔ مثلاً درج ذیل لوگوں کا تذکرہ اس کی آٹھویں جلد میں موجود ہے:۔

1۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ نزھۃ الخواطر (طبع حیدر آباد دکن) ج ۸ ص ۳۴۰
2۔ حکیم نور الدین بھیروی (مرزائے قادیانی کا نفس ناطقہ) ص ۵۰۷
3۔ سید ناصر الدین لکھنوی (مجتہد شیعہ) ص ۴۸۸
4۔ حکیم مہدی شیعی لکھنوی ص ۴۸۳
5۔ محمد شاہ آغا خان گجراتی (فرقۂ آغا خانیہ کا امام) ص ۴۳۲

لیکن اس میں ذکر نہیں ہے تو حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کا نہیں ہے، جنہوں

نے جھوٹی نبوت کے مدعی مرزا غلام احمد قادیانی کا جھوٹا دعویٰ پاش پاش کیا تھا——اس جلد میں صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (مصنف بہار شریعت ۱۷ حصے ومحشی شرح معانی الآثار) اور آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی، جنرل سیکرٹری صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، سرپرست حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری (جنہوں نے ''صحیح بہاری'' کے نام سے چھ جلدوں میں کتاب لکھی تھی جس کی ایک جلد میں تقریباً دس ہزار حدیثیں ہیں) اور اہل سنت کے سینکڑوں افاضل اور مشائخ کا تذکرہ نہیں ہے۔

ایک دفعہ مولانا قاضی عبد النبی کوکب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی ''نزھۃ الخواطر'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''اپنے چھوٹے چھوٹے علماء کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے اور ہمارے بڑے بڑے علماء کو اس طرح نظر انداز کیا ہے کہ ان کا نام تک نہیں لیا۔''

اگر علماء اہل سنت کا تذکرہ کیا بھی ہے تو طنز اور چوٹ کیے بغیر نہیں رہنے دیا، مثلاً: محدث جلیل حضرت مولانا وصی احمد سورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تذکرہ کیا ہے تو اس کے آخر میں لکھا ہے:

> ''سنن نسائی اور شرح معانی الآثار امام طحاوی پر ان کے متفرق حواشی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ان کا علم حدیث میں سرمایہ معمولی تھا۔''(۱)

امام احمد رضا بریلوی جن کی جلالت علمی کا اعتراف عرب وعجم کے علماء نے کیا ہے، انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے جہاں یہ کہا ہے کہ:

> ''فقہ اور اس کی جزئیات پر جتنا عبور ان کو تھا شاید ہی کسی دوسرے کو ہو۔''

اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ:

---

(۱) نزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۵۱۷

''وہ حدیث اور تفسیر کا معمولی سرمایہ رکھتے تھے:''قليل البضاعة في الحديث و التفسير''(۱)

حیرت ہوتی ہے کہ ندوۃ العلماء لکھنو کے ارباب بست وکشاد یہ پروپیگنڈا کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ ہم فرقہ واریت سے ماورا ہیں، اس کے باوجود تنگ نظری کا یہ عالم؟ فیا للعجب۔

آج سے اٹھائیس سال پہلے ۱۹۷۶ء میں راقم کی کتاب ''تذکرہ اکابر اہل سنت'' جو تقریباً چھ سو صفحات پر مشتمل ہے شائع ہوئی تھی، اس میں پاکستان کے ۷۸ اعلماء ومشائخ کا تذکرہ تھا جو اس وقت رحلت فرما گئے تھے۔

اس کی تقدیم میں بین الاقوامی ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی نے تحریر کیا تھا:

''اگر علماء اہل سنت کو خدا توفیق دے تو پھر پاکستان کے علماء ومشائخ اہل سنت بلکہ پاکستان وہند کے علماء ومشائخ اہل سنت ——— نہیں نہیں بلکہ عالم اسلام کے علماء ومشائخ اہل سنت پر لکھا جائے ——— لیکن اس مہم کو سر کرنا ایک شخص کے بس کی بات نہیں، یہ ایک ادارے کا کام ہے، خدا توفیق رفیق عطا فرمائے، آمین۔(۲)

راقم نے تذکرہ کے ابتدائیہ میں لکھا تھا:

''یہ ایک ابتدائی کوشش ہے، ابھی بہت سے علماء ومشائخ کا ذکر اس میں شامل نہیں کیا جاسکا، جس کی بڑی وجہ وسائلِ معلومات کی کمی اور فرصت کی قلت ہے، خدا کرے کوئی صاحبِ ہمت اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچادے۔(۳)

---

(۱) نزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۴۴

(۲) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: تقدیم تذکرہ اکابر اہل سنت (فرید بک سٹال، لاہور) ص ۲۸

(۳) محمد عبد الحکیم شرف قادری: تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۱۰

الحمدللہ! یہ دعائیں رنگ لائیں اوراس کے بعد متعدد تذکرے شائع ہوئے، راقم کے دوتذکرے چھپ چکے ہیں:

1. **نورنورچہرے** :یہ تذکرہ پندرہ حضرات کے تفصیلی تعارف پر مشتمل ہے، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء میں مکتبہ قادریہ نے شائع کیا۔صفحات ۴۰۰۔
2. **عظمتوں کے پاسبان** :اس میں ۷۲حضرات کا تعارف ہے،بعض کاکسی قدر تفصیلی،بعض کامختصر یہ تذکرہ المتاز پبلی کیشنز ،لاہور نے ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء میں شائع کیا،صفحات ۴۰۰۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ راقم کے بارے میں دوکتابیں چھپ چکی ہیں:

1. **محسن اہل سنت:** مرتبہ جناب صوفی محمد عبدالستار طاہر ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء میں رضادارالاشاعت،لاہور نے شائع کی،صفحات ۳۲۸
2. **تذکارشرف:** مختلف اصحاب علم وقلم نے جوراقم کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ان کا مجموعہ مرتبہ جناب صوفی محمد عبدالستار طاہر'' المتاز پبلی کیشنز ،لاہور نے ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء میں شائع کیا،صفحات ۱۶۰

حالانکہ راقم کسی شمارقطار میں نہیں ہے، یہ رضویات کے بین الاقوامی سکالر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعوداحمد مدظلہ العالی کی عنایت اورتحریک تھی جس کی بنا پر ان کے مرید صادق عزیزم محمد عبدالستار طاہر(لاہور) نے عمل کیا، مولائے کریم جل مجدہٗ انہیں جزائے خیرعطا فرمائے۔آمین!

الحمدللہ! گزشتہ ربع صدی میں اہل سنت و جماعت میں تصنیف و تالیف اور اشاعت کے کام میں سرگرمی پیداہوئی ہے، خصوصاً تذکرہ نگاری کوفروغ ملاہے۔

مثلاً درج ذیل کتب تذکرہ منظرعام پرآئیں:

1. **الیواقیت المهریة** :حضرت علامہ مولانا غلام مہر علی رحمہ اللہ تعالیٰ (چشتیاں شریف) نے علامہ فضل حق خیرآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''**الثورة الهندية**'' پر عربی میں حواشی لکھے اور بہت سارے علماء کے تذکرے بھی محفوظ کر دئے، یہ کتاب جون ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔

2. **تذکرہ علماء اهل سنت** :مولانا علامہ شاہ محمود احمد قادری مدظلہ نے پاک و ہند کے علماء کا مختصر تذکرہ لکھا جو ۱۹۷۲ء میں کانپور (بھارت) سے شائع ہوا۔

3. **فقہ اسلامی** :مولانا عبدالاول جونپوری کی تصنیف ''مفید المفتی'' کے مقدمہ میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے لے کر مصنف کے زمانے تک فقہائے احناف کا تذکرہ ہے، جب کہ اصل کتاب میں کتب احناف کا تعارف دیا گیا ہے ——— سید ارشاد احمد عارف نے اس کے پاکستانی ایڈیشن میں ایک ضمیمہ شامل کیا جس میں چودہویں صدی کے علماء احناف کا مختصر مختصر تذکرہ ہے، جب کہ آخر میں ان علماء کا ایک ایک سطر میں تعارف دیا گیا ہے جو اس وقت حیات تھے، ۱۴۰۱ھ میں یہ کتاب مولانا علامہ مفتی ہدایت اللہ پسروری مکتبہ غوثیہ ہدایت القرآن، ممتاز آباد، ملتان سے شائع کی اور اب فرید بک سٹال، لاہور نے بھی شائع کر دی ہے۔

4. **تذکرہ علمائے اهل سنت**: لاہور مکتبہ نبویہ، لاہور کے مالک جناب پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی نے لکھی اور شائع کی۔

5. **تعارف علمائے اهل سنت** :مولانا محمد صدیق ہزاروی زید مجدہٗ نے پچاس سے زائد علماء کا تذکرہ لکھا جسے مکتبہ قادریہ نے شائع کیا۔

6. **اکابر تحریک پاکستان (دوجلد)** مؤرخ اہل سنت جناب محمد صادق قصوری نے لکھی اور نوری کتاب خانہ، لاہور نے شائع کی۔

7. **تذکرہ علماء ومشائخ سرحد** (دوجلد) پیر سید محمد امیر شاہ گیلانی مدظلہ العالی[1]

(۱) پیر صاحب ۱۵ر رمضان المبارک مطابق ۲۷ر اکتوبر ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء رحلت فرما گئے رحمہ اللہ تعالیٰ

نے لکھی اور پشاور سے شائع ہوئی۔

8 **تجلیات مہرانور**: مرزائے قادیانی کے تابوت میں آخری کیل گاڑنے والے حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مریدین اور خلفاء کا تذکرہ مولانا علامہ شاہ حسین گردیزی مہتمم جامعہ مہریہ، گلشن اقبال، کراچی نے مرتب کیا اور شائع کیا، تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

9 **علماء حق اور فتنۂ مرزائیت**: ۳۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب نوجوان فاضل صادق علی زاہد نے ترتیب دی اور گنبد خضرا پبلی کیشنز، لاہور نے حال ہی میں شائع کی ہے۔

10 **مشائخ نقشبند نمبر**: فخر المشائخ حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ العالی کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ نور اسلام، شرقپور کا نمبر جو تین جلدوں میں شائع ہوا۔

۱۱۔ **تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ**، مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا اور ہندوستان پاکستان دونوں جگہ سے شائع ہوا۔

۱۲۔ **باغی ہندوستان**: علامہ فضل حق خیرآبادی اور سلسلۂ خیرآبادی سے منسلک علماء کا تذکرہ جس میں علامہ کا عربی رسالہ "الثورۃ الھندیۃ" اور علامہ ہی کے "قصائد فتنۃ الھند" اور دو ترجمہ کے ساتھ شامل ہیں، یہ کتاب مکتبہ قادریہ، لاہور نے بڑے اہتمام سے شائع کی۔

۱۳۔ **خلفائے اعلیٰ حضرت**: یہ کتاب جناب محمد صادق قصوری اور پروفیسر مجید اللہ قادری کی مشترکہ کوشش سے تیار ہوئی، اور ۱۹۹۲ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے شائع کی۔[1]

---

(۱) "خلفائے اعلیٰ حضرت" ہی کے ضمن میں دو کتابیں صوفی محمد عبدالستار طاہر مسعودی نے بھی مرتب کیں:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

سندھ کے اکابرین قادریہ کی علمی و دینی خدمات
(۱۱۹۸ھ تا ۱۴۱۳ھ) از ڈاکٹر صاحبزادہ فرید الدین قادری، یہ کتاب قادری پبلی کیشنز، کراچی نے ۱۹۹۸ء میں شائع کی۔
شخصی تذکرے اس کے علاوہ ہیں جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

اس کے باوجود ضرورت تھی کہ کوئی فاضل کمر ہمت باندھتا اور پاکستان کے چاروں صوبوں کے علماء و مشائخ کے حالات اور تذکرے ڈھونڈ کر جمع کرتا، کیونکہ بہت سے اہل علم و معرفت وہ ہیں جن کا تذکرہ کہیں محفوظ نہیں کیا گیا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کریم نے راشدی خاندان کے فرزند جلیل حضرت مولانا سید محمد زین العابدین راشدی کثر اللہ تعالیٰ امثالہ (اللہ تعالیٰ ان جیسے بہت سے علماء پیدا فرمائے) کو توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے ''انوار علمائے اہل سنت'' کے نام سے تذکرہ لکھنے کا پروگرام بنایا، ان کا ارادہ ہے کہ پاکستان کے ہر صوبے کے علماء و مشائخ کا تذکرہ الگ الگ جلدوں میں تیار کریں گے، مولانا حافظ عبدالکریم قادری رضوی نے مجھے پہلی جلد کی فہرست بھجوائی ہے، اور تقاضا کیا ہے کہ میں اس پر مقدمہ لکھوں، اس جلد میں صوبہ سندھ کے ایک سو ستر (۱۷۰) علماء اور مشائخ کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور یہ جلد آٹھ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

علامہ راشدی نوجوان فاضل ہیں اور قلم و قرطاس کی اہمیت اور وقت کی قدر و قیمت سے بخوبی آگاہ ہیں، پہلے لاڑکانہ میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے، گزشتہ سال ۱۴۲۲ھ یکم رمضان المبارک کو شادمان ٹاؤن، کراچی منتقل ہو گئے ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

❶ ایک کتاب میں راقم کے محررہ حالات تھے۔ صفحات ۱۳۶، مطبوعہ ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء۔

❷ دوسری کتاب میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کے محررہ حالات تھے۔ صفحات ۱۳۷، مطبوعہ ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔ دونوں کتابیں رضا اکیڈمی، لاہور نے شائع کیں۔

جہاں بھی رہے قلم کے ساتھ رشتہ قائم رکھا، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اردو میں اکیس اور سندھی زبان میں چوبیس تصانیف کے مصنف ہیں جن میں سے کچھ چھپ چکی ہیں اور کچھ منتظر اشاعت ہیں، وہ صرف صاحب علم وقلم ہی نہیں بلکہ حق وصداقت کے علم بردار اور مسلکِ اہل سنت کے لئے سراپا درد ہیں اور یہ وہ اوصاف ہیں جو انہیں اکثر علماء سے ممتاز کرتے ہیں

اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ الحمد للہ! راقم کے تین تذکرے چھپ چکے ہیں، چوتھا زیر ترتیب ہے، اس لئے مجھے بخوبی اندازہ ہے، زعمائے اہل سنت کے حالات و سوانح جمع کرنا خصوصاً ان حضرات کے جو دنیا سے رحلت فرما گئے ہوں جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، ہمارے ہاں جمود اتنا گہرا ہے کہ توڑے نہیں ٹوٹتا، گزشتہ چند برسوں میں اگرچہ برف کافی پگھلی ہے تاہم آپ کو ہر طرف فراوانی سے گلیشیر مل جائیں گے۔ ان حالات میں علامہ راشدی کا صرف صوبہ سندھ کے علماء مشائخ کے بارے میں آٹھ سو صفحات پر مشتمل تذکرہ مرتب کر دینا یقیناً قابل دید وداد ہے اور اس کام کی جتنی بھی تحسین کی جائے کم ہے۔

سید راشدی کو اپنے دور کے عظیم عالم و عارف اور مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد قاسم مشوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کا شرف حاصل ہے، جب ۱۴/رجب ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء میں آپ کی شادی حیدرآباد دکن (چمن قادریہ) کے حسینی سادات کے چشم و چراغ سید احمد علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی صاحبزادی سے ہوئی تو آپ کے پیر خانہ کے صاحبزادے مولانا منیر احمد مشوری نے نکاح پڑھایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ۲۰/شوال ۱۴۲۲ھ/۱۵/جنوری ۲۰۰۲ء کو صاحبزادہ عطا فرمایا جس کا نام سید عطاء المصطفیٰ راشدی رکھا گیا، اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اسلاف کا صحیح جانشین اور نمونہ بنائے۔ آمین!

سید صاحب کی چند تصانیف درج ذیل ہیں:

1. **سوانح امام المسلمین**: حضرت امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات سندھی زبان میں لکھی، جسے السادات اکیڈمی، لاڑکانہ نے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا۔
2. **قلم جو بادشاہ**: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں سندھی میں لکھی جو انجمن پیغام رضا، حیدرآباد نے جون ۱۹۹۴ء میں شائع کی۔
3. **روشن صبح**: ردشیعہ میں اصلاحی کتاب مارچ ۲۰۰۰ء میں طبع ہوئی۔
4. **جماعت اسلامی صحافت کی نظرمیں**: تیس سالہ اخباری تراشوں اور بیانات کا مجموعہ فروری ۲۰۰۲ء میں کراچی سے شائع ہوا۔
5. **قاسم ولایت**: ۲۹۰ صفحات پر مشتمل اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ محمد قاسم محدث مشوری کے سوانح زندگی وغیرہ۔

غرض یہ کہ انہوں نے اپنی زندگی بھرپور علمی، تحقیقی اور تبلیغی کاموں کے لئے وقف کررکھی ہے، ان کا پروگرام یہ ہے کہ صوبہ سندھ کے بعد پنجاب، بلوچستان اور سرحد کے علماء ومشائخ کے تذکرے بھی مرتب کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو یہ عظیم الشان منصوبہ پایہ تکمیل تک پہچانے کی توفیق عطا فرمائے، اور ان کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت اور مقبولیت عامہ عطا فرمائے۔

کتنا اچھا ہو اگر سید صاحب صرف سندھی زبان میں لکھیں، کیونکہ ہمارے ہاں سندھی میں لکھنے والے بہت کم علماء ہیں، البتہ جو کچھ سندھی میں لکھیں اس کا اردو ترجمہ کسی فاضل سے کروا کر شائع کردیں۔

تحریر: ۱۹ر رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ/ ۲۵ر نومبر ۲۰۰۲ء

عکسِ تحریر پیر محمد کرم شاہ الازہری

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری
ممبر شریعت اپیل بنچ
سپریم کورٹ آف پاکستان

حوالہ نمبر ڈی۔آر (جی) ایس۔سی۔جے
تاریخ ۔۔۔ 29.4.86

گرامی خدمت جناب مولانا صاحب،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سپریم کورٹ میں ایک اہم مسئلہ زیر بحث ہے۔ جسکی تفصیلات
سپریم کورٹ کی طرف سے جاری کردہ سوالنامہ میں درج ہیں
مجھے امید ہے آپ اپنے قیمتی وقت سے چند لمحے نکال کر
سپریم کورٹ کی اس سلسلہ میں مدد فرمائیں گے

والسلام
محمد کرم شاہ
جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری
سپریم کورٹ آف پاکستان
راولپنڈی

جناب حضرت مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب
جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری گیٹ
لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سپریم کورٹ آف پاکستان وفاقی شرعی عدالت کے تحدید ملکیت سے متعلق ۲۶ سوالات

محترمی و مکرمی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

۱۹۷۲ء میں حکومت وقت نے مارشل لاء ریگولیشن نمبر ۱۱۵ کے ذریعہ زرعی اصلاحات کے نام سے ایک قانون نافذ کیا تھا، جس کی رو سے زمین کی حد ملکیت ڈیڑھ سوا یکڑ مقرر کر دی گئی تھی۔

اس قانون کو مختلف شہریوں کی جانب سے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا، لیکن وفاقی شرعی عدالت نے یہ درخواستیں خارج کر دیں، اور مذکورہ قانون میں کوئی بات خلاف قرآن وسنت نہ پا کر قانون کو شرعی نقطہ نظر سے درست قرار دیا، اب وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کی شریعت اپیلیٹ بینچ میں متعدد اپیلیں دائر کی گئی ہیں، جن کا تصفیہ کرنے کے لئے عدالت کو یہ طے کرنا ہے کہ زرعی اصلاحات کے یہ قوانین قرآن وسنت کے مطابق ہیں یا نہیں؟ اس مسئلے میں قرآن وسنت کے موقف کی وضاحت مطلوب ہے، آپ کو دعوت دی جاتی ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کے احکام کو مدلل اور مفصل حوالوں کے ساتھ عدالت کے سامنے پیش کرنے کے لئے ان سوالات کے جواب میں اپنا تحریری بیان رجسٹرار عدالت کو ارسال فرمادیں، جوابات کا اسلوب تحقیقی ہو، نہ کہ تقریری، حوالہ جات ہر جواب کے ساتھ الگ الگ مہیا کیے جائیں، فوٹو کاپی یا دیگر قسم کی نقول، ترجمہ وغیرہ شامل کی جاسکتی ہیں:

سوالات:

(۱) کیا اسلام نے زمین یا دوسری جائیدادوں کی ملکیت کی کوئی حد مقرر کی ہے، جس سے زائد جائیداد رکھنا انسان کے لئے شرعاً جائز نہ ہو؟

(۲) اگر اسلام نے کوئی ایسی حد مقرر نہیں کی تو کیا اسلامی مملکت کو یہ اختیار ہے کہ وہ مصالح عامہ کے پیش نظر ایسی کوئی حد مقرر کر دے؟

(۳) اسلامی حکومت کو اس بات کی اجازت ہے کہ کسی شخص کی مملوک کوئی چیز سرکاری ملکیت میں لے لے؟ اگر اجازت ہے تو معاوضہ کے ساتھ یا بلا معاوضہ؟

(۴) اگر شخصی ملکیت کو سرکاری ملکیت میں لینے کی شرعاً اجازت ہے تو یہ اجازت محدود ہے یا کچھ حدود و شرائط کی پابند ہے؟ اگر اس کے لئے کچھ حدود و شرائط ہوں تو وہ کیا ہیں؟ اور ان کے تعین کا کیا طریقہ ہے؟

(۵) کیا اسلامی مملکت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی مباح کام کو شہریوں کے لئے لازم کر دے؟ اگر یہ اختیار ہے تو وہ کن حدود کا پابند ہے؟

(۶) جن افعال کو شریعت نے پسندیدہ اور مستحب قرار دیا ہے اور قرآن وسنت نے اس کی ترغیب دی ہے، لیکن فرض قرار نہیں دیا، مثلاً نفلی صدقات، کیا کسی اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان پسندیدہ افعال کو بذریعہ قانون لازم کر دیں؟ مثلاً کیا اسلامی حکومت یہ کرسکتی ہے کہ معاشرہ سے فقر وافلاس دور کرنے کے لئے کوئی صدقہ جو اصلاً نفلی تھا، بذریعہ قانون جبری قرار دے دے؟

(۷) قرآن کریم میں فرمانِ الٰہی ہے "لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں؟ کہو: جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔" (۲/۲۱۹) دوسری جگہ فرمانِ الٰہی ہے "یہ لوگ ایسے ہیں اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں، تو یہ لوگ دوسروں کو بھی نیک کاموں کے کرنے کو کہیں، اور برے کاموں سے منع کریں۔"

ان آیات کی روشنی میں کیااس کی گنجائش ہے کہ حکومت نہایت فراخدلی سے دولت، جائیداداور تعیش پر کوئی حد مقرر کرنے کے بعد وافر وسائل کو شدید معاشی ناہمواری دور کرنے میں صرف کرے؟

(۸) شخصی زمینوں کو مصالح عامہ میں خرچ کرنے کے لئے تاریخ اسلام میں مختلف واقعات ملتے ہیں، بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے لئے مالکوں کو راضی کئے بغیر کوئی ملکیت سرکاری تحویل میں لینا درست نہیں، اس سلسلہ میں حضرت عمر اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وہ واقعہ مشہور ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زمین کو معاوضے کے ساتھ مسجد نبوی کی توسیع کے لئے لینے کی کوشش کی تھی، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر احتجاج کیا، بالآخر حضرت اُبی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس قضیہ کا فیصلہ سونپا گیا، انہوں نے فیصلہ دیا کہ حضرت عباس کو اپنی زمین فروخت کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، (حوالہ کے لئے ملاحظہ ہو، سنن بیہقی ص ۱۶۸ ج ۶ وطبقات ابن سعد ص ۲۲ ج ۴)

دوسری طرف متعدد تاریخی روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مسجد نبوی اور مسجد حرام کی توسیع کے لئے لوگوں سے زبردستی ان کی زمینیں خریدیں۔ (اخبار مکہ للورقی ص ۶۹ ج ۱)

ان دونوں قسم کے واقعات میں کس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے؟

(۹) بہت سے فقہاء کرام نے ضرورت کے وقت حکومت کو اجازت دی ہے کہ وہ شخصی املاک کو زبردستی اپنی تحویل میں لے سکتی ہے، یہ اصول "مجلۃ الاحکام العدلیۃ" میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو، دفعہ ۱۲۱۶، ۱۲۱۷)

اس ضرورت کا کیا معیار ہے؟ اگر اسلامی حکومت یہ محسوس کرے کہ کسی خاص قسم کی املاک چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر رہ گئی ہیں، اور باشندوں کا ایک بڑا طبقہ اُن سے

محروم ہے، تو محروم افراد کو ان املاک سے مستفید کرنے اور ارتکازِ دولت کو ختم کرنے کے لئے بھی اس اصول کو کام میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

دوسری طرف اسلامی فقہ میں یہ اصول بھی مشہور ہے کہ ''لیس للامام ان یخرج شیئامن ید احدالا بحق ثابت معروف '' (حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی چیز کو کسی شخص کے قبضے سے نکالے، جب تک کہ کوئی ثابت اور معروف حق نہ ہو،) یہ اصول امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بیان کیا ہے۔

(بحوالہ ''الأشباہ والنظائر فن ثالث، قواعد وفوائد شتی ص ۵۸۹ ج ۲ مطبع ہند)

ان دونوں اصولوں میں تطبیق کی کیا شکل ہے؟

(۱۰) وقف کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر شخصی ملکیت کو بوقت ضرورت سرکاری تحویل میں لینا جائز ہے، تو کیا اس ضرورت کے تحت وقف اراضی کو بھی سرکاری تحویل میں لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۱۱) کیا پس اندازی یا بالفاظ دیگر جائیداد، مال و دولت اور سونے چاندی کا جمع کرنا اسلام میں جائز ہے؟

(۱۲) اگر نمبر ۱۱ کا جواب نفی میں ہے تو موجودہ زمانے میں ملکی معاشی ضروریات اور متعلقہ عبادات بشمول قانون وراثت کے تقاضے کیسے پورے ہوں گے؟

(۱۳) ملکی سطح پر بچت کی اسکیموں کو کیسے فروغ دیا جائے؟ تاکہ قومی خوشحالی کی خاطر ملکی سرمایہ کاری کے لئے رقوم مہیا ہو سکیں، جو کہ صنعت اور دیگر ترقیاتی کاموں کے لئے مثلاً دفاعی صنعت اور صلاحیت اور ملکی پیداوار کی بڑھوتی میں مدو معاون ثابت ہوں؟

(۱۴) اگر کسی طرح دولت جمع کرنا جائز نہ ہو تو پھر زکوۃ، عشر اور خیرات کا نظام، جس کے ذریعہ ضرورت مند اور دیگر مستحق طبقے مستفید ہوتے ہیں، کیونکر ممکن ہوگا؟

(۱۵) اگر دولت جمع کرنے کو روک دیا جائے، تو کیا زکوۃ، عشر، صدقہ، خیرات اور دیگر ایسے

عوامل بند ہو جائیں گے؟ اور کیا اس طرح افراد کی عبادت کا ایک طریقہ، جس کے ذریعہ سے وہ زیادہ سے زیادہ کمائی کر کے زیادہ سے زیادہ خیرات کرنے کو تیار ہوں، اس پر پابندی عائد ہو جائے گی؟ تو کیا وہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے سے محروم رہ جائیں گے؟

(۱۶) اس ضمن میں اگر یہ کہا جائے کہ جائز طریقوں سے دولت جمع کرنے کی اجازت ہے تو کیا افراد کو اپنی مرضی سے زائد از ضرورت مال خیرات کرنے کے لئے ترغیبی ذرائع اور قانونی مواقع مہیا کرنے بہتر ہیں، یا یہی خیرات زبردستی لے کر نادار اشخاص میں تقسیم کی جائے؟ اس آخری صورت میں کیا عبادات کے انفرادی حق میں خلل آئے گا یا نہیں؟

(۱۷) اگر ذرائع آمدنی یا زائد از جائز ضرورت دولت افراد سے لی جا سکتی ہے تو اس حالت میں مکمل عمل ہونے پر مرتے وقت کوئی فرد بھی ترکہ نہیں چھوڑے گا، تو پھر قوانینِ وراثت کا اطلاق کسی چیز پر کیسے ہوگا؟ (ان سوالات کا جواب دیتے ہوئے معروف اشتراکی اصولوں کے ساتھ اسلامی اصول کا موازنہ بامداد حوالہ جات مناسب ہوگا)

(۱۸) ضرورت سے زائد جائز دولت کی قرآن وسنت کی روشنی میں تعریف کی جائے؟ ایسا کرتے ہوئے اوپر کئے گئے سوالات کا خیال رکھا جائے، خاص کر جو ملکی دفاعی ضروریات اور ذاتی عبادات کے بارے میں کئے گئے ہیں۔

(۱۹) کیا ان عوامل کی روشنی میں اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگ کسی نچلے یا درمیانی طبقے میں ہوں، اور برابر ہوں؟ یا یہ کہ ایسا نظام ہو جس میں ہر ممکن جائز طریقے سے تمام افراد کو اوپر کے طبقے میں برابر کیا جائے، اور کیا اسلام میں اچھی زندگی گزارنے کا مفہوم ملکی اور انفرادی سطح پر موجود ہے؟

(۲۰) اگر جواب اثبات میں ہے تو اس معاشی نظام کی تفصیلات کیا ہوں گی؟ جس میں یہ مثالی

منزل (IDEAL) حاصل کی جاسکے؟ اور وہ قرآن وسنت کے منافی بھی نہ ہو۔

(۲۱) اس ضمن میں اس بات کا بھی جواب دیا جائے کہ کیا روٹی، کپڑا، تعلیم اور مکان ہر حاجت مند شہری کے بنیادی حقوق تصور کئے جائیں؟ جنہیں وہ چھین کر تو نہیں، لیکن عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے سے ان افراد سے حاصل کرسکیں جن پر اس کی ذمہ داری قرآن و سنت کے ذریعہ عائد ہوتی ہے؟ اور کیا حاجت مندوں کی تعریف میں کام کی اہلیت رکھنے والا ہر وہ شخص آتا ہے جس کو مواقع بھی حاصل ہوں؟

(۲۲) اگر جواب ہاں میں ہے تو وہ عدالتی نظام کیا ہو جس سے یہ مقصد حاصل ہوسکے؟

(۲۳) اگر زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کے برابر مواقع ہر فرد کا بنیادی حق بنادیا جائے، بالفاظ دیگر ہر فرد کا یہ بنیادی حق ہو کہ اسے ایسے مواقع مہیا کئے جائیں کہ وہ اپنی پسند کی، لیکن قرآن وسنت کی پابند آسودگی اور آرام کی زندگی گزار سکے، تو کیا اس سے کسی اسلامی اصول کی نفی ہوگی؟

(۲۴) کیا آسائش کے علاوہ جائز کمائی ہوئی دولت سے دوسروں کے حقوق ادا کرتے ہوئے جائز آرائش کے لئے بھی قرآن وسنت سے گنجائش نکلتی ہے؟

(۲۵) اگر جائز ذرائع سے زیادہ سے زیادہ کمائی کرنا، مال ودولت اور جائیداد جمع کرنا مندرجہ بالا باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے جائز ہے تو پھر آج کی دنیا میں سائنس، تجارت، صنعت اور دیگر شعبہ جات میں اتنے مواقع ہیں کہ اوپر کی حد (LIMIT) کا اندازہ لگانا ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے، ایسی صورت میں کونسا محفوظ طریقہ ہے جس کے ذریعہ تمام ملکی، معاشی، ذاتی اور دینی ضروریات کو اس طرح کم کیا جائے کہ معاشرہ میں بدامنی اور بے اطمینانی بھی نہ پھیلے، اور اس طرح سے لی ہوئی دولت کے ذریعہ تمام نچلے طبقوں کو اوپر کے طبقوں سے ملا دیا جائے، یعنی لوگوں کو معاشی سطح بلند کرنے (Levelling up) کا عمل دوسروں کی سطح نیچے کرنے (Levelling down) کے بغیر انجام پا جائے۔

(۲۶) کیا زمینوں، جائیدادوں، کارخانوں، بینک رقوم، تجارتی اموال اور دولت کی دیگر اقسام میں سے انکم ٹیکس یا دوسرے مروجہ ٹیکسوں کی کٹوتی اسلام میں جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کی حدود کیا ہیں؟ اور اگر نہیں تو کونسا متبادل نظامِ محصولات (عشر اور زکوٰۃ کے علاوہ) رائج کیا جائے جس سے ملکی ضروریات بہتر طریقے سے پوری ہوسکیں؟ کیا یہ صورت ممکن ہے کہ کچھ محکموں کو توڑ کر ایک ہمہ گیر محکمہ ان معاملات کے لئے بن جائے؟

براہِ کرم اسلام کے نظامِ محاصل پر تفصیل سے روشنی ڈالیں جس میں دوسری ضروریات کے علاوہ اسلام کے معاشی احتساب کے اصول بھی شامل ہوں۔

مزید درخواست ہے کہ جوابات ۲۶/اپریل ۱۹۸۶ء سے پہلے دفتر ہذا کو ارسال کئے جائیں۔

عین نوازش ہوگی

والسلام

محمد عبداللطیف

رجسٹرار

سپریم کورٹ آف پاکستان، راولپنڈی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سپریم کورٹ آف پاکستان کے سوالات کے جوابات

محترمی ومکرمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سپریم کورٹ میں زیر بحث ایک مسئلہ کے بارے میں جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب نے ہمیں ایک سوالنامہ بھجوایا تھا، سطور ذیل میں ترتیب وار ہر شق کا جواب پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ نظام مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں زمین یا دوسری جائیدادوں کی ملکیت کی حد متعین نہیں کی گئی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ للّٰہ یورثھا من یشاء من عبادہ (الاعراف ۷ آیت ۱۲۸)

بے شک زمین اللہ کی ملک ہے اپنے بندوں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

ھُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرہ ۲ آیت ۲۹)

اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے وہ تمام چیزیں پیدا فرمائیں جو زمین میں ہیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، انہوں نے وصال کے وقت ترکے میں دراہم ودنانیر نہیں چھوڑے، البتہ مدینہ طیبہ میں گیارہ مکان، بصرہ میں دو مکان، کوفہ میں ایک اور مصر میں ایک مکان چھوڑا، غابہ کی اراضی اس کے علاوہ تھی جوان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر نے سولہ لاکھ دراہم میں فروخت کی، ان کے ترکہ کی مالیت تقسیم کے وقت پانچ کروڑ دو لاکھ تھی۔(۱)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے بخاری شریف مطبع مجتبائی دہلی ج ۱ ص ۴۴۲-۴۴۱

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت تماضر اشجعیہ کو اپنے شوہر کے ترکہ میں سے بتیسواں حصہ ملا جس کے معاوضہ میں بطور صلح، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسّی ہزار دینار دئے۔ (ہدایہ اخیرین کتب خانہ رشیدیہ، دہلی ص ۲۴۰)

۲۔ اسلامی مملکت کو اختیار ہے کہ مصالح عامہ یا ضرورت ریاست کی بنا پر حد ملکیت مقرر کردے، نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال ابن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سمندر اور خشکی کے درمیان وادی بطور عطیہ عنایت فرمائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں فرمایا کہ تم اتنے بڑے علاقے کو سنبھال نہیں سکتے لہذا معادن قبلیہ کا خطہ واپس لے لیا۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

فَلَمَّا کَانَ زَمَنُ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَهٗ اِنَّکَ لَاتَسْتَطِیْعُ اَنْ تَعْمَلَ هٰذَافَطَیَّبَ لَهٗ اَنْ یَّقْطَعَهَامَاخَلَا الْمَعَادِنِ فَاِنَّهٗ اسْتَثْنَاهَا

(کتاب الخراج عربی، للامام ابی یوسف، ص ۶۷)

۳۔ اسلامی حکومت کسی شخص کی مملوکہ چیز کو اسی شرط (مصلحت عامہ یا ضرورت ریاست) کی بنا پر بالمعاوضہ اپنی ملکیت میں لے سکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ھوازن کے وفد کو اختیار دیا کہ اپنے قیدی لے لو یا اپنے اموال، انہوں نے قیدیوں کو ترجیح دی، قیدی تقسیم ہو چکے تھے، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں صحابہ کو قیدیوں کے واپس کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ فرمایا کہ جو بلا معاوضہ دینا چاہے دیدے اور جو معاوضہ لینا چاہے اسے ہم آنے والے پہلے مال غنیمت میں سے معاوضہ دے دیں گے۔ (بخاری شریف جلد دوم کتاب المغازی ص ۶۱۸)

یہ ریاستی ضرورت تھی جسکی بنا پر قیدی، معاوضہ کی پیشکش پر واپس لئے گئے

تنویر الابصار میں ہے کہ مسجد اگر تنگ پڑ جائے تو اس کے ساتھ والا مکان یا دوکان قیمت ادا کر کے جبراً خرید لیا جائے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ اس پر دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

لِمَارُوِیَ عَنِ الصَّحَابَةِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ لَمَّاضَاقَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ اَخَذُوْاَرْضِیْنَ بِكُرْهٍ مِّنْ اَصْحَابِهَابِالْقِیْمَةِ وَزَادُوْافِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (۱)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا گیا ہے کہ جب مسجد حرام تنگ ہوگئی تو انہوں نے قیمت ادا کر کے زمینیں ان کے مالکوں سے زبردستی لے لیں اور مسجد حرام میں اضافہ کر دیا۔

اگر کوئی شخص اپنی حرکتوں سے خواص وعوام کے لئے ضرر رساں ثابت ہو رہا ہو تو قاضی بطور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس پر پابندی عائد کر سکتا ہے، بلکہ اس کا مال بھی فروخت کر سکتا ہے، تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے:

بَلْ یُمْنَعُ مُفْتٍ مَاجِنٌ یُّعَلِّمُ الْحِیَلَ الْبَاطِلَةَ كَتَعْلِیْمِ الرِّدَّةِ لِتَبِیْنَ مِنْ زَوْجِهَااَوْلِتَسْقُطَ عَنْهَاالزَّكٰوةُ وَطَبِیْبٌ جَاهِلٌ وَّمُكَارٌ مُفْلِسٌ

بل مسخرے مفتی کو منع کیا جائے گا جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو مثلاً عورت کو کہے کہ تو مرتد ہو جا تا کہ تو اپنے شوہر سے جدا ہو جائے یا تجھ سے زکات ساقط ہو جائے، اسی طرح جاہل طبیب (ڈاکٹر) اور فریبی مفلس پر پابندی لگائی جائے گی۔

اس پر علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

وَاُلْحِقَ بِهٰذِهِ الثَّلَاثَةِ ثَلَاثَةٌ اُخْرٰی اَلْمُحْتَكِرُوَاَرْبَابُ الطَّعَامِ

---

(۱) ردالمحتار (احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۳ ص ۳۸۴۔ البحر الرائق (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) ج ۵ ص ۲۵۵

اِذَا تَعَدَّوْا فِی الْبَیْعِ بِالْقِیْمَةِ وَمَالَوْ اَسْلَمَ عَبْدُالذِّمِّیِّ وَامْتَنَعَ مِنْ بَیْعِهٖ بَاعَهُ الْقَاضِی۔ (ردالمحتار ج ۵ کتاب الحجر)

تین دوسرے بھی اِن تینوں کے حکم میں ہیں (ان پر بھی پابندی لگائی جائے گی (۱) ذخیرہ اندوز (۲) غلہ فروخت کرنے والے جب قیمت میں ظلم کی حد تک اضافہ کریں (۳) ذمی کا غلام مسلمان ہو جائے اور وہ اسے بیچنے پر تیار نہ ہو تو قاضی اسے بیچ دے گا۔

۴۔ اسلامی حکومت، شخصی ملکیت جبراً بھی لے سکتی ہے بشرطیکہ وہ قیمت ادا کرے اور یہ کاروائی ضرورت یا اہم مصلحت پر مبنی ہو، امام احمد رضا بریلوی ان امور کی اہمیت اور افادیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان استثناء الضرورات ودفع الحرج ومراعاة المصالح الدينية الخالية عن مفسدة تربو عليها ودرء المفاسد والاخذ بالعرف والعمل بالتعامل كل ذٰلك قواعد كلية معلومة من الشرع ليس احد من الائمة الامائلا اليها وقائلا بها ومُعوّلا عليها۔''(۱)

ضرورتوں کا استثناء، حرج کا دفع کرنا، مصالح دینیہ کی رعایت کرنا جب کہ وہاں پر غالب فساد نہ پایا جائے، مفاسد کا دور کرنا، عرف کا اعتبار کرنا، تعامل پر عمل کرنا، یہ سب قواعد کلیہ شریعت سے معلوم ہیں اور ہر امام ان کی طرف مائل، ان کا قائل اور ان پر اعتماد کرنے والا ہے۔

ضرورت کب پائی جائے گی اور اس کا معیار کیا ہوگا؟ اس کا جواب علامہ شامی کے بیان سے مل جائے گا۔ وہ نور العین کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں کہ مسجد کے تنگ ہونے کی صورت میں آس پاس کی جگہ جبراً لینے کی اجازت ہر مسجد کے لئے نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس مسجد کے بارے میں ہے کہ شہر میں اس کے علاوہ مسجد نہ ہو، کیونکہ اگر

(۱) اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام'' مطبوعہ منظمۃ الدعوۃ الاسلامیۃ ۔ لاہور ص ۹

دوسری مسجد موجود ہو تو وہاں جا کر نماز پڑھی جا سکتی ہے اور ضرورت ختم ہو جائے گی، اگر کہا جائے کہ اس میں تو حرج ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کی ملکیت کو جبراً لینے میں اس سے بھی زیادہ حرج ہے، صحابۂ کرام نے مسجد حرام کی قریبی زمینیں زبردستی خرید لی تھیں، اس کی وجہ یہ تھی مکہ مکرمہ میں دوسری مسجد نہ تھی۔

۵۔ امام احمد رضا بریلوی خلیفہ اور سلطان کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خلیفہ کی اطاعت غیر معصیت الٰہی میں تمام امت پر فرض ہے، جس کا منشا خود اس کا منصب ہے کہ نائب رسول رب ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور سلطان کی اطاعت صرف اپنی قلم رو پر، پھر اگر مولیٰ ہے (خلیفۂ وقت نے اسے حاکم بنایا ہے) تو بواسطۂ عطائے خلیفہ، اس منصب ہی کی وجہ سے کہ اس کا امر، امر خلیفہ ہے اور امر خلیفہ امرِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اگر متغلب ہے تو نہ اس کے منصب سے کہ وہ شرعی نہیں، بلکہ دفعِ فتنہ اور اپنے تحفظ کے لئے۔(۱)

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

''عَنِ الْحَمْوِیِّ أَنَّ صَاحِبَ الْبَحْرِ ذَکَرَنَاقِلًاعَنْ اَئِمَتِنَااَنَّ طَاعَةَ الْاِمَامِ فِیْ غَیْرِمَعْصِیَةٍ وَّاجِبَةٌ' فَلَوْاَمَرَبِصَوْمِ یَوْمٍ وَجَبَ''

علامہ حموی فرماتے ہیں کہ صاحب بحرالرائق نے ہمارے ائمہ سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ غیر معصیت میں امام کی اطاعت واجب ہے، لہٰذا امام اگر کسی دن کا روزہ رکھنے کا حکم دے تو وہ روزہ واجب ہو جائے گا۔ (ردالمحتار (طبع بیروت) ج۴ص۲۴۴)

۶۔ مستحب شرعی کو امام وقت، لازم اور ضروری قرار دینے کے لیے قانون نافذ کر سکتا ہے، جیسا کہ ابھی سوال نمبر ۵ کے جواب میں علامہ شامی سے بحوالہ البحرالرائق مذکور ہوا۔

---

(۱) دوام العیش فی الائمۃ من قریش، مکتبہ رضویہ، لاہور ص ۵۷

اسی طرح کسی امر مباح اور جائز کو ممنوع بھی قرار دے سکتا ہے، خصوصاً اگر دوسروں کے لئے ضرر کا باعث ہے، تو کسی بھی شخص کو اس کی اپنی ملکیت میں تصرف کرنے سے روک سکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

''شَرِی دَارًا وَدَبغ وَتَاذّی جِیْرَانُهٗ اِنْ عَلَی الدَّوَامِ یُمْنَعُ وَعَلَی النُّدْرَةِ یُتَحَمَّلُ مِنْهُ''

ایک شخص نے مکان خریدا اور اس میں چمڑا رنگنے کا کام کیا اور اس سے پڑوسیوں کو تکلیف ہو، اگر تو ہمیشہ یہ کام کرتا ہو تو اس پر پابندی لگائی جائے گی اور اگر کبھی کبھار ہے تو برداشت کیا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

''قَالَ فِیْ جَامِعِ الْفُصُوْلَیْنِ اَلْقِیَاسُ فِیْ جِنْسِ هٰذِهِ الْمَسَائِلِ أَنَّ مَنْ تَصَرَّفَ فِیْ خَاصِّ مِلْكِهٖ لَایُمْنَعُ وَلَوْ أَضَرَّ بِغَیْرِهٖ لٰكِنْ تُرِكَ الْقِیَاسُ فِیْ مَحَلٍّ یَضُرُّ بِغَیْرِهٖ ضَرَرًا بَیِّنًا قِیْلَ وَبِهٖ اَخَذَ كَثِیْرٌ مِّنَ الْمَشَایِخِ وَعَلَیْهِ الْفَتْوٰی اهـ وَفِیْهِ أَرَادَ اَنْ یَّبْنِیَ فِیْ دَارِهٖ تَنُّوْرًا لِّلْخُبْزِ دَائِمًا أَوْ رَحًی لِّلطَّحْنِ أَوْ مِدَقَّةً لِّلْقَصَّارِیْنَ یُمْنَعُ عَنْهُ لِتَضَرُّرِ جِیْرَانِهٖ ضَرَرًا فَاحِشًا (إلی أنْ قَالَ) وَانْظُرْ مَا لَوْ كَانَتْ دَارٌ قَدِیْمَةٌ بِهٰذَا الْوَصْفِ هَلْ لِلْجِیْرَانِ الْحَادِثِیْنَ أَنْ یُّغَیِّرُوْا الْقَدِیْمَ عَمَّا كَانَ عَلَیْهِ ط قُلْتُ الضَّرَرُ الْبَیِّنُ یُزَالُ وَلَوْ قَدِیْمًا كَمَا أَفْتٰی بِهِ الْعَلَّامَةُ الْمَهْمَنْدَارِیُّ وَمِثْلُهٗ فِیْ حَاشِیَةِ الْبَحْرِ لِلْخَیْرِ مِنْ كِتَابِ الْقَضَاءِ كَمَا فِیْ كِتَابِ الْحِیْطَانِ مِنَ الْحَامِدِیَّةِ۔''(۱)

---

(۱) ردالمحتار ج۴ص ۴۴۰

جامع الفصولین میں ہے کہ ان مسائل میں قیاس یہ ہے کہ جو شخص اپنی خصوصی ملکیت میں تصرف کرے تو اسے روکا نہیں جائے گا اگرچہ دوسرے کو تکلیف دے، لیکن ایسی جگہ قیاس چھوڑ دیا جائے گا جب واضح طور پر دوسرے کو نقصان دے، کہا گیا ہے کہ بہت سے مشائخ اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے (جامع الفصولین) اور اسی میں ہے کہ کسی شخص نے اپنے گھر میں ہمیشہ روٹی پکانے کے لئے تنور لگایا، یا آٹا پیسنے کے لئے چکی لگائی یا دھوبیوں کا گھاٹ بنایا تو اسے منع کیا جائے گا کہ ان صورتوں میں پڑوسیوں کو نمایاں نقصان پہنچتا ہے (یہاں تک کہ فرمایا) اس پر غور کیجئے کہ اگر گھر پرانا ہو اور اسی صفت کا حامل ہو تو کیا نئے پڑوسیوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ پرانے انداز کو بدل دیں، میں کہتا ہوں کہ واضح نقصان دور کیا جائے گا اگرچہ پرانا ہو جیسے علامہ مہنداری نے فرمایا، ایسا ہی بحر الرائق کی کتاب القضاء کے حاشیہ میں علامہ خیر الدین رملی نے فرمایا، جیسے کہ فتاویٰ حامدیہ کی کتاب الحیطان میں ہے۔

۷۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ (۲/۲۱۹)
لوگ پوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجئے جو کچھ تمہاری حاجت سے زائد ہے۔

اس آیت کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں: (۱) آیت زکات کی بنا پر منسوخ ہے جیسے علی بن ابی طلحہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ (۲) آیت زکات اس آیت کی تفسیر ہے۔(۱)

امام علامہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ابتداء اسلام میں مقدارِ حاجت سے

---

(۱) تفسیر ابن کثیر۔ المکتبۃ التجاریۃ، مصر، ج ۱، ص ۲۵۶

زائد خرچ کرنا فرض تھا، کاشت کار ایک سال کا سامان حاجت رکھ لیتا اور کاریگر ایک دن کا خرچ رکھ کر باقی صدقہ کر دیتا، پھر آیت زکات کی بنا پر یہ آیت منسوخ ہوگئی۔(۱)

وجوب اگرچہ منسوخ ہوگیا تاہم اس کا جواز بہرحال موجود ہے اور امام وقت کو اختیار ہے کہ معاشی تفاوت کم کرنے کے لئے اہل ثروت کو قانوناً پابند کر دے کہ اپنی دولت کے ایک حصہ سے زائد مال پہلے اپنے حاجت مند رشتہ داروں پھر دوسرے غرباء اور فقراء پر خرچ کریں۔علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

وفِی شرحِ الْجواھرِ تجبُ اِطاعتُہٗ فِی مَاأباحہُ الدِّیْنُ وھُوما یعُوْدُنفعُہٗ إلی الْعامۃِ کعِمارۃِ دارِالْإسلامِ والْمُسْلِمِیْنَ ممَّا تناولہُ الْکتابُ والسُّنۃُ والْإجْماعُ (۲)

شرح جواہر میں ہے کہ دین جس چیز کو جائز اور مباح قرار دے اس میں امام کی اطاعت واجب ہے، اور وہ ایسی چیز ہے جس کا فائدہ عوام کو پہنچے، جیسے اسلام اور مسلمانوں کے دار کی عمارت، جسے کتاب وسنت اور اجماع شامل ہے۔

۸۔ تاریخِ اسلام کے حوالے سے نقل کئے گئے دو واقعات میں تخالف نہیں ہے۔دوسری صورت میں امام وقت نے حکم جاری کر دیا اور زمینیں خرید کر مسجد نبوی اور مسجد حرام میں شامل کر دی گئیں، جب کہ پہلی صورت میں اختیار کے باوجود حکم جاری نہیں کیا گیا، غالباً نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احترام میں حکم جاری کرنے سے اجتناب کیا گیا۔

۹۔ فقہائے احناف کے نزدیک یہ مسلّم قاعدہ ہے: ولیس للإمام أن یخرج شیئا من ید أحد إلا بحق ثابت معروف۔(۳)

---

(۱) تفسیر نسفی، دار الکتاب العربی، بیروت، ج ۱ ص ۱۱۰

(۲) منحۃ الخالق علی البحر الرائق (مطبوعہ کراچی) ج ۷ ص ۵۳

(۳) رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۷

امام کسی معروف اور ثابت حق کے بغیر کوئی چیز کسی کے قبضے سے نہیں نکال سکتا۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ بزازیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

''جن حضرات کے نزدیک تعزیر کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی کا مال لے لیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم اس شخص کا مال کچھ مدت کے لئے اپنے قبضہ میں لے لے پھر اسے واپس کر دے، یہ مطلب نہیں ہے کہ حاکم اپنے لئے یا بیت المال کے لئے لے ہی لے، جیسے کہ ظالم حکام گمان کرتے ہیں، کیونکہ کسی مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کا مال کسی شرعی سبب کے بغیر لینا جائز نہیں ہے۔

إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي۔

مجتبیٰ میں فرمایا کہ مال لینے کا طریقہ بیان نہیں کیا، میری رائے یہ ہے کہ حاکم مال قبضہ میں لے لے، پھر اگر اس شخص کی توبہ سے مایوس ہے تو جہاں مناسب سمجھے صرف کر دے، اور شرح آثار میں ہے کہ مالی تعزیر ابتداء اسلام میں تھی پھر منسوخ ہوگئی۔ (۱)

تکملہ البحر الرائق میں ہے کہ امام کسی کی مملوک چیز، مسلمانوں کے فائدے کے پیش نظر دوسرے کے سپرد نہیں کر سکتا۔

وَالْإِمَامُ لَا يَمْلِكُ أَنْ يَدْفَعَ مَمْلُوكَ أَحَدٍ إِلٰى غَيْرِهِ لِانْتِفَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (۲)

جب یہ طے شدہ قاعدہ ہے تو ''مجلۃ الاحکام العدلیۃ'' کی عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ حکومت شخصی املاک کو بوقت ضرورت، قیمت ادا کر کے جبراً لے سکتی ہے، جیسے کہ اس سے

---

(۱) البحر الرائق (طبع کراچی) ج ۵ ص ۴۱ (۲) البحر الرائق، ج ۸ ص ۲۱۱

پہلے تیسرے سوال کے جواب میں گزر چکا ہے کہ مصالح عامہ یا ضرورت ریاست کے پیش نظر معاوضہ ادا کر کے کسی کی ملکیت زبردستی لی جا سکتی ہے، چنانچہ صحابۂ کرام نے مسجد نبوی اور مسجد حرام کی اراضی حاصل کیں، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ھوازن سے تقسیم شدہ قیدیوں کی واپسی کا حکم دیتے ہوئے معاوضہ کی پیشکش فرمائی۔

رہا ارتکازِ زر اور ارتکازِ املاک کے روکنے کا مسئلہ تو اس کے لئے نظامِ زکوۃ وعشر، تقسیم میراث، صدقات واجبہ ونافلہ اور نظام تعزیر کو مکمل طور پر بروئے کار لانا ہوگا۔ اس کے علاوہ تحدید ملکیت کا قانون بھی معاون ہوگا۔ اور قانونِ حجر بھی استعمال کرنا ہوگا۔

امام علامہ ابوالحسن علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی فرماتے ہیں کہ

''حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور تعزیر اپنے عاملوں کا آدھا مال بحق خلافت ضبط کر لیا اور مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا ——— نیز آپ نے ایک بھکاری کو دیکھا کہ اس کے پاس ضرورت سے زیادہ کھانا موجود تھا اس کے باوجود وہ سوال کر رہا تھا، آپ نے اس کا طعام ضبط کر کے صدقے کے اونٹوں کو کھلا دیا۔ (۱)

اب اگر حکومت نظامِ احتساب اور نظامِ تعزیر نافذ کر دے تو ایک طرف جرائم مثلاً رشوت ستانی، غبن، اسراف، احتکار، چور بازاری، ملاوٹ، غرباء اور مزدوروں کی حق تلفی، سودی کاروبار اور تمام غیر شرعی کاروباروں کے آگے رکاوٹ کھڑی کی جا سکتی ہے، دوسری طرف خلاف ورزی کرنے والوں کا مال بحق سرکار ضبط کر کے ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کی جا سکتی ہے۔

مالی تعزیر کے بارے میں اگرچہ ائمۂ مجتہدین کا اختلاف ہے تاہم امام ابو یوسف اور امام مالک کے نزدیک بطور تعزیر مال لینا جائز ہے۔ (دیکھئے معین الحکام حوالہ سابقہ)

---

(۱) معین الحکام (مصطفیٰ البابی، مصر) ص ۱۹۵

جن مسائل میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہو ان میں اگر قاضی فیصلہ کردے تو چند مسائل کے علاوہ اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

قَوْلُ الْأَشباه الْقَاضیٰ اذاقضی فِیْ مُجتهدفیه نفذقضائُهٗ إلَافِیْ مسائل۔(۱)

اشباہ میں ہے کہ جب قاضی کسی اختلافی مسئلے میں فیصلہ کرے تو چند مسائل کے علاوہ اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔

۱۰۔ لغت میں وقف کا معنی ہے قید کرنا اور اصطلاح شریعت میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک کسی امرواقع کا اپنی ملکیت میں رکھتے ہوئے اس کی منفعت کا صدقہ کرنا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک وہ چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہے۔

کسی شخص نے اپنی مملوک شے وقف کردی تو اس کے شرائط صحیحہ پر عمل کرنا ضروری ہے، سلطان بھی ان شرائط کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا، البتہ بیت المال کی مملوکہ اراضی کسی خاص مقصد کے لئے وقف کی ہوئی ہوں تو وہ ان کی شرائط میں تبدیلی کرسکتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

وَهٰذامُوافِقٌ لِقَوْلِ مَشَايِخنَاكغَيْرِهِمْ شَرْطُ الْوَاقِف كَنَصِّ الشَّارِعِ فَيَجِبُ اتِّبَاعُهٗ كَمَاصَرَّحَ بِهٖ فِيْ شَرْحِ الْمَجْمَعِ لِلْمُصَنِّفِ(۲)

یہ دیگر مشائخ کی طرح ہمارے مشائخ کے موافق ہے، وقف کرنے والے کی شرط شارع علیہ السلام کی نص کی طرح ہے، لہٰذا اس کی پیروی واجب ہے، جیسے کہ مصنف کی شرح مجمع میں ہے۔

درمختار میں ہے:

---

(۱) درمختار برحاشیہ ردالمحتار، ج ۳ ص ۳۵۱

(۱) ردالمحتار، ج ۳، ص ۳۵۳۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق، ج ۵ ص ۲۴۶

''وَنُقِلَ عَنِ الْمَبْسُوْطِ أَنَّ السُّلْطَانَ يَجُوْزُلَهُ مُخَالَفَةُ الشَّرْطِ إِذَاكَانَ غَالِبُ جِهَاتِ الْوَقْفِ قُرًى وَمَزَارِعَ فَيُعْمَلُ بِأَمْرِهِ وَإِنْ غَايَرَشَرْطَ الْوَاقِفِ لِأَنَّ أَصْلَهَالِبَيْتِ الْمَالِ۔''(۱)

مبسوط سے نقل کیا گیا ہے کہ بادشاہ کے لئے شرط کی مخالفت جائز ہے جب کہ وقف کے زیادہ تر پہلو گاؤں اور کھیت ہوں، لہذا اس کے حکم پر عمل کیا جائے گا اگر چہ وقف کرنے والے کی شرط کے مخالف ہو کیونکہ ان کا اصل بیت المال کے لئے ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مخالفت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان میں کمی بیشی کر سکتا ہے یہ مطلب نہیں کہ جس مقصد کے لئے وقف تھا وہ سرے سے ختم ہی کر دے۔(۲)

۱۱ تا ۱۵۔ جو مال جائز ذرائع سے حاصل کیا ہوا ہو، اُس کا جمع کرنا جائز ہے، دیکھئے پہلے سوال کا جواب، آیہ مبارکہ:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَايُنْفِقُوْنَهَافِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (۹/۳۴)

وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے (انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنائیں)

کے بارے میں جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا موقف یہ ہے کہ اس مال کے بارے میں ہے جس کی زکات ادا نہ کی گئی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

مَنْ كَنَزَهَافَلَمْ يُؤَدِّزَكٰوتَهَافَوَيْلٌ لَهُ إِنَّمَاكَانَ هٰذَاقَبْلَ أَنْ تَنْزِلَ الزَّكٰوةُ فَلَمَّاأُنْزِلَتْ جَعَلَهَا اللّٰهُ طُهْراً لِلْأَمْوَالِ۔(۳)

جو شخص دولت جمع کرے اور اس کی زکات نہ دے تو اس کے لئے ہلاکت ہے، یہ زکات کا حکم نازل ہونے سے پہلے تھا، جب زکات نازل ہوئی تو

(۱) درمختار بر حاشیہ ردالمحتار ج ۳ ص ۴۱۸ (۲) ردالمحتار، ج ۳۔ صفحہ سابقہ)
(۳) بخاری شریف (وزارت تعلیم، اسلام آباد) ج ۱ ص ۱۸۸

اللہ تعالیٰ نے اسے اموال کی پاک کرنے والی بنادیا۔

١٦۔ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ فِی الْمَالِ حَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ (١)

بے شک مال میں زکات کے علاوہ بھی حق ہے۔

سوال نمبر ے کے جواب میں تحریر کیا جاچکا ہے کہ امام نفلی امور کو لازم کرسکتا ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ اربابِ دولت کو ترغیبی ذرائع سے خود اہل ضرورت پر خرچ کرنے پر ابھارا جائے کہ وہ پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں پھر دوسرے حاجت مندوں مثلاً یتیموں، بیواؤں اور مساکین پر صرف کریں تاکہ تقوی، صلہ رحمی اور خلق خدا کی ہمدردی کی فضا پیدا ہو، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ مَاأَنْفَقْتُمْ مِنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (البقرہ ٢، آیۃ ٢١٥)

آپ فرمادیجئے کہ تم جو مال خرچ کرو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔

پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ ذرائع آمدن، مالک کی ملکیت میں رہیں۔البتہ فوائد اور پیداوار میں سے کچھ حصہ ضرورت مندوں پر بھی خرچ کیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''إِذَاکَانَتْ لِأَحَدِکُمْ أَرْض '' فَلْیَمْنَحْهَاأَخَاهُ وَلِیَزْرَعْهَا۔''(٢)

''جس کے پاس زمین ہو وہ کاشت کے لئے اپنے بھائی کو دیدے یا خود کاشت کرے۔''

---

(١) ترمذی شریف، ص ١١٩، طبع کراچی (٢) ترمذی شریف آخر ابواب الاحکام

یہ حکم نہیں دیا کہ اپنے بھائی کو زمین کا مالک ہی بنا دے، بلکہ فرمایا اسے کاشت کے لئے دیدے اور اسے فائدہ حاصل کرنے دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَاكَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ (۱)

''بہترین صدقہ وہ ہے جو غنا کی بنیاد پر ہو اور ابتدا ان لوگوں سے کر جن کا تو کفیل ہے۔''

اس سے بھی اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ ذرائع پیداوار زمین وغیرہ تو اسی کی ملکیت میں رہیں جو اس کی غنا کی بنیاد ہیں، البتہ فوائد اور پیداوار میں دوسرے لوگوں کو بھی شریک کرے، اس میں بھی حفظ مراتب ملحوظ رہے پہلے وہ جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے، پھر قریبی رشتہ دار، اس کے بعد دوسرے اہل حاجت۔

البتہ اگر امام یہ محسوس کرے کہ لوگ اپنی ذمہ داری پوری نہیں کرتے تو قانوناً حاجت سے زائد پیداوار لے کر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ شریعت کا مدار، قواعدِ ایمان کے بعد، بقاءِ عالم کے پیش نظر فساد کے مادوں کا ختم کرنا ہے اسی لئے البحر الرائق میں فرمایا:

فقہاء کرام کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاست، ایسا کام کرنے کو کہتے ہیں جسے حاکم کسی مصلحت کے پیش نظر کرتا ہے اگرچہ اُس فعل کے لئے کوئی جزئی دلیل وارد نہ ہو۔'' (ردالمختار، ج ۳ ص ۱۴۸)

۱۷۔ اس سے قبل سوال نمبر ۱۶ کے جواب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر ذرائع پیداوار جائز اور شرعی طریقے سے حاصل کئے گئے ہوں، تو وہ شخصی ملکیت میں رہنے دئے جائیں،

(۱) بخاری شریف، ج ۱، ص ۱۹۲

حاجت سے زائد فوائد اور پیداوار حسب مراتب ضرورت مندوں میں تقسیم کرنے کی ترغیب دی جائے، موت کی صورت میں ذرائع پیداوار، زمین وغیرہ اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔

اسلامی اور اشتراکی اصول میں تقابل کرتے ہوئے طبیہ کالج، کویت کی فاضلہ طالبہ، جمیلہ محمد الفرج لکھتی ہیں کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں سرمایہ داری اور اشتراکیت کی تمام خوبیاں موجود ہیں اور یہ نظام باقی دونوں نظاموں کے عیوب ونقائص سے پاک ہے، نظام اسلام کی چند خصوصیات یہ ہیں:۔

۱۔ یہ نظام، نجی ملکیت کا احترام کرتا ہے، لیکن اسے بے لگام نہیں چھوڑتا بلکہ اس کی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے اسے متعدد قیود کا پابند کرتا ہے۔

۲۔ یہ نظام، دولت کو چند ہاتھوں میں مرکوز کرنے کی بجائے اسے کثیر التعداد متوسط یا نچلے طبقوں میں پھیلانا چاہتا ہے۔

۳۔ یہ نظام قومی اور انفرادی، دونوں قسم کے اموال کو تحفظ دیتا ہے۔

۴۔ اسلام اس امر کی دعوت دیتا ہے کہ نادار طبقوں پر خرچ کیا جائے اور ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور اس امر کو عبادات میں داخل کر دیا گیا ہے۔

فاضلہ موصوفہ نے ارتکاز زر کو روکنے والے اسلامی طریقے بعد میں بیان کئے ہیں اشتراکی نظام کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

۱۔ یہ نظام، شخصی ملکیت خواہ وہ زمین سے متعلق ہو یا دولت سے ختم کر کے پبلک کے فائدے کے لئے حکومت کے سپرد کر دی جاتی ہے، افراد، محنت کریں گے اور حکومت بطور معاوضہ، سب کو یکساں مزدوری دے گی۔

۲۔ تمام افراد کو حاجت کے مطابق ضروریات فراہم کی جائیں گی۔

۳۔ تمام پیداوار، خواہ وہ کسی نوع سے تعلق رکھتی ہو افراد میں یکساں تقسیم کر دی جائے گی۔[1]

(۱) القرآن واصلاح المجتمع، ص ۸۷۔۸۶

۱۸۔ جواب سے پہلے حاجت اور ضرورت کا فرق بیان کرنا ضروری ہے۔

امور ضروریہ وہ امور ہیں جن کے بغیر دین و دنیا کے مصالح قائم نہیں رہ سکتے۔ یہ امور موجود نہ ہوں تو دنیا کا کاروبار صحیح طور نہیں چل سکے گا بلکہ فساد پیدا ہوگا اور زندگی تباہ ہو جائے گی اور انسان اخروی نجات اور نعمتوں سے محروم ہو جائے گا۔

امور ضروریہ وہ امور ہیں جن پر ❶ دین کی حفاظت ❷ جان کی حفاظت ❸ نسل کی حفاظت ❹ مال کی حفاظت اور ❺ عقل کی حفاظت، موقوف ہو۔

امور حاجیہ وہ امور ہیں جن کی بنا پر وسعت اور گنجائش حاصل ہوتی ہے اور وہ تنگی ختم ہو جاتی ہے جو غالباً حرج اور مشقت کا باعث ہوتی ہے، مثلاً حالت سفر یا مرض میں لاحق ہونے والی مشقت کے پیش نظر شریعت نے رخصت دی ہے جو سہولت اور آسانی فراہم کرتی ہے۔(۱)

امام علامہ نسفی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو کا معنی یہ ہے کہ قدر حاجت سے زائد خرچ کرو، ابتداء اسلام میں حاجت سے زائد کا خرچ کرنا فرض تھا، پھر یہ حکم آیت زکات سے منسوخ ہو گیا۔(۲)

علامہ ابن عابدین شامی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے لئے اور اہل و عیال (جن کا خرچ آدمی پر واجب ہے) کے لئے ایک سال کی خوراک، لباس اور رہائش کا مکان اس کے علاوہ گھر کے استعمال کا سامان، سواری، ہتھیار، اسی طرح اپنے اور اولاد کے نکاح کے اخراجات حاجت اصلیہ میں داخل ہیں۔(۳)

الطریقۃ المحمدیہ اور اس کی شرح الحدیقۃ الندیۃ میں اوصاف ذمیمہ کے ضمن میں بخل کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بخل، نفس انسانی کی وہ راسخ صفت ہے

---

(۱) الموافقات فی اصول الشریعۃ للعلامہ ابی اسحاق الشاطبی، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت ج ۲ ص ۱۱۔۸

(۲) تفسیر نسفی، (دار الکتاب العربی، بیروت) ج ۱ ص ۱۱۰

(۳) رد المحتار، باب المصرف ای مصرف الزکوۃ، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر، ج ۲ ص ۷۱۔۷۰

جس کی بنا پر انسان اس جگہ مال خرچ نہیں کرتا جہاں اس پر خرچ کرنا شرعاً واجب ہے مثلاً زکات، فطرانہ، بیوی اور قریبی رشتہ داروں کا نفقہ یا جہاں از راہ مروت خرچ کرنا ضروری ہے مثلاً نفلی صدقات، قریبی رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں کو تحائف پیش کرنا۔(۱)

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ حاجت سے زائد مال کونسا ہوگا؟ یعنی جہاں شریعت یا مروت کے لحاظ سے خرچ کرنا ضروری ہو وہاں خرچ کرنے سے جو مال بچ جائے وہ حاجت سے زائد ہے۔

نوٹ:۔اس سوال میں حاجت سے زائد مال کی تعیین مطلوب ہوئی چاہیے نہ کہ ضرورت سے زائد مال کی تعیین۔

۱۹۔ اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو بنیادی انسانی حقوق حاصل ہوں، دولت کے حصول کے مواقع اور ذرائع و وسائل سے استفادہ کا موقع ہر شخص کو حاصل ہو، کسی کی حق تلفی نہ ہو، کسی پر ظلم نہ ہو، جواب طلبی سے کوئی شخص مستثنیٰ نہ ہو، ہر شخص خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا جواب طلبی کر سکے، پھر جب نجی ملکیت کو اسلام نے تسلیم کیا ہے اور اسے تحفظ فراہم کیا ہے تو اقتصادی اعتبار سے تمام افراد برابر کس طرح ہو سکتے ہیں؟ ایک شخص محنت کرتا ہے دوسرا نہیں کرتا، ایک شخص اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل ہے دوسرا ان سے محروم ہے، تو مال و دولت میں سب کیسے برابر ہو جائیں گے؟ البتہ اسلامی حکومت کی کوشش ہوگی کہ پورا معاشرہ اعلیٰ سطح تک پہنچ جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کی زمینیں، مجاہدین میں تقسیم فرما دیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سواد عراق کی اراضی، شخصی ملکیت میں دینے کی بجائے ان کی آمدن مسلمانوں میں تقسیم فرمائی، معلوم ہوا کہ اسلام میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح اچھی زندگی گزارنے کا تصور موجود ہے۔

---

(۱) الحدیقۃ الندیہ، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ج ۲ ص ۲۸

۲۰۔ مثالی معاشرہ قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کتاب وسنت اور ائمۂ مجتہدین کے بیان کردہ احکام وقوانین کو پورے خلوص اور دیانت سے نافذ کیا جائے تمام تر فساد اسی لئے ہے کہ آج تک ملک پاک میں یہ قوانین نافذ نہیں کئے گئے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ومن اعرض عن ذکری فان له معيشةً ضنکا (طٰہٰ ۲۰/۱۲۴)

اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لئے تنگ زندگانی ہے۔

چند امور خاص طور پر توجہ طلب ہیں:

۱۔ زکوٰۃ وعشر کے نظام کو مؤثر بنایا جائے اور اموال ظاہرہ اور باطنہ کی زکات کی ادائی لازم قرار دی جائے۔

۲۔ قانون وراثت پر سختی سے عمل کرایا جائے، جب سے انگریز نے جاگیریں دی ہیں اس وقت سے وراثت کا قانون مناسخہ جاری کیا جائے، تو تمام جاگیریں خود بخود ختم ہو جائیں گی اور زرعی اصلاحات کی قطعاً ضرورت نہیں رہے گی۔

۳۔ ربا، قمار (سود اور جوا) پر مکمل پابندی عائد کی جائے اسی طرح ناچ اور گانے کے کاروبار کو ممنوع قرار دیا جائے۔

۴۔ اسراف پر سختی سے پابندی لگائی جائے، شادی بیاہ، جہیز، انتخابی اور ثقافتی تقریبات پر پابندی لگائی جائے کہ کوئی شخص اسراف کا مرتکب نہ ہو، ثقافت کے نام پر بھیجے جانے والے وفود پر پابندی لگائی جائے، سرکاری سطح پر غیر ضروری، غیر ملکی دورے ممنوع قرار دئے جائیں، اس سلسلے میں قانون حجر (پابندی) نافذ کیا جائے جس پر اکثر ائمہ کا اتفاق ہے کہ سلطان اور حاکم فساد کو روکنے کے لئے اسے نافذ کر سکتا ہے۔

۵۔ فائیو سٹار اور سیون سٹار ہوٹلوں کو ممنوع قرار دے کر انہیں عام قسم کے ہوٹلوں میں تبدیل کیا جائے کہ یہ اسراف اور عیاشی کے بڑے مراکز ہیں۔

۶۔ بنک کی جانب سے دیئے جانے والے بڑے بڑے قرضے ممنوع قرار دیئے جائیں اور چھوٹی صنعتوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۷۔ مزارعت پر پابندی عائد کی جائے، کسی بھی شخص کے پاس اتنی زمین رہنے دی جائے جسے وہ خود کاشت کر کے اپنی حاجت پوری کر سکتا ہو باقی فروخت کر دے۔

۸۔ جو مصنوعات ملک میں تیار ہوتی ہوں ان کی درآمد پر پابندی عائد کی جائے خصوصاً سامان آرائش اور تعیش کی درآمد ممنوع قرار دی جائے اس سلسلے میں ہندوستان کی مثال سامنے رکھی جائے کہ وہاں ہر چیز ملک میں تیار کی جاتی ہے اور اگر مشینری وغیرہ قسم کی کوئی چیز دوسرے ملک سے خریدی جاتی ہے تو اس کا فارمولا بھی ساتھ ہی خریدا جاتا ہے۔

۹۔ تنخواہوں کا خوفناک فرق، کم سے کم سطح تک لایا جائے۔

۱۰۔ ایسے تعلیمی ادارے قانوناً ممنوع قرار دیئے جائیں جہاں داخلے کا معیار صلاحیت نہیں بلکہ دولت ہے۔

۱۱۔ پبلک کو ترغیب دی جائے کہ امور خیر اور اہل حاجت کے لئے اپنی جائدادیں وقف کریں اور اپنے مال کے تہائی حصہ سے وصیت کریں۔

۱۲۔ حاجت مندوں کے لئے نفلی صدقہ دینے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو لازم قرار دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دوزخیوں سے پوچھا جائے گا:

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ (المدثر ۷۴/۴۲-۴۴)

تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔

یہ آیت اگرچہ کفار کے بارے میں ہے تاہم مسلمانوں کے لئے بھی اس میں درس عبرت موجود ہے۔

۱۳۔ حکومت، تجارت، زراعت اور صنعت کے ذریعے بھرپور نفع کما سکتی ہے۔

۱۴۔ نظام احتساب قائم کیا جائے جو ملاوٹ، کم تولنے، ذخیرہ اندوزی، رشوت ستانی اور تمام مخالف شریعت افعال پر کڑی نگرانی کرے اور مرتکب افراد پر قرار واقعی تعزیز جاری کر سکے۔

۱۵۔ نظام نماز قائم کیا جائے جو اسلامی حکومت کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۱۶۔ پوری قوم کو جہاد کے لئے تیار کیا جائے، بچے بچے میں جہاد کی روح پھونکی جائے اور جوانوں کے لئے فوجی تربیت لازمی قرار دی جائے۔

۲۱۔ اصطلاحِ شریعت میں نفقہ کہتے ہیں طعام، لباس اور رہائش کو دوسرے کا نفقہ جو کسی پر واجب ہوتا ہے تو اس کے تین سبب ہیں ❶ زوجیت ❷ قرابت ❸ مِلک۔

قرابت داروں میں چھوٹا بچہ ہے جو فقیر ہو اور جوان اولاد بشرطیکہ وہ کمائی نہ کر سکتا ہو، اسی طرح اصول کا نفقہ بھی واجب ہے جب کہ وہ فقیر ہوں اور اولاد صاحب نصاب ہو۔

اسی طرح فقیر ذی رحم محرم کا نفقہ بھی آدمی پر واجب ہے اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ذی رحم کمائی نہ کر سکتا ہو مثلاً اپاہج ہو، یا نابینا یا مخبوط الحواس ہو یا اسے کوئی کام ہی نہ آتا ہو یا طالب علم ہو، یہ نفقہ بقدر وراثت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ، اس لئے اسے مجبور کیا جائے گا۔

بدائع میں ہے کہ جو شخص قریبی محرم پر خرچ نہ کرے اسے مارا جائے گا اور قید نہیں کیا جائے گا۔(۱)

---

(۱) دیکھئے درمختار باب النفقہ (مطبع مجتبائی، دہلی) ج ۱ ص ۲۷۷۔۲۶۶

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ روٹی، کپڑا اور رہائش ہر شخص کا بنیادی حق ہے، رہی تعلیم تو وہ اتنی ہی ضروری ہے جس کی بنا پر ایک مسلمان خدا اور رسول (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کے مطابق زندگی بسر کر سکے۔ جو شخص کمائی کرنے سے عاجز ہو اس کا نفقہ اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار پر بقدر وراثت واجب ہے بشرطیکہ وہ خوشحال ہو اور اگر وہ ادا نہ کرے تو قانونی چارہ جوئی کی جائے۔

جو شخص کام کی اہلیت بھی رکھتا ہو اور اسے مواقع بھی میسر ہوں تو اس کا نفقہ اس کے رشتہ داروں پر واجب نہیں ہے اور وہ صدقہ کا مستحق بھی نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَاتَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍ وَّلَالِذِیْ مِرَّةٍ سَوِیٍ (۱)

''صدقہ مالدار کے لئے حلال نہیں اور نہ ہی تندرست اور توانا کے لئے حلال ہے۔''

۲۲۔ محلہ وار بااختیار اور بااثر افراد کی کمیٹیاں قائم کی جائیں جو اہل حاجت کو ان کے رشتہ داروں سے نان ونفقہ دلائیں جن پر شرعاً واجب ہے۔

۲۳۔ ہر شخص کو دولت کمانے کے برابر مواقع فراہم کرنے میں قرآن وسنت کے اصول کی مخالفت لازم نہیں آتی بلکہ یہ حکومت کی ذمہ داری ہے، مثلاً آٹھ گھنٹے کی شفٹ میں ایک لاکھ افراد کے کام کرنے سے ایک لاکھ افراد بیکار رہتے ہوں، تو چار چار گھنٹوں کی شفٹیں مقرر کر کے دونوں گروہوں کو موقع فراہم کیا جائے۔

۲۴۔ جائز طریقوں سے کمائی ہوئی دولت سے واجبات مالیہ اور حقوق واجبہ ادا کرنے کے بعد مفید حد تک زیب وزینت جائز بلکہ مستحسن ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا

(۱) ترمذی شریف، مطبوعہ کراچی ص ۱۱۸

تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ

(الاعراف ۷ آیت ۳۲۔۳۱)

اے اولاد آدم! اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو، بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں، تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق، تم فرماؤ کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہے دنیا میں اور قیامت میں خاص انہیں کی ہے ہم یوں ہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں علم والوں کے لئے۔

(کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز ادا کرتے وقت بعض اوقات ایک ہزار درہم اور بعض اوقات چار ہزار درہم مالیت کی چادر اوپر لی ہوئی تھی۔(۱)

یہ ضرور ہے کہ آرائش سے ریاکاری، یا تکبر اور افتخار مقصود نہ ہو، امام محمد، سیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس میں حرج نہیں کہ کوئی شخص اپنے گھر میں نقش و نگار بنائے اور اسے مضبوط بنائے۔'' اسی طرح اپنے گھر کو دیباج سے مزین کرسکتا ہے اور سونے چاندی کے برتن استعمال کے لئے نہیں آرائش کے لئے رکھ سکتا ہے۔ علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

وَذَكَرَ مُحَمَّدٌ فِي السِّيَرِ الْكَبِيْرِ لَا بَأْسَ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّنْقُشَ بَيْتَهٗ وَيُنَجِّدَهٗ وَيَتَجَمَّلَ بِالْاَوَانِيْ وَالثِّيَابِ وَلَا يَجْعَلُهٗ كَاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ وَلٰكِنْ يُؤَزِّرُ بِاَزْرَارِهٖ وَلَا بَاْسَ بِاَنْ يَّشْتَرِيَ الْخَادِمَ السَّرِيَّ وَالثَّوْبَ السَّنِيَّ وَلَهٗ اَنْ يُّزَيِّنَ بَيْتَهٗ بِالدِّيْبَاجِ يَتَجَمَّلُ بِالْاَوَانِيْ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ بِشَرْطِ اَنْ لَّا يُرِيْدَ بِهِ التَّفَاخُرَ وَالتَّكَاثُرَ لِاَنَّ فِيْهِ

(۱) الحدیقۃ الندیۃ ج ۲ ص ۵۳۷

اِظْهَارَ نِعَمِ اللّٰهِ تَعَالٰی کَذَا فِی الْمُجْتَبٰی (۱)

۲۵۔ اس مقصد کے لئے سوال نمبر ۲۰ کے جواب میں پیش کی گئی تجاویز پر عمل کیا جائے ان شاء اللہ العزیز تمام طبقات خوشحال زندگی بسر کرسکیں گے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اونچے طبقے کو اسراف اور عیاشی سے روکنا ہوگا، اس کے بغیر فلاحی مملکت کے قیام کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔

۲۶۔ اسلامی مملکت کے ذرائع آمدن درج ذیل ہیں:

زکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، قدرتی نعمتیں، تیل، گیس، معدنیات، جنگلات، تجارت زراعت، صنعت، اوقاف وغیرہ۔

حکومت کو چاہیے کہ اخراجات اتنے کم کیے جائیں کہ اپنے وسائل سے حاصل کردہ سرمائے سے کام چلایا جاسکے، تاہم اگر مفاد عامہ کے پیش نظر ضرورت ہو تو ٹیکس بھی لگایا جاسکتا ہے، فقہ اسلامی کا مشہور قاعدہ ہے کہ الجبایۃ بالحمایۃ وصولی کا دارومدار سہولتیں اور تحفظ فراہم کرنے پر ہے، لہذا سہولتوں کے اخراجات کے مطابق ٹیکس لگایا جاسکتا ہے۔

نوٹ: حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا علامہ مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان جوابات کے لئے راقم کی رہنمائی فرمائی اور اس پر تصدیقی دستخط بھی کیے۔

---

(۱) الحدیقۃ الندیۃ ج ۲ ص ۵۳۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زرعی اصلاحات کے سلسلے میں، ایک توجہ طلب پہلو

اسلامی نظام نے جائز شخصی ملکیت کا نہ صرف احترام کیا ہے بلکہ اس کا تحفظ بھی کیا ہے، جیسے کہ سوالات کے جوابات میں جگہ جگہ اس کی صراحت کی گئی ہے۔ زرعی اصلاحات کا تعلق چھوٹے زمینداروں سے نہیں بلکہ بڑے بڑے جاگیرداروں اور ریاستوں کے مالکوں سے ہے۔ جنہیں انگریزوں نے وفاداری اور اپنی قوم سے غداری کے صلہ میں الاٹ کیا تھا یا اسلامی سلطنتوں کی طرف سے انتظامی سلسلے میں ان کے سپرد کی گئی تھیں۔

پہلے ان زمینداروں کی حیثیت کا تعین ضروری ہے، ان کے متعلق دو ہی احتمال ہیں:

۱۔ یہ زمینیں جاگیرداروں اور نوابوں کی ملکیت قرار دی جائیں۔

۲۔ ان زمینوں کی اصل مالک تو حکومت ہو، لیکن نواب اور جاگیردار سلطان کے نائب ہونے کی حیثیت سے ان میں متصرف ہوں۔

پہلا احتمال اگرچہ نہایت ہی ضعیف ہے تاہم اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو ان جاگیروں کو تقسیم کرنے کا جواز دو طرح موجود ہے۔

۱۔ وراثت کے قانون مناسخہ کے طور پر، کہ جب سے ان زمینوں کی ملکیت ثابت ہوئی ہے اس وقت سے اب تک وراثت کے طور پر ان کی تقسیم نہیں ہوئی، لہذا ضروری ہے کہ اس وقت سے اب تک جتنے ورثاء ہوئے ہیں ان میں بطور مناسخہ یہ زمینیں تقسیم کی جائیں، جاگیرداری خود ختم ہو جائے گی۔

۲۔ احناف کے نزدیک، کفار اگر مسلمانوں کی املاک پر تسلط حاصل کر لیں تو مالک ہو جاتے ہیں، لیکن امام شافعی کے نزدیک وہ مالک قرار نہیں پاتے، مذہب شافعی کے

مطابق جب انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کیا تھا تو وہ مسلمانوں کی زمینوں اور جائدادوں کے مالک نہیں ہوئے تھے، جب وہ مالک نہیں بنے تو وہ کسی کو مالک بھی نہیں بنا سکتے تھے۔

یہ مسئلہ اجتہادی ہوا کہ جاگیردار، انگریزوں کی دی ہوئی جاگیروں کے مالک تھے یا نہیں اور اجتہادی مسئلے میں سلطان یا قاضی جو حکم دے وہ نافذ ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے بھی جاگیرداروں کی ملکیت، حاجت سے زائد جائداد سے کالعدم قرار دی جاسکتی ہے۔

دوسرے احتمال کے مطابق اگر جاگیرداروں اور نوابوں کو ان جاگیروں کا مالک قرار نہ دیا جائے بلکہ ان کو صرف نائبِ حکومت مانا جائے، جیسے کہ لفظ نواب سے ظاہر ہوتا ہے، نیز یہ جاگیریں وراثت میں تقسیم بھی نہیں ہوتیں، بلکہ بڑا لڑکا ان کا منتظم ہوتا ہے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ مالک نہیں بلکہ محض حکومت کی اجازت سے متصرف تھے، مسلمان حکمرانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جو علاقہ فتح ہوتا اسے سلطانی قرار دے کر، حکومتی خدمات کے عوض، مختلف خطے، مختلف لوگوں کے سپرد کر دیئے جاتے، تاکہ وہ اپنی اور اپنے ماتحت افراد کی حاجتیں پوری کر سکیں۔ اس صورت میں سلطان، ان زمینوں کو مستحق اور حاجت مند افراد میں تقسیم کر سکتا ہے، بقدر حاجت زمین ان جاگیرداروں کے پاس رہنے دے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

الحدیقۃ الندیۃ	از علامہ عبدالغنی نابلسی۔ ج ۲ ص ۳۷-۳۲
فتاویٰ رضویہ	از امام احمد رضا بریلوی، ج ۴ ص ۴۵۳
اسلام کا نظام اراضی	از مفتی محمد شفیع، ص ۱۱۰-۹۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصطفائی فاؤنڈیشن، پاکستان کے سوالات کے جوابات

نحمدهٗ ونصلي ونسلم على رسوله الكريم وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

امابعد!

محترم ومکرم جناب حمزہ مصطفائی صاحب زیدمجدہ، جنرل سیکرٹری مصطفائی فاؤنڈیشن پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج شریف

آپ نے اپنے مکتوب میں جو سوالات اٹھائے ہیں، بڑے اہم ہیں، آیندہ سطور میں مختصر طور پر ان کے جوابات عرض کروں گا۔

۱۔ آپ نے دریافت کیا ہے کہ موجودہ نظامِ ٹیکس اسلام کے مزاج اور افکار سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

اس کا واضح جواب یہ ہے کہ ٹیکس کا نظام، اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے نظامِ اسلام کا فارمولا یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر نہ رہ جائے، اسے گردش میں رہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ (الحشر ۵۹/۷)

تاکہ سرمایہ تمہارے مالداروں کے درمیان گردش نہ کرتا رہے۔

موجودہ نظام کا کرشمہ یہ ہے کہ مالدار کروڑوں، اربوں میں کھیل رہے ہیں اور غرباء کو اپنے بچوں کا تن ڈھانپنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ بڑے بڑے آفیسر چالیس پچاس ہزار روپے تک تنخواہ پاتے ہیں اور غریب عوام ڈیڑھ دو ہزار میں گزر بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

صرف ٹیکس کے نظام کی اصلاح سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا، اس کے لئے پورے

نظام کو بدلنا ہوگا۔ سود کا خاتمہ کرنا ہوگا، نظامِ تعلیم کو بدلنا ہوگا، جس وقت تک ہمارے دلوں پر خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کی حکمرانی نہیں ہوگی اس وقت تک ہمارے اخلاق و کردار میں انقلاب نہیں آسکتا، ہوسِ زر، رشوت ستانی، اقربا پروری، صرف اپنی پارٹی پر نوازشات کا سلسلہ، غبن اور غداری کا خاتمہ نہیں ہوسکتا اور بلا امتیاز غریب پروری کا جذبہ فروغ نہیں پا سکتا، حکومت کو چاہیے کہ جس قدر عوام کی خدمت کرے اور جتنا انہیں ریلیف دے، اس کے مطابق بوقت ضرورت ٹیکس لگائے، لیکن یہاں تو سرچارج، اضافی سرچارج، انکم ٹیکس اور سیلز ٹیکس نے عوام کی زندگی اجیرن کر دی ہے، اس کا کیا جواز ہے؟

پاکستان میں شادی بیاہ کی تقریبات میں بے تحاشا اخراجات اور دولت کی نمود و نمائش پر پابندی عائد کر کے اچھا قدم اٹھایا گیا ہے، لیکن فائیو سٹار ہوٹلوں پر پابندی عائد کیوں نہیں کی جاتی، غرباء کے بچوں کی تعلیم کے لئے الگ سکول اور کالج ہیں اور امراء کے بچوں کے الگ، اس تفریق کا خاتمہ کیوں نہیں کیا جاتا؟ — بنکوں، پرائز بانڈ ڈیلروں اور انعامی بانڈ کی پرچیوں کا کاروبار کرنے والوں نے ہوسِ زر کے پٹرول کو دیا سلائی دکھائی ہوئی ہے، ٹی وی، ڈش انٹینا، کیبل، ڈائجسٹ ٹائپ رسائل اور اخبارات عریانیت، فحاشی اور بے حیائی کو فروغ دے کر جنسی ہوس کو بامِ عروج تک پہنچا دیا ہے جس کے نتیجے میں عصمت دری، ریپ اور قتل کی وارداتوں میں بے تحاشا اضافہ ہوگیا، اس کا سدباب کیوں نہیں کیا جاتا؟

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ہے:

اُدْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَافَّۃً وَّلَاتَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے نشانوں کی پیروی نہ کرو۔

اس ارشاد گرامی کے مطابق عام آدمی سے لے کر اربابِ اقتدار تک سب کو نظامِ مصطفیٰ کے اپنانے کی ضرورت ہے، ٹی وی اور اخبارات و رسائل کے ہیجان انگیز

پروگراموں اور مناظر ختم کرنے کی ضرورت ہے، آخر کب تک ہم شیطان کے اشاروں پر چلتے رہیں گے؟

۲۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے ''فقہ الزکوٰۃ'' میں جن مدات پر زکوٰۃ کے لاگو ہونے کا ذکر کیا ہے، آج بھی ان پر زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے، ٹی وی، اخبارات اور جرائد میں اس کی تشہیر ہونی چاہیے، تاکہ جن مدّوں سے حکومت زکوٰۃ وصول نہیں کرتی، مسلمان ان میں سے خود زکوٰۃ ادا کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے ان مدات کا احاطہ کیا ہے، مزید مدات نہیں ہیں، اس سلسلے میں ڈاکٹر مفتی غلام سرور قادری کی تصنیف ''معاشیات نظامِ مصطفےٰ'' کا مطالعہ کیجئے۔

۳۔ قرآن پاک میں زکات کے آٹھ مصارف کا ذکر کیا گیا ہے، جن میں سے موکفۃ القلوب کے منسوخ ہونے پر صحابۂ کرام کا اجماع ہے، باقی رہے سات مصارف، ان کی وہی تشریح ہے جو ائمۂ مجتہدین نے بیان کی ہے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ''وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا'' سے مراد محض زکات وصول کرنے والے لوگ نہیں، بلکہ اس سے مراد پوری حکومتی مشینری ہے۔'' کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مصارف کا بیان ''حرف لام'' سے فرمایا ہے جو اختصاص کا معنی دیتا ہے، اب اگر صدقات واجبہ کا دوسرے لوگوں پر بھی صرف کرنا جائز ہو تو اختصاص باطل ہو جائے گا، اور ظاہر ہے کہ پوری حکومتی مشینری ''اَلْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا'' میں داخل نہیں ہے۔

ملک العلماء امام علاء الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے مذکورہ قسموں کے لئے صدقات حرف لام کے ساتھ بیان کئے ہیں، اور یہ حرف اختصاص کے لئے ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ قسمیں صدقات کی مستحق ہونے کے لئے مخصوص ہیں۔ اگر ان کے ماسوا پر بھی صدقات کا صرف کرنا جائز ہو تو اختصاص باطل ہو جائے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔ (۱)

(۱) بدائع الصنائع، طبع کراچی ج ۲ ص ۴۴

اسی طرح یہ کہنا کہ "فی سبیل اللہ" سے مراد صرف دفاعی جنگ ہے، بلکہ رفاہ عامہ کے کام بھی اس کی ذیل میں آتے ہیں، صحیح نہیں ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

"فی سبیل اللہ" سے مراد وہ مجاہدین ہیں جن کے پاس خرچ ختم ہو جائے، یہ امام ابو یوسف کا قول ہے، امام محمد فرماتے ہیں وہ حجاج مراد ہیں جن کے پاس خرچ نہ رہے، فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ اس سے مراد طلباء علم ہیں، اور صرف ان پر اکتفاء کیا، بدائع میں بیان کیا کہ تمام کار ہائے خیر کرنے والے مراد ہیں، اس میں ہر وہ شخص داخل ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں کوشش کرے، بشرطیکہ محتاج ہو (البدائع) مخفی نہ رہے کہ ہر صورت میں فقیر کی قید ضروری ہے۔ (۱)

امام ملک العلماء کاسانی فرماتے ہیں

"آیت مبارکہ صدقات کے مواضع، مصارف اور مستحقین کے بیان کے لئے لائی گئی ہے، مستحقین کے نام اگرچہ مختلف ہیں تاہم سب میں استحقاق کا سبب ایک ہے اور وہ ہے محتاج ہونا، ہاں عاملین اس سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ مالدار ہونے کے باوجود محنت کے معاوضے کے مستحق ہیں، ان کے لئے سبب استحقاق محنت ہے۔ (۲)

"فی الرقاب" سے مراد وہ غلام ہیں جنہیں ان کا آقا یہ کہے کہ اتنی رقم لا کر دو تو تم آزاد ہو گے۔ امام ابن نجیم فرماتے ہیں:

زکوٰۃ و صدقات سے مکاتب کی گردن آزاد کرانے کے سلسلے میں امداد کی جائے گی، یہی اللہ تعالیٰ کے فرمان "وفی الرقاب" سے مراد ہے، یہی تفسیر

---

(۱) البحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۰ (۲) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۴

حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور دیگر حضرات سے منقول ہے جیسے
کہ تفسیر طبری میں ہے۔(۱)

اس لئے اس مد سے ملکی اور قومی قرض ادا نہیں کیا جا سکتا، اس قرض میں تو تمام امیر
اور غریب شامل ہیں۔

۴۔ کرنٹ اکاؤنٹ سے زکوٰۃ کاٹی جانی چاہیے، کیونکہ تاجر حضرات تو عموماً اسی میں
رقم جمع کرواتے ہیں تاکہ جب چاہیں اور جتنی دفعہ چاہیں رقم نکلوالیں۔

۵۔ ٹیکس کم کرنے کے لئے چند تجاویز یہ ہیں:

ا۔ حکومت اور سرکاری عملے کے اخراجات کم کئے جائیں۔

۲۔ ٹیکس کی وصولی کے لئے دیانت دار عملہ معین کیا جائے۔

۳۔ حکومت منافع بخش شعبوں میں سرمایہ کاری کرے۔

۲ رمحرم ۱۴۲۰ھ
۲۰ راپریل ۱۹۹۹ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری
ناظم شعبہ تعلیم وتربیت
جماعت اہل سنت پاکستان

---

(۱) البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۱

دعوتِ اسلامی کی تبلیغی کوششیں
لائق صد ہزار تحسین ہیں

ہمارے لئے یہ امر باعث فخر اور وجہ سعادت ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور نبی کریم ﷺ کے امتی اور غلام ہیں، لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا صرف زبان سے کلمہ طیبہ پڑھ لینا کافی ہے اور کیا ہمیں اس بات پر مطمئن ہو جانا چاہیے کہ ہمارا نام مسلمانوں والا ہے، ہم محفل میلاد منعقد کرتے ہیں، ہم گیارہویں شریف مناتے ہیں اور بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضر ہوتے ہیں اور چادریں چڑھاتے ہیں؟ آیئے قرآن پاک کا مطالعہ کرتے ہیں اس سلسلے میں قرآن پاک ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> اے ایمان والو! پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ (البقرہ:۲/ ۲۰۸)

الحمد للہ! دعوتِ اسلامی نے مسلمانوں کو اسی سبق کی یاددہانی کرائی ہے کہ مسلمانو! تمہاری دنیا و آخرت کی کامیابی حضور سید الانبیاء، حبیب کبریا ﷺ کے نقش قدم پر چلنے، آپ ﷺ کی تعلیمات اور سنتوں پر عمل پیرا ہونے میں ہے اور کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا محمد الیاس قادری امیر دعوت اسلامی اپنے مشن میں کامیاب اور سرخرو ہیں۔ پوری دنیا میں لاکھوں افراد دعوت اسلامی سے وابستہ ہیں۔ ان کی شکل وصورت، لباس، وضع قطع اور شب و روز کے معمولات دیکھئے آپ کو حیرت آمیز خوشی ہوگی اور احساس ہوگا کہ اسلام علمی، عملی اور اخلاقی لحاظ سے جیسے افراد تیار کرنا چاہتا ہے یہ لوگ اس کے چلتے پھرتے نمونے ہیں۔ آج جب کہ ہر طرف فسق و فجور کا دور دورہ ہے اور لوگ شیطان کے نقش قدم پر چلنے میں فخر محسوس کرتے ہیں کسی ایک شخص کو نماز کا پابند بنا دینا، اس کے چہرے کو سرکار دو عالم ﷺ کی سنت

داڑھی اور پگڑی کے ساتھ سجا دینا آسان نہیں ہے۔ جب کہ دعوت اسلامی نے بلا مبالغہ لاکھوں نوجوانوں کو حضور سید عالم ﷺ کی تعلیمات اور سنتوں کا پابند بنا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات اور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کے بعد اگر یہ حضرات محفل میلاد، محفل نعت یا محفل گیارہویں شریف منعقد کرتے ہیں تو یہ بڑی سعادت کی بات ہے۔

دعوت اسلامی کا ایک عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ اس مبارک تنظیم نے پورے ملک میں سوا دو سو مدارس قائم کئے ہیں جن میں ہزاروں طلبہ حفظ و ناظرہ اور تجوید قراءت کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ دعوت اسلامی کے زیر اہتمام درس نظامی کے متعدد مدارس بھی قائم ہیں ان مدارس کا نہ صرف نظم و نسق، نظام تعلیم و تربیت شاندار ہے بلکہ ان مدارس کے طلباء بہتر قابلیت کے حامل بھی ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ شعوری طور پر میدانِ تعلیم میں آتے ہیں اور پوری محنت کے ساتھ پڑھتے ہیں، اساتذہ بھی اسلامی سپرٹ کے ساتھ پڑھاتے ہیں اور اپنے شاگردوں کو صرف تعلیم دینے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ تربیت کے سانچے میں بھی ڈھال دیتے ہیں۔

یکم جولائی ۲۰۰۵ء کو صحرائے مدینہ کراچی میں مدرسۃ المدینہ کی تقسیم اسانید کے جلسے میں راقم کو شریک ہونے کا موقع ملا، جس میں تقریباً چھ سو بچوں کو سندیں دی گئیں۔ تقریباً بیس ہزار سامعین کا جم غفیر تھا، سب سبز عماموں سے آراستہ اور بہت سے لوگ سبز جھنڈے اُٹھائے ہوئے تھے۔ جب نعت یا کسی اسلامی بھائی کا خطاب سن کر سامعین جھوم جھوم کر سبز جھنڈے لہراتے تو یوں معلوم ہوتا کہ گلشن اسلام کی فصل بہار لہلہا رہی ہے۔

اس پروگرام میں برکاتی فاؤنڈیشن کی طرف سے کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر، لاہور کے مولانا علامہ محمد صدیق ہزاروی حفظہ اللہ اور راقم الحروف کو مدرسۃ المدینہ اور برکاتی فاؤنڈیشن کی طرف سے خصوصی ایوارڈ دیا گیا، یہ نقشۂ نعل پاک ہے جسے شیشے کے فریم میں محفوظ کیا گیا ہے، اس پر سونے کا کام کیا گیا ہے اور موتی جڑے ہوئے ہیں، اس کے علاوہ

مسلک اہل سنت کی علمی خدمات کی بنا پر راقم کو ''گولڈ میڈل'' بھی دیا گیا۔

یاد رہے کہ پورے ملک میں برکاتی فاؤنڈیشن کے بھی سوا دو سو مدرسے کام کر رہے ہیں۔ فاؤنڈیشن ان مدارس کی سرپرستی کر رہی ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام علماء ومشائخ اور برادرانِ اہل سنت باہمی اختلافات بھلا کر ایک پلیٹ فارم پر مجتمع ہو جائیں اور آنے والے گمراہی اور لادینیت کے سیلاب کے آگے سدِ سکندری بن جائیں اس مقصد کے لیے ''دعوت اسلامی'' کا پلیٹ فارم بڑا موزوں ہے۔

روزنامہ آفتاب، لاہور/ ملتان ۲۳ رتمبر ۲۰۰۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی جہاد اور اس کا نصب العین

۱۱ر ستمبر 2001ء کو امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ ہوا، ایک سو دس منزلوں پر مشتمل دو سنٹر تھے، یکے بعد دیگرے اٹھارہ منٹوں کے وقفے دے دو بوئنگ طیارے ان سنٹروں سے ٹکرائے، جس کے نتیجے میں یہ دونوں فلک بوس عمارتیں زمیں بوس ہو گئیں۔ ایک گھنٹے کے بعد دارالحکومت واشنگٹن ڈی سی میں ایک بوئنگ طیارہ امریکی محکمہ دفاع کے ہیڈ کوارٹر پینٹا گون سے جا ٹکرایا اور اس کے ایک حصے کو تباہ کر دیا۔

ظاہر ہے یہ اتفاقی حادثہ نہیں تھا، اس کے پیچھے بہت ہی طاقتور اور بہت ہی منظم گروہ کارفرما تھا، اس عظیم حادثے کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا حقائق واضح طور پر اسرائیل کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، پانچ ہزار اسرائیلی ان سنٹروں میں کام کر رہے تھے جب کہ حادثے کے وقت ان میں سے ایک بھی موجود نہیں تھا، اگر انہیں پیشگی علم نہیں تھا تو وہ بیک وقت سارے کے سارے کیسے غائب ہو گئے؟۔

امریکہ کی معاشی اور اقتصادی شہ رگ یہودیوں کے قبضے میں ہے اس لئے امریکی دانشوروں نے ان کی طرف اشارہ کرنے کی بجائے اس حادثے کی تمام تر ذمہ داری اسامہ ابن لادن پر ڈال دی اور اسے بنیاد بنا کر افغانستان پر چڑھائی کر دی اور ملا عمر کی حکومت ختم کر کے حامد کرزئی کو وہاں کا حکمران بنا دیا گیا۔

پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے منظم اور بھرپور انداز میں مسلمانوں کو دہشت گرد اور اسلام کو دہشت گردی کا دین قرار دیا گیا، جہاد کو دہشت گردی کا پروگرام قرار دینے پر تمام توانائیاں صرف کر دی گئیں، اس مسلسل پروپیگنڈے کا اثر یہ ہوا

کہ امریکہ اور مغربی ممالک کی فضائیں مسلمانوں کے لئے مسموم ہو گئیں۔

اس ماحول میں ضروری ہے کہ اس حقیقت کی وضاحت کی جائے کہ اسلامی جہاد کا مقصد اور نصب العین کیا ہے؟ آیندہ صفحات میں اسی مقصد کی وضاحت کی کوشش کی گئی ہے۔

جہاد کا لغوی معنیٰ

لغت میں لفظِ جہاد، مجاہدہ اور اجتہاد جَہد" یا جُہد" سے مشتق ہے اور ان کا معنی ہے کسی مقصد کے لئے پوری طاقت کا صرف کر دینا۔ (المنجد اردو ترجمہ ص ۱۷۲)۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

الجهادو المجاهَدَةُ اِسۡتِفۡرَاغُ الۡوُسۡعِ فِیۡ مُدَافَعَةِ الۡعَدُوِّ

(المفردات: ۱۰۱)

جہاد اور مجاہدہ کا معنی ہے دشمن کے دفاع میں پوری کوشش صرف کر دینا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا

اور وہ لوگ جو ہمارے راستے میں پوری کوشش صرف کریں گے۔ ہم انہیں اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے۔

جہاد کا شرعی اور اصطلاحی معنی

ائمہ دین نے مختلف الفاظ میں جہاد کے مطلب کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔

علامہ ابن کمال باشا نے فرمایا:

انه بَذۡلُ الۡوُسۡعِ فِی الۡقِتَالِ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ مُبَاشَرَةً اَوۡ مُعَاوَنَةً بِمَالٍ اَوۡ رَاۡیٍ اَوۡ تَکۡثِیۡرِ سَوَادٍ اَوۡ غیر ذٰلِکَ [1]

(۱) علاء الدین الحصکفی، امام: درمختار عربی (طبع مجتبائی) ۱/۳۳۹

جہاد کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ میں پوری توانائی صرف کرنا، یا تو براہِ راست جنگ میں حصہ لے کر یا مال سے امداد دے کر یا فکری اعتبار سے راہنمائی کر کے یا مجاہدین کے ساتھ شامل ہو کر ان کی تعداد میں اضافہ کر کے یا اس کے علاوہ۔

صاحبِ درِمختار فرماتے ہیں کہ سرحدوں پر پہرہ دینا بھی جہاد کے حکم میں ہے۔

مجاھدہ کا اصطلاحی معنیٰ

اصطلاحی طور پر مجاہدہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک خاص دشمن (یعنی نفس) کے دفاع کے لئے اپنی توانائیاں صرف کرنا، نفس چاہتا ہے کہ انسان قبیح اور برے اوصاف سے موصوف ہو، اگر انسان اپنی تمام توانائیاں برے اوصاف وافعال سے بچنے اور اچھے اوصاف وافعال کے اختیار کرنے پر صرف کر دے تو اسے مجاہدہ کہیں گے، اسے جہادِ اکبر بھی کہا گیا ہے، کیونکہ باہر کے دشمن سے مقابلہ کرنا پھر آسان ہے لیکن اندر کے دشمن سے مقابلہ کرنا مشکل ہے۔

اجتھاد

شریعت اسلامیہ میں بعض جزئیات کے احکام قرآن وحدیث میں بیان کر دئے گئے ہیں اور بعض جزئیات کے احکام بیان نہیں کئے گئے، مجتہد (قرآن وحدیث اور دیگر ضروری علوم کا ماہر عالم) خداداد صلاحیت سے کام لے کر پہلی قسم کی جزئیات میں غور وفکر کر کے قدر مشترک کی بنا پر دوسری جزئیات کا حکم معلوم کرتا ہے اسی کو اجتہاد کہتے ہیں۔

جھاد کی قسمیں

ابن کمال باشا کی تعریف کے مطابق جہاد کی درج ذیل قسمیں سامنے آتی ہیں:

ا ـــــ **جانی جھاد**: یعنی آدمی خود جہاد میں حصہ لے چاہے دشمن کو مار دے یا اس کے ہاتھوں مارا جائے، پہلی صورت میں غازی اور دوسری صورت میں شہید کہلائے گا۔

۲۔ **مالی جہاد** : آدمی خود جہاد نہیں کرتا، لیکن مجاہدین کو سرمایہ، سواری، ہتھیار یا خوراک مہیا کر دیتا ہے۔

۳۔ **فکری جہاد** : ایک تجربہ کار اور ماہر جنگ کمانڈر پیچھے بیٹھ کر فوج کو ہدایات دیتا ہے جن کی بنا پر سپاہی لڑتے ہیں اور کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

۴۔ **لسانی جہاد** : برائی کے راستے کو زبان کی قوت اور زور بیان سے روکنا، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اسے ہاتھ سے منع کرے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے منع کرے اور اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا تو دل سے برا جانے اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ پہلی قسم حکمرانوں کا جہاد ہے، دوسری قسم علماء کا جہاد ہے اور تیسری قسم عوام کا جہاد ہے۔

۵۔ **قلمی جہاد** : قلم کی قوت کو برائی اور فتنہ و فساد کے خلاف استعمال کرنا، کہتے ہیں کہ جہاں شمشیریں کام نہیں آتیں وہاں تحریریں کام آجاتی ہیں۔

۶۔ **تعدادی جہاد** : جو آدمی کسی طرح کا جہاد نہیں کرسکتا وہ مجاہدین کے ساتھ میدانِ جنگ میں پہنچ جائے، ایسے افراد کی شمولیت کا یہ فائدہ ہوگا کہ مجاہدین کی تعداد زیادہ دکھائی دے گی، ایک حدیث شریف میں ہے: مَنْ کَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جو شخص کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے وہ بھی ان میں سے ہے۔

۷۔ **جغرافیائی سرحدوں کا پہرہ** : اسلامی ملک کی جغرافیائی سرحدوں کا پہرہ دینا بھی جہاد ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ سرحدوں کے محافظ کی ایک نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کے برابر اور ایک درہم خرچ کرنے کا ثواب سات سو دراہم خرچ کرنے کے برابر اور اگر پہرہ دیتے ہوئے فوت ہو جائے تو اسے اس عمل کا ثواب اور رزق ملتا رہے گا، فتنۂ قبر سے محفوظ رہے گا، بحیثیت شہید اٹھایا جائے گا اور قیامت کے دن فزع اکبر سے محفوظ رہے گا۔(۱)

۱۔ علاء الدین حصکفی، امام: درمختار عربی (مجتبائی) ۱/۳۳۹

۸۔۔۔ **نظریاتی سرحدوں کا پہرہ** : اسلامی عقائد و نظریات کی قوم کے نونہالوں کو تعلیم دینا اور مخالفین کے اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دینا، یہ علماء و مشائخ، مسلمان صحافیوں، یونیورسٹیوں اور کالجوں کے اساتذہ کا کام ہے، نظریاتی سرحدوں کا پہرہ دینا جغرافیائی سرحدوں کے پہرے سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ نظریاتی سرحدیں محفوظ رہیں گی تو جغرافیائی سرحدوں پر پہرہ دینے کی ضرورت رہے گی ورنہ ملکی سرحدوں کی حفاظت بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گی۔

جہاد کی ایک اور تقسیم

جہاد کی دو قسمیں ہیں:

۱۔۔۔ **مدافعانہ جہاد** :اگر کفار مسلمانوں کے ملک پر حملہ کر دیں، یا قافلے پر حملہ کر دیں یا مسلمانوں کو قید کر کے انہیں مظالم کا نشانہ بنائیں تو ان کے ساتھ جنگ کرنا دفاعی جہاد ہے۔

۲۔۔۔ **جارحانہ جہاد** : یہ ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے، مسلمان ان کے ملک یا قلعے کے دروازے پر دستک دیتے ہیں اور انہیں دعوت دیتے ہیں کہ اسلام لے آؤ اگر وہ قبول کر لیں تو سبحان اللہ! ورنہ انہیں کہا جائے گا کہ تم جزیہ دینا قبول کر لو اگر قبول کر لیں تو عدل و انصاف میں وہ مسلمانوں کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے اور اسے بھی قبول نہیں کرتے تو پھر انہیں جنگ کی دعوت دی جائے گی اور انہیں کہا جائے گا کہ جنگی ہتھیار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے۔[1]

امام علامہ محمد بن عبداللہ تمرتاشی غزی نے تصریح کی ہے:

(ولا) یحل لنا ان (نقاتل من لاتبلغه الدعوة الی الاسلام)[2]

---

[1] محمد بن عبداللہ التمرتاشی، امام: تنویر الابصار مع درمختار (مجتبائی) ۱/۳۴۰

[2] ایضاً: ۱/۳۴۰

جسے اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اس کے ساتھ جنگ کرنا ہمارے لئے جائز نہیں ہے۔

اسلامی جہاد کا نصب العین

تفصیل میں جانے سے پہلے مختصر طور پر یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی جہاد کا مقصد کسی ملک کا فتح کرنا، دولت اور خزانے پر قبضہ کرنا، کسی عورت کا حاصل کرنا یا ذاتی غیظ و غضب اور انتقام کی آگ کو بجھانا نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کی حاکمیت قائم کرنا، فتنہ و فساد دہشت گردی اور شرک و کفر ختم کر کے اس دھرتی کو امن و سکون اور عدل و انصاف کا گہوارہ بنانا ہے۔

ا۔ قیام امن:

جہاد کا ایک اہم فارمولا یہ ہے کہ اگر دشمن صلح کی درخواست کرے تو اسے قبول کر لینا چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (الانفال: ۸/۶۱)

اور اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں بے شک وہ خوب سننے جاننے والا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی دشمن ہتھیار ڈال دے اور صلح کا طلب گار ہو تو اس کے خلاف جنگ کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا۔ (النساء: ۴/۹۰)

پس اگر وہ تم سے جدا ہو جائیں اور تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں اور

تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان کے خلاف کوئی راستہ نہیں بنایا۔

مختصر یہ کہ اسلامی جہاد کا مقصد دشمنوں کا خون بہائے جانا اور انہیں تہ تیغ کئے جانا نہیں ہے اگر وہ آمادۂ صلح ہیں تو ''جیو اور جینے دو'' کے آفاقی قانون کے مطابق ان سے صلح کرلو۔

۲۔ شرک کا خاتمہ:

اسلامی جہاد کا ایک اہم مقصد فتنے کا استیصال ہے، فتنے سے مراد شرک ہے، کون نہیں جانتا کہ تمام آسمانی ادیان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقیدے کے اثبات اور شرک کے ختم کرنے پر متفق ہیں، ارشاد ربانی ہے:

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (آل عمران: ۳/۶۴)

آپ فرمادیجئے اے اہل کتاب! آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے، اور وہ یہ کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے۔

اس بیان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ شرک کو روکنے پر قرآن پاک، تورات اور انجیل تینوں متفق ہیں۔ اور شرک اتنا بڑا جرم اور اتنا بڑا فتنہ ہے کہ ناقابلِ معافی ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا۔ (النساء: ۴/۴۸)

بے شک اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور شرک سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑے گناہ کا بہتان باندھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔

(البقرۃ:۲/۱۹۳)

مشرکوں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (نظامِ زندگی) صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔

اور یہ بات عقل میں بھی آتی ہے کہ جب تمام کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے تو خدا کی خدائی میں حکم بھی تو اسی کا چلنا چاہیے، اور اس مقصد کے لئے کوشش کرنا ہر اس شخص کا فریضہ ہے جو وجودِ باری تعالیٰ کو مانتا ہے اور اسی عظیم مقصد کے لئے اسلام نے مسلمانوں پر جہاد فرض کیا ہے۔

نبی رحمت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ۔

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کروں یہاں تک کہ وہ کلمۂ طیبہ پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کریں۔

امام بخاری مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے:

مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی دیں۔

امام سیوطی نے جامع صغیر میں فرمایا کہ یہ حدیث متواتر ہے[1]

---

(۱) اسمٰعیل بن محمد عجلونی، امام: کشف الخفاء ۱/۱۹۴

۳۔۔۔ غلبۂ دین حق

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔(الصّف:۶۱/۹)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین اسلام کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین ناپسند ہی کریں۔

اور واقعی اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو ہر میدان میں غلبہ عطا فرمایا، خواہ وہ میدانِ حرب ہو یا میدان علم و استدلال، چشم فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ خطۂ عرب سے اٹھنے والے مجاہدین نے اس وقت کی دو سپر طاقتوں کو مختصر عرصے میں روند ڈالا، بعد میں جوں جوں ایمانی کمزوری پیدا ہوتی گئی توں توں پسپا ہوتے گئے اور کفار دلیر ہوتے گئے۔

۴۔۔۔ انسدادِ ظلم کے لئے جہاد

جہاد کا ایک اہم ترین مقصد مظلومین کو پنجۂ ظلم سے رہا کرانا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا۔(النساء:۴/۷۵)

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کی آزادی کے لئے جنگ نہیں کرتے جو فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

عرب کے تاریک زمانوں میں بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا، عورتوں کو مرنے والے کے وارث اپنی ملکیت تصور کرتے تھے، عورتوں کو حق وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا، دریائے نیل ایک خاص وقت بند ہو جاتا تھا اور اس وقت تک جاری نہیں ہوتا تھا جب تک کہ دوشیزہ اس کی بھینٹ نہیں چڑھائی جاتی تھی، یہ اسلام ہی تھا جس نے ان مظالم کا خاتمہ کیا، انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائی، بلکہ انسان کو مٹی اور پتھر کے بے جان، بے شعور اور بے اختیار بتوں کی عبادت سے رہائی دلائی۔

ایک دوسری جگہ رب کریم ارشاد فرماتا ہے:

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ۔ (الحج:۲۲/۴۰_۳۹)

ان مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی گئی جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بنا پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی امداد پر قادر ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے۔

۵ — دفاع مملکت

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

روز اول سے کفار اور مشرکین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کمر بستہ رہے ہیں، مکہ مکرمہ میں اسلام لانے والوں بلکہ خود ہادئ اسلام، نبی امن اور پیغمبر رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف مشرکین کے مظالم کی طویل داستان ہے، جب سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو بھی ان کی چیرہ دستیوں کا سلسلہ جاری

رہا، مدینہ منورہ میں رہنے والے یہودیوں اور منافقوں کو دھمکیاں دی گئیں کہ اگر تم نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کی تو ہم تم پر حملہ کر دیں گے۔

اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا (البقرہ:۲/۱۹۰)

اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔

دفاعی جنگ کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، فارسی کا ایک مقولہ ہے:

''تنگ آمد بجنگ آمد''

جب آدمی تنگ آجاتا ہے اور اس کے لئے کوئی راستہ نہیں رہتا تو وہ مجبوراً جنگ کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

کَسِنَّوْرٍ مَغْلُوبٍ يَصُولُ عَلَى الْكَلْبِ

بلی جب مغلوب ہو جاتی ہے تو کتے پر حملہ کر دیتی ہے۔

۶۔ معاہدہ توڑنے کی سزا

دو قوموں کے درمیان معاہدہ دونوں کے لئے مفید ہوتا ہے، اگر ایک فریق معاہدے کو توڑ دے تو اسے راہ راست پر لانے کے لئے ہتھیار کا اٹھانا ضروری ہو جاتا ہے، علامہ اقبال کہتے ہیں: ع

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ۔ (التوبۃ:۹/۱۲)

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین پر

طعنہ زنی کریں تو تم کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو، بے شک ان کی قسموں کی کوئی حیثیت نہیں ہے تاکہ وہ اپنی شرانگیزی سے واپس آ جائیں۔

۷۔۔۔۔جہاد فی سبیل اللہ

دنیا میں اکثر غیر اسلامی جنگیں توسیع پسندانہ عزائم کے تحت لڑی گئی ہیں، کہیں ذاتی غیظ وغضب کی تسکین مقصود تھی، کہیں کسی ملک کو اپنی مملکت میں شامل کرنا مقصد تھا، کہیں اہل حق کا خاتمہ مقصود تھا، بعض جنگیں کسی عورت کو حاصل کرنے کے لئے لڑی گئیں۔ کہیں دوسرے ملک کے تیل اور اس کی معیشت پر قبضہ کرنا مقصود تھا، یہ سب فی سبیل الطاغوت (شیطان کے راستے میں) جنگیں تھیں، جب کہ اسلامی جہاد صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے دین کی سربلندی کے لئے ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ ایک شخص مال غنیمت کے لئے جنگ کرتا ہے، دوسرا اس لئے کہ اس کا تذکرہ کیا جائے اور تیسرا اس لئے اپنی بہادری کا مظاہرہ کرے، ان میں سے فی سبیل اللہ کون ہے؟

فرمایا:

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[1]

جو شخص اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمۂ توحید ہی بلند ہو تو وہ فی سبیل اللہ ہے۔

خلاصۂ کلام

اسلامی جہاد کا نصب العین روئے زمین کو فتنہ وفساد اور دہشت گردی سے پاک کر کے اسے امن وامان کا گہوارہ بنانا ہے۔

---

(۱) محمد اسمٰعیل بخاری، امام: بخاری شریف عربی۔ ۳۹۴/۱

ارشادِ ربانی ہے:

فَقَاتِلُوْا اَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيْفًا۔

(النساء:۴/۷۶)

تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے۔ شیطان کے دوست کون ہیں؟ مشرکین، کفار، ڈاکو، چور، زانی، شرابی، قاتل، سود خوار، اور دیگر جرائم پیشہ لوگ۔

ایک طرف مشرکین اور کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے تو دوسری طرف ڈاکوؤں (دہشت گردوں) کو ان کے جرائم کے مطابق قتل کرنے، سولی پر لٹکانے یا جلاوطن کرنے کا حکم ہے، جرم ثابت ہو اور شرائط پوری ہو جائیں تو چور کا ہاتھ کاٹنے، قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کرنے، زانی کو بعض صورتوں میں سنگسار کرنے اور بعض صورتوں میں کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سود کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ تم اصل مال لے سکتے ہو سود کسی صورت نہیں لے سکتے، سود لینے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ قرار دیا گیا ہے۔

یاد رہے کہ دنیا میں فتنہ وفساد کی وجہ قرآنی فارمولے کے مطابق خالق کائنات کی نافرمانی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (الروم:۳۰/۴۱)

خشکی اور سمندر میں فساد ظاہر ہو گیا ان جرائم کے باعث جو لوگوں کے ہاتھوں سرزد ہوئے، تاکہ اللہ انہیں ان کے کچھ جرائم کا مزہ چکھائے کہ وہ باز آجائیں۔

جب دنیا میں فساد اور تباہی کا سبب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے تو ماننا پڑے گا کہ دنیا کی آبادی اور امن و سکون کا واحد ذریعہ رب العالمین کی اطاعت و فرمانبرداری کو فروغ دینا ہے اور یہی اسلام اور جہاد کا مقصد ہے۔

جہاد اور دہشت گردی

دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ پر غیر مسلموں کا قبضہ ہے اور انہوں نے ۱۱ ستمبر کے واقعے کے بعد اسلام اور جہاد کو دہشت گردی قرار دینے کی مہم زور شور سے شروع کر رکھی ہے جو سراسر ناجائز ہے، کیونکہ جہاد یوں چوری چھپے نہیں کیا جاتا، اس کے لئے امام اور قوت کا ہونا ضروری ہے نیز جس قوم کے خلاف جہاد کیا جائے گا اس کے ساتھ امن اور صلح کا معاہدہ نہیں ہوگا اور اگر ہوگا تو اسے ختم کرنے کا اعلان کیا جائے گا، پھر اس ملک کے لوگوں کو پہلے تو اسلام کی دعوت دی جائے گی، دوسرے نمبر پر انہیں کہا جائے گا کہ ہمارے ذمی بن جاؤ، اگر اسے بھی تسلیم نہ کریں تو علی الاعلان، دن کے اجالے میں جنگ کی جائے گی۔

۱۱ ستمبر کے واقعہ کو جہاد کے کھاتے میں کسی طرح بھی نہیں ڈالا جا سکتا، ہاں یہ امریکہ کے مظالم کا ردعمل ہے یا مسلمانوں کے خلاف سازش، اور اب امریکہ نے جو کچھ افغانستان اور عراق میں مسلمانوں پر قیامت ڈھائی ہے اس کا ردعمل بھی ضرور سامنے آئے گا۔ اور ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کا شاخسانہ برآمد ہوگا۔ بالفرض اگر ٹریڈ سنٹر پر حملے کے ذمہ دار کچھ سر پھرے مسلمان بھی ہوں جس کا ایک فیصد بھی امکان نہیں ہے، تو بھی انہوں نے کسی عالم سے فتویٰ لے کر تو یہ کاروائی نہیں کی، لہٰذا اس واقعے کو بنیاد بنا کر اسلام اور جہاد کے خلاف مہم چلانے کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور جہاد

یہ حقیقت کسی باخبر آدمی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ انگریز نے تجارت کے بہانے ہندوستان آ کر حکومت پر قبضہ کیا اور اس قبضے کے دوران کئی من پسند پودے کاشت کئے جن

میں ایک نمایاں پودا مرزا غلام احمد قادیانی تھا، اس نے انگریز کے ایما پر فتویٰ دیا کہ جہاد منسوخ ہو چکا ہے۔

چنانچہ مرزا غلام احمد نے لکھا:

میں نے اس مضمون (جہاد کی منسوخی اور انگریزوں کی وفاداری) کی پچاس ہزار کے قریب کتابیں، رسائل اور اشتہارات چھپوا کر ملک اور دوسرے بلاد اسلام میں بھجوائے ہیں کہ انگریزی حکومت ہم مسلمانوں کی محسن ہے، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کی سچی اطاعت کرے —— نتیجہ یہ ہوا ہے کہ لاکھوں انسانوں نے جہاد کے غلیظ خیالات چھوڑ دیے جو نافہم ملاؤں کی تعلیم سے ان کے دلوں میں تھے، مجھے اس بات پر فخر ہے۔(۱)

حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لاتزالُ طائفةٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلَی الْحَقِّ ظَاهِرِیْنَ عَلٰی مَنْ نَاوَاهُمْ حَتّٰی یُقَاتِلَ آخِرُهُمُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ ۔رواہ ابوداؤد۔(۲)

ہماری امت کا ایک گروہ حق پر جہاد کرتا رہے گا، دشمنوں پر غالب رہے گا، یہاں تک کہ ان کا آخری فرد مسیح دجال سے جنگ کرے گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ یہ دین قائم رہے گا۔

یُقَاتِلُ عَلَیْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ۔(۳)

مسلمانوں کی ایک جماعت اس دین کی بنیاد پر جہاد کرتی رہے گی، یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

۱۔غلام احمد قادیانی، مرزا: ستارہ قیصرہ، ص ۳ (بحوالہ قادیانی فتنہ اور علمائے حق)

۲۔محمد بن عبداللہ الخطیب: مشکوٰۃ شریف عربی، ص:۳۳۱

۳۔محمد بن عبداللہ الخطیب: (بحوالہ مسلم شریف)، ص:۳۳۰

پس چہ باید کرد

صدر بش نے اعلان کیا تھا کہ کروسیڈ (صلیبی) جنگوں کا آغاز ہو چکا ہے اور اس سلسلے میں افغانستان اور عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اپنی من پسند حکومتیں قائم کر لی ہیں۔

حاجی ارشد قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''امریکہ پہلے ہی یہ واضح کر چکا ہے کہ یہ سلسلہ افغانستان پر نہیں رکے گا بلکہ ساٹھ ممالک پر محیط ہوگا، اسلامی ممالک کی تعداد ستاون ہے اس میں فلسطین، چیچنیا اور کشمیر شامل کر لیں تو یہ تعداد ساٹھ ہو جاتی ہے، گویا اس جنگ کے اہداف نامزد کیے جا چکے ہیں''۔(۱)

عالم اسلام اگر زندہ رہنا چاہتا ہے تو اسلامی ممالک کے سربراہوں کو متحد ہو کر اس صورت حال کا مقابلہ کرنا ہوگا، ایک امام منتخب کیا جائے، دفاع ایک ہو، کرنسی ایک ہو۔ وگرنہ ع

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

۲۵ر جمادی الآخرۃ ۱۴۲۴ھ
۲۴ر اگست ۲۰۰۳ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

۱۔ ارشد قریشی: حرف آغاز رسول اللہ کی جنگی حکمت عملی (المعارف، لاہور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عصر حاضر میں جہاد سے متعلق مسائل

❶ جہاد کی تعریف کیا ہے اور اس کی قسمیں کتنی ہیں؟

(ج) جہاد ماخوذ ہے جھد" سے جَھد" کے جیم پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے مشقت اور تھکاوٹ اور اگر جیم پر پیش ہو (جُھد") تو اس کا معنی ہے قوت اور طاقت، مجاہد کو اس لئے مجاہد کہتے ہیں کہ وہ قوت صرف کرتا ہے اور اسے قوت صرف کرنے کے دوران یا اس کے بعد تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے، جہاد یا تو فائدہ حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے یا نقصان سے بچنے کے لئے، جہاد کسی بھی ذریعے سے اور کسی بھی میدان میں ہوسکتا ہے، چاہے حالت جنگ ہو یا حالتِ صلح، جہاد کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اسلحے کے ساتھ ہی ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جنگ کے ذریعے سے ہی ہو۔(۱)

ابن کمال باشانے جہاد کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

بَذْلُ الْوُسْعِ فِي الْقِتَالِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مُبَاشَرَةً اَوْ مُعَاوَنَةً بِمَالٍ اَوْ رَاْيٍ اَوْ تَكْثِيْرِ سَوَادٍ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ (۲)

جہاد کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کی جانے والی جنگ میں براہِ راست حصہ لے کر پوری توانائی صرف کرنا، یا مالی امداد دینا یا فکری طور پر راہنمائی کرنا یا مجاہدین کے ساتھ شامل ہو کر ان کی تعداد میں اضافہ کرنا یا کسی اور طریقے سے امداد کرنا۔

---

(۱) جاء الحق علی جاء الحق، شیخ الازہر: بیان للناس ۱/۲۷۳

(۲) علاء الدین حصکفی، امام: درمختار عربی (طبع مجتبائی) ۱/۳۳۹

اقسام جہاد؟

ابن کمال باشا رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کے مطابق جہاد کی درج ذیل قسمیں سامنے آتی ہیں:

(۱) **جانی جہاد**: یعنی آدمی خود جہاد میں حصہ لے، چاہے دشمن کو مار دے اور غازی کہلائے یا اس کے ہاتھوں مارا جائے اور شہید بنے۔

(۲) **مالی جہاد**: یعنی مجاہدین کو سرمایہ، سواری، ہتھیار یا خوراک مہیا کر دینا

(۳) **فکری جہاد**: ایک تجربہ کار اور ماہرِ جنگ کمانڈر پیچھے بیٹھ کر فوج کو ہدایات دے، اور فوجی اس کی راہنمائی میں جنگ کریں۔

(۴) **تعدادی جہاد**: جو آدمی جنگ میں حصہ نہیں لے سکتا وہ مجاہدین کے ساتھ میدانِ جنگ میں پہنچ جائے، ایسے لوگوں کی شمولیت کا فائدہ یہ ہوگا کہ مجاہدین کی تعداد زیادہ دکھائی دے گی، حدیث شریف میں ہے: مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ''جو شخص کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے وہ بھی اُن میں سے ہے۔

(۵) **سرحدوں کا پہرہ**: صاحب درمختار نے فرمایا کہ اسلامی ملک کی سرحدوں پر پہرہ دینا بھی جہاد کے حکم میں ہے۔

اس کے علاوہ درج ذیل قسمیں بھی جہاد کے ذیل میں آتی ہیں۔

(۶) **لسانی جہاد**: برائی کے راستے کو زبان کی قوت اور زور بیان سے روکنا، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اسے ہاتھ سے منع کرے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے منع کرے اور اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ضعیف ترین

ایمان ہے۔(۱)

(۷) **قلمی جہاد**: قلم کی قوت کو برائی اور فتنہ وفساد کے خلاف استعمال کرنا، کسی دانشور کا مقولہ ہے کہ جہاں شمشیریں کام نہیں آتیں وہاں تحریریں کام آجاتی ہیں۔

(۸) **نظریاتی سرحدوں کا پہرہ**: قوم کے نونہالوں کو اسلامی عقائد و نظریات کی تعلیم دینا اور مخالفین کے اعتراضات کے تسلی بخش جواب دینا

حدیث شریف میں ہے:

جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے۔(۲)

قلم کے بارے میں کہا جاتا ہے: ''احد اللسانین'' وہ دو زبانوں میں سے ایک ہے۔

(۹) **جہاد بالنفس**: (مجاہدہ) یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کرے اور اوصاف ذمیمہ سے اپنے آپ کو محفوظ کرے۔ حدیث شریف میں ہے:

رَجَعْنَامِنَ الْجِهَادِالْاَصْغَرِاِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَر، جِهَادِ النَّفْسِ (۳)

ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے ہیں یعنی نفس کے جہاد کی طرف۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ (۴)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔

---

(۱) محمد بن عبداللہ الخطیب، امام: مشکوٰۃ شریف عربی ص ۳۳۶

(۲) ایضاً: ص ۳۳۲

(۳) یہ حدیث امام بیہقی نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کی ہے۔

(۴) محمد بن عیسیٰ ترمذی، امام: ترمذی شریف (طبع ملتان) ۱/۱۹۵

❷ جہاد بالدعوۃ: کیا مسلم یا غیر مسلم معاشرے میں زبان وقلم اور دیگر پُرامن ذرائع سے دین کی دعوت وتبلیغ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی کوشش بھی جہاد ہے؟

(ج) جی ہاں، جیسے کہ ابھی بیان ہوا ہے۔

❸ جہاد بالنفس: کیا دینی احکام پر عمل کے لئے اپنی ذات کی اصلاح اور اس کے لئے کوشش اور جدوجہد بھی جہاد شمار ہوگی؟

(ج) اس کا جواب اس سے پہلے آچکا ہے کہ یہ بھی جہاد ہے۔

علامہ عجلونی فرماتے ہیں:

رَجَعْنَامِنَ الْجِهَادِالْاَصْغَرِاِلَى الْجِهادالاكبر

یہ حدیث احیاء العلوم میں ہے، علامہ عراقی نے فرمایا: اسے امام بیہقی نے حضرت جابر سے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا، خطیب بغدادی نے اسے اپنی تاریخ میں حضرت جابر سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے تشریف لائے اور فرمایا: تمہارا آنا بہت اچھا ہے، تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو، صحابۂ کرام نے عرض کیا کہ بڑا جہاد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: (مجاهدةُ العبدِ هَوَاهُ) بندے کا اپنی خواہش کے ساتھ جہاد کرنا۔(۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کامل ترین ایمان والا مسلمان کونسا ہے؟ فرمایا:

(۱) وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرتا ہے۔

(۲) وہ شخص جو کسی گھاٹی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اس نے لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ کر دیا ہے۔(۲)

---

(۱) علامہ عجلونی: کشف الخفاء، ۱/ ۴۲۵-۴۲۴

(۲) امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث: سنن ابوداؤد (کراچی) ۱/ ۳۳۶

اقدامی جہاد: یعنی وہ مسلح جدو جہد جس میں کسی کافر حکومت کی طاقت کو توڑنا اور اسے جھکانا مقصود ہو، جو اپنے عوام کے فہمِ اسلام میں رکاوٹ ہو۔

اس جہاد کی شرائط؟

(ج) مسلح جدو جہد کی چند صورتیں ہیں:

(۱) دشمن مسلمانوں پر چڑھائی کر دے، جیسے کہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق وغیرہ میں ہوا۔

(۲) یہ خطرہ ہو کہ دشمن چڑھائی کر دے گا، جیسے کہ غزوۂ فتح مکّہ میں ہوا، قریش نے حُدیبیہ میں کیا ہوا وہ معاہدہ توڑ دیا تھا جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا تھا، ان کی طرف سے کسی وقت بھی حملہ ہو سکتا تھا، اسی طرح غزوۂ تبوک میں رومیوں کی طرف سے حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔

(۳) مظلوموں کی امداد مقصود ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ (سورۃ الانفال/۷۲)

اور اگر تمہارے بھائی تم سے دین کے سلسلے میں مدد طلب کریں تو تم پر امداد دینا لازم ہے۔

اسی بنا پر کشمیر، فلسطین اور چیچنیا کے مظلوم مسلمانوں کی امداد کرنا پورے عالمِ اسلام پر فرض ہے۔

(۴) اسلام کا پیغام پھیلانے کے راستے کو پُر امن بنانے کے لئے، کیونکہ اسلام کی دعوت نہ تو مقامی تھی اور نہ ہی کسی خاص وقت کے لئے، بلکہ یہ دعوت پوری دنیا کے لئے تھی، اس لئے ضروری تھا کہ مسلمان مسلّح ہوتے، تا کہ دشمن ان کی دعوت کا راستہ نہ روک سکے۔(۱)

---

(۱) بیان للناس ۱/ ۲۷۸۔۲۷۷

اس جہاد کی پہلی شرط قدرت ہے، چونکہ مکۂ معظمہ میں قوت اور قدرت نہیں تھی اس لئے وہاں جہاد کا نہیں بلکہ صبر کا حکم دیا گیا۔

دوسری شرط امام کا موجود اور ظاہر ہونا ہے، علامہ سعدالدین تفتازانی فرماتے ہیں کہ امام کا مقرر کرنا مخلوق پر واجب ہے، کیونکہ بہت سے ایسے امور جو شرعاً واجب ہیں امام پر موقوف ہیں، مصنف (صاحب عقائد نسفیہ) نے امام کی متعدد ذمہ داریاں گنواتے ہوئے فرمایا کہ ''لشکروں کا تیار کرنا'' بھی امام کی ذمہ داری ہے، اس پر علامہ تفتازانی نے فرمایا: یہ وہ امور ہیں جن کو امت کا کوئی عام آدمی انجام نہیں دے سکتا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

ونحو ذلک من الامور التی لایتولاھا آحاد الامۃ(۱)

موجودہ دور میں اقدامی جہاد کے بارے میں جامعہ از ہر شریف کا موقف درج ذیل سطور میں پیش کیا جاتا ہے، ارباب علم و فقاہت کو اس میں ضرور غور کرنا چاہیے:

گزشتہ زمانوں میں تلوار اس لئے ضروری تھی کہ دعوت اسلام کے راستے کو تحفظ فراہم کیا جائے، لیکن آج تلوار اُن لوگوں کے خلاف اٹھائی جائے گی جو اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔

جہاں تک دعوت اسلام کے پھیلانے کا تعلق ہے تو اسکے لئے بہت سے وسائل ہیں، آج نہ تو دور دراز کے سفر کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی راستے کے خطرات مول لینے کی حاجت، بلکہ ایسی سرحدیں موجود نہیں ہیں جنہیں ویزے کے بغیر طے نہ کیا جا سکتا ہو، کیونکہ مجلات اور رسائل (لٹریچر) تمام سرحدوں کو عبور کر جاتے ہیں اور اگر ان پر کسی حد تک پابندی بھی لگادی جائے تو آج ذرائع ابلاغ (ریڈیو، ٹیلیویژن، انٹرنیٹ وغیرہ) اتنے قوی ہو چکے ہیں کہ لوگوں کے گھروں میں پیغام پہنچایا جا سکتا ہے اور انہیں کوئی حکومت نہیں روک سکتی۔

---

(۱) بیان لناس ۱/۲۷۹-۲۷۸

وہ لوگ جو دعوت اسلام کے پھیلانے کے لئے اپنی توجہ ہتھیاروں پر مرکوز کرتے ہیں انہوں نے اپنے آپ کو کمزور ہتھیاروں میں مصروف کر رکھا ہے، جب کہ دشمن کے پاس بہت طاقت ور اسلحہ ہے اور ہم اس سے غافل ہیں۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ آج عالم اسلام کو متحد ہو کر جدید ترین ٹیکنالوجی کے ماہر سائنس دان تیار کرنے چاہئیں نیز بیدار مغز مبلغ تیار کرنے چاہئیں جو موثر انداز میں اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکیں، کیونکہ غیر مسلم ممالک میں تبلیغ پر پابندی نہیں ہے۔

(۴)—**شرط امام**: کیا یہ جہاد صرف کسی مسلم ریاست (یا ریاستوں) کی طرف سے ہی ہوسکتا ہے یا یہ مسلم افراد اور ان کی پرائیویٹ تنظیموں کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے؟

ابھی شرح عقائد کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے کہ جہاد کے لئے ''لشکروں کا تیار کرنا'' امام کی ذمہ داری ہے، اگر پرائیویٹ تنظیمیں بھی مسلح جدوجہد شروع کر دیں تو یہ ریاست کے اندر ایک دوسری ریاست کے قائم کرنے کے مترادف ہوگا، پاکستان میں جب سے مسلح کاروائیاں شروع ہوئی ہیں ملک کے امن وامان کا مسئلہ مخدوش ہو گیا ہے۔

(۵)—**شرط مقدرت**: کیا یہ جہاد ہر حالت میں فرض ہوتا ہے یا صرف اس وقت جب مسلم حکومت (یا حکومتیں) اتنی طاقت ور ہوں کہ کافر حکومت کی شکست کا احتمال غالب ہو؟ کیا سورۂ انفال کی دوگنا اور دس گنا والی شرط کا اطلاق یہاں ہوتا ہے؟

اقدامی جہاد اسی وقت کیا جائے گا جب غیر مسلم حکومت کی شکست کا احتمال غالب ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرۃ ۲/۱۹۵)

اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

---

(۱) شرح عقائد (طبع شوکۃ الاسلام لکھنؤ) ص ۱۱۰

اس آیت کریمہ کے الفاظ میں عموم ہے، جہاد کو ترک کر دینا بھی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور قدرت کاملہ نہ ہونے کے باوجود ٹکرا جانا بھی اپنے آپ کو ہلاکت کے اندھے غار میں دھکیلنا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ قوت وطاقت کے شرط ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> سلطانِ اسلام جس پر اقامتِ جہاد فرض ہے، اسے بھی کافروں سے پہل حرام ہے جب کہ ان کے مقابلہ کے قابل نہ ہو، مجتبیٰ وشرح نقایہ وردالمحتار کی عبارت گزشتہ:
>
> هٰذَا اِذَا غَلَبَ عَلٰی ظَنِّهٖ اَنَّهٗ یُکَافِئُهُمْ وَاِلَّا فَلَا یُبَاحُ قِتَالُهُمْ
>
> (یہ اس وقت ہے جب گمانِ غالب ہو کہ ان کے مقابلہ کے قابل ہے، ورنہ اُن سے لڑنا حلال نہیں ہے۔(۱)

سورۂ انفال کی آیت کا تعلق مقابلہ شروع ہونے کے بعد راہِ فرار اختیار کرنے کے بارے میں ہے، جب کہ ہماری گفتگو مقابلہ شروع کرنے سے پہلے کے بارے میں ہے۔

(۶) اس جہاد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی یہ فرض ہے یا مستحب؟

(ج) اس جہاد کی شرائط پائی جائیں تو یہ فرض کفایہ ہے، ایک جماعت کے ادا کرنے سے سب لوگ بری ہو جائیں گے اور اگر کسی نے بھی ادا نہ کیا تو سب گنہگار ہوں گے۔

دفاعی جہاد: جب کوئی غیر مسلم طاقت کسی مسلمان ریاست پر حملہ کر دے/ قبضہ کر لے تو اس وقت:

---

(۱) احمد رضا خاں بریلوی، امام: رسائل رضویہ ۲/ ۲۱۰

(۲) تبیان للناس ۱/ ۲۹۰

(۷) اگر مسلم حکومت شکست کھا جائے تو کیا اس ملک کے مسلم عوام پر جہاد یا مسلح مزاحمت فرض ہو جاتی ہے؟

(ج) اگر دشمن اسلامی ملک پر حملہ آور ہو تو ہر اس مسلمان پر جہاد واجب ہو جاتا ہے جو جہاد کی طاقت رکھتا ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، اس وقت کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ جنگ کو چھوڑ کر کوئی اور مشغلہ اختیار کرے، اور اگر اس ملک کے لوگ دشمن کا مقابلہ نہ کر سکیں تو ساتھ والے اسلامی ملک پر واجب ہے کہ وہ دشمن کا مقابلہ کرے۔

جب ایک اسلامی ملک شکست کھا جائے اور اس کا سربراہ موجود ہو اور ملک کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جا سکتا ہو تو جہاد جاری رکھے ورنہ ساتھ والے اسلامی ملک سے رابطہ کرے، اس پر واجب ہے کہ برادر اسلامی ملک کی امداد کرے۔

عوام بغیر امام اور بغیر قدرت کے مزاحمت کریں گے تو بہت نقصان اٹھائیں گے۔

(۸) اس مزاحمت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی فرض کفایہ ہوتی ہے یا فرض عین یا محض مستحب؟

(ج) گزشتہ سوال کے جواب میں عرض کیا جا چکا ہے کہ جب دشمن کسی اسلامی ملک پر حملہ آور ہو جائے تو ہر اس شخص پر جہاد واجب ہو جاتا ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو، اب بھی اگر امام موجود ہے اور مقابلے کی قدرت رکھتا ہے تو ہر صاحب استطاعت پر جہاد واجب ہے اور فرض عین ہے، اس پر لازم ہے کہ پڑوسی اسلامی ملک سے مدد لے کر اپنا ملک واگزار کرائے۔

(۹) کیا اس حالت میں شرط امام اور شرط مقدرت ساقط ہو جاتی ہے؟

(ج) جی نہیں! اب بھی وہ شرائط برقرار ہیں۔

(۱۰) اگر محض استخلاص وطن مقصود ہو اور اس کے بعد اسلامی حکومت قائم کرنے کا

عزم اور اعلان موجود نہ ہو تو کیا پھر بھی یہ مسلح مزاحمت جہاد شمار ہوگی؟

(ج) یہ مزاحمت شرعاً جہاد شمار نہیں ہوگی، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر پوچھا کہ ایک شخص مالِ غنیمت کے لئے جنگ کرتا ہے، ایک شخص لوگوں میں شہرت حاصل کرنے کے لئے جنگ کرتا ہے اور ایک شخص اس لئے جنگ کرتا ہے تا کہ بہادری میں اپنا مقام لوگوں کو دکھائے، اِن میں سے کس کی جنگ فی سبیل اللہ ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس لئے جنگ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمۂ توحید سربلند ہو وہ فی سبیل اللہ ہے(۱) تاہم استخلاص وطن کے لئے کوشش کرنا محمود اور مستحسن ہے۔

(۱۱) اگر کفار ایسے مفتوح ملک میں اپنی گماشتہ مسلم حکومت قائم کر دیں تو کیا اس حکومت کے خلاف مسلح مزاحمت جائز ہوگی اور وہ شرعی جہاد سمجھی جائے گی؟

(ج) ایسے ہی ایک سوال کا جواب جامعہ ازہر شریف کی طرف سے یہ دیا گیا ہے:

اسلامی جنگ جو جہاد فی سبیل اللہ شمار کی جاتی ہے اور جس کے شہداء کو غسل نہیں دیا جاتا (اور مذہب شافعی کے مطابق) اُن کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جاتی اور وہ اپنے رب کریم کی بارگاہ میں زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں، وہ جنگ ہے جو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہو اور جس کی اجازت امام نے دی ہو، اس کے بغیر وہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہوگا، آج جو مسلمانوں کے درمیان جنگیں ہو رہی ہیں وہ اس حدیث کے تحت داخل ہیں ''جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہیں۔(۱)

---

(۱) محمد بن اسماعیل بخاری، امام: صحیح بخاری شریف عربی ۱/۳۹۴

ایسی حکومت کو تبدیل کرنے یا راہِ راست پر لانے کے لئے غیر مسلح ذرائع اختیار کرنے چاہییں، ورنہ ہر اسلامی ملک قتل و غارتگری کا گہوارہ بن جائے گا، اور دشمنانِ اسلام یہی چاہتے ہیں کیونکہ اکثر و بیشتر ممالک میں یا تو امریکہ کی گماشتہ حکومتیں مسلط ہیں یا انہوں نے حکمرانوں کی وفاداریاں خرید رکھی ہیں یا انہیں مختلف حربوں کے ذریعے اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے۔

(۱۲) کیا اس طرح کے دفاعی جہاد میں دشمن ملک (اور اس کے حلیف ممالک) کے اندر جا کر حملہ کرنا جائز ہوگا؟

(ج) اسلامی جہاد میں صرف ان لوگوں سے جنگ کی جاتی ہے جو مسلمانوں پر حملہ آور ہوں یا جن سے حملہ آور ہونے کا صحیح خطرہ ہو یا انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ عملاً جنگ میں حصہ نہیں لے رہے یا نہیں لے سکتے، انہیں تو میدانِ جنگ میں بھی قتل کرنا جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ میدانِ جنگ کے علاوہ انہیں قتل کیا جائے۔

ھدایہ کے متن بدایۃ المبتدی میں ہے:

وَلَا یَقْتُلُوْا اِمْرَأَۃً وَّلَا صَبِیًّا وَّلَا شَیْخًا فَانِیًا وَّلَا مُقْعَدًا وَّلَا اَعْمٰی

مجاہدین عورت، بچے، پیر فرتوت (بہت بوڑھے اور کمزور) اپاہج اور نابینا کو قتل نہ کریں۔

اس پر صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی نے دلیل دی ہے:

لِاَنَّ الْمُبِیْحَ لِلْقَتْلِ عِنْدَنَا هُوَ الْحِرَابُ وَلَا یَتَحَقَّقُ مِنْهُمْ (۱)

کیونکہ ہمارے نزدیک قتل کرنے کی وجہِ جواز، جنگ ہے اور وہ ان افراد میں نہیں پائی جاتی۔

---

(۱) برہان الدین مرغینانی، امام: ھدایہ (طبع مجیدی کانپور) ۲/۵۳۳

جو ملک مسلمانوں کے ملک پر حملہ آور ہو اس کے اندر جا کر اس کے فوجی ٹھکانوں پر حملہ کرنا صحیح ہے اور جہاد کا حصہ ہے، لیکن اس ملک کے عام شہریوں یا اس کے حلیف ممالک پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے جو جنگ میں شریک نہیں ہیں۔

(۱۳) کیا اس ملک کی شہری آبادی اور شہری مقامات پر حملہ کرنا جائز ہوگا؟

(ج) شہری آبادی پر حملہ کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ جنگ میں حصے دار نہیں ہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ جنگ کے مخالف ہوں۔

(۱۴) کیا اُس ملک کے سفارت خانوں پر حملہ جائز ہوگا؟

(ج) جی نہیں، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، بین الاقوامی سطح پر بھی سفیروں کو تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ وہ ہمارے ملک میں مستأمن ہیں اور ان کا تحفظ ہماری ذمہ داری ہے۔

(۱۵) کیا اس ملک کے معاشی مفادات پر حملہ کرنا جائز ہوگا؟

(ج) ہاں جائز ہے، مثلاً اس ملک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، تجارتی لین دین بلاواسطہ یا بالواسطہ ختم کیا جائے، جنگ بدر کے موقع پر قریش کے قافلۂ تجارت سے تعرض ان کے معاشی مفادات پر ضرب لگانے کے لئے ہی تھا، اسی طرح حضرت ثمامہ ابن اُثال رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے بعد عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے تو انہیں دھمکیاں دی گئیں اور عمرہ کرنے سے منع کیا گیا، انہوں نے فرمایا: اگر تم اس طرح کرو گے تو تمہارے پاس یمامہ سے غلے کا ایک دانہ بھی نہیں آئے گا اور عملاً یہ کام کر کے دکھا دیا۔

○ اگر ایک مسلمان ملک پر کفار کا حملہ/ قبضہ ہو جائے تو کیا:

(۱۶) ساری مسلم حکومتوں پر جہاد فرض ہوگا؟

(۱۷) یا صرف مجاور مسلم حکومت/حکومتوں پر جہاد فرض ہوگا؟

(۱۸) یا ساری مسلم حکومتوں پر محض اس کی اعانت فرض ہوگی؟

(۱۹) یا صرف مجاور مسلم حکومت/حکومتوں پر اعانت فرض ہوگی؟

(۲۰) اس اعانت کی حدود کیا ہوں گی؟ کیا محض سیاسی اعانت سے بھی حق ادا ہو جائے گا؟

(۲۱) اس اعانت کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ یعنی فرض ہوگی یا مستحب؟

(۲۲) اگر مسلمان ریاستیں اس متاثرہ مسلم ریاست کی مدد نہ کریں تو کیا اس صورت میں ساری امت کے مسلمانوں پر یعنی (ہر فرد مسلم پر) جہاد فرض ہو جائے گا؟

(۲۳) یا صرف مجاور مسلمانوں پر یہ فرض ہوگا؟

(۲۴) مسلم افراد (یا ان کی بنائی ہوئی پرائیویٹ تنظیموں) پر یہ جہاد فرض کفایہ ہوگا یا فرض عین یا مستحب؟

نمبر ۱۶ سے لے کر ۲۴ تک کے جوابات سمجھنے کے لئے حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ملاحظہ کریں، وہ فرماتے ہیں:

> جہاد فرض کفایہ ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب بُلاوا عام نہ ہو، اور اگر بلاوا عام ہو، مثلاً دشمنوں نے مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ کر دیا تو اب جہاد فرض عین ہوگا، چاہے بلانے والا عادل ہو یا فاسق، اس شہر کے تمام باشندوں پر واجب ہوگا اور اگر اس شہر کے لوگ مقابلے کے لئے کافی نہ ہوں یا سستی کر جائیں یا نافرمانی کے مرتکب ہو جائیں تو اس شہر کے قریب والے لوگوں پر جہاد فرض ہوگا (اور اگر وہ بھی مقابلہ نہ کر سکیں یا نہ کریں تو اس کے ساتھ والے شہر والوں پر واجب ہوگا، یہاں تک کہ مشرق سے لے کر مغرب تک کے مسلمانوں پر واجب .... ہو جائے گا۔(۱)

---

(۱) علی بن سلطان محمد القاری، امام: مرقاۃ المفاتیح (طبع ملتان) ۷/۲۶۵

سوال نمبر۱۶ کا جواب: جس ملک پر حملہ کیا گیا ہے وہ دفاع نہ کر سکے تو ساتھ والے ملک پر دفاع واجب، وہ بھی نہ کر سکے تو اس کے ساتھ والے پر، اس طرح بالترتیب تمام مسلم حکومتوں پر جہاد فرض ہوگا۔

سوال نمبر۱۷ کا جواب بھی گزشتہ جواب میں آ گیا۔

سوال نمبر۱۸ کا جواب: دوسری مسلم حکومتوں پر صرف اعانت فرض نہیں بلکہ اگر ایک ملک دفاع نہ کر سکے تو دوسرے ملک پر دفاع فرض ہے اس کے بعد تیسرے پر اور اسی طرح زمین کے آخری کنارے تک۔

سوال نمبر۱۹ کا جواب: مجاور مسلم حکومتوں پر صرف اعانت نہیں جہاد فرض ہوگا۔

سوال نمبر۲۰ کا جواب: ہر ملک یہ سمجھے جیسے مجھ پر حملہ کیا گیا ہے، اس صورت میں جو کچھ کر سکتا ہے وہ برادر ملک کے لئے بھی کرے گا۔

سوال نمبر۲۱ کا جواب: یہ جہاد فرض عین ہوگا۔

سوال نمبر۲۲ کا جواب: بتدریج دنیا بھر کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جائے گا۔

سوال نمبر۲۳ کا جواب: صرف مجاور مسلمانوں پر اس وقت فرض ہوگا جب کہ وہ دفاع کے لئے کافی ہو سکیں، ورنہ تو جہاد مجاور کے مجاور ملک پر بھی فرض ہوگا۔

سوال نمبر۲۴ کا جواب: فرض عین کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرد پر فرض ہے، مسلم تنظیمیں بھی اسی میں آجائیں گی۔

(۲۵) کیا دفاعی جہاد میں خودکش حملے جائز ہیں؟

(ج) جی ہاں جائز ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو کہاں ہوں گا؟ فرمایا: جنت میں، ان کے ہاتھ میں کھجوریں تھیں وہ انہوں نے پھینک دیں اور میدان

جنگ میں کود گئے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔(۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ان کے چچا حضرت انس بن نضر بدر کے دن حاضر نہ ہو سکے، تو انہوں نے فرمایا: میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پہلی جنگ سے غیر حاضر رہا، اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہونے کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ دیکھے گا کہ میں کس شدت سے جنگ کرتا ہوں، چنانچہ وہ احد کے دن حاضر تھے، صحابۂ کرام کی صفیں بکھر گئیں تو وہ تلوار لے کر آگے بڑھے، ان کی ملاقات حضرت سعد بن معاذ (سید الانصار) سے ہوگئی، کہنے لگے سعد! کہاں جا رہے ہو؟ اللہ کی قسم! مجھے احد پہاڑ سے پہلے جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے، اس کے بعد آگے بڑھ گئے اور خون کے آخری قطرے کے بہنے تک دشمن سے نبرد آزما رہے، یہاں تک کہ جامِ شہادت نوش کر گئے، ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیروں کے اسّی سے زیادہ زخم تھے۔(۲)

اسے کسی طرح بھی خودکشی نہیں کہہ سکتے، خودکشی میں آدمی حالات سے بے زار اور مایوس ہو کر اپنی زندگی کا چراغ گُل کر دیتا ہے اور گنہگار ٹھہرتا ہے، جب کہ یہ حملے تو اللہ تعالیٰ کے دین اور کلمۂ توحید کی سربلندی کے لئے خون کا آخری قطرہ بہا دینے کے لئے ہوتے ہیں جو ان کی عظمت اور سعادت کی دلیل ہیں۔

(۲۷) دہشت گردی کی تعریف کیا ہے؟

(ج) دہشت گردی یہ ہے کہ کسی ایسے شخص یا قوم کو جانی یا مالی نقصان پہنچایا جائے جس نے کوئی گناہ یا جرم نہ کیا ہو، وہ حملہ آور پر نہ تو حملہ آور ہوا ہو، نہ ہی اس سے آمادۂ جنگ ہو اور نہ ہی اس نے معاہدہ توڑا ہو، مختصر یہ کہ بغیر کسی جرم کے کسی کو نقصان پہنچانا دہشت گردی ہے۔

---

(۱) محمد بن اسماعیل بخاری، امام: صحیح بخاری شریف عربی (طبع دہلی) ۲/۵۷۹

(۲) ایضاً: ۲/۵۷۹

امریکہ نے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی، عراق میں سوالاکھ بے گناہ مسلمانوں کو پوری سفاکی کے ساتھ شہید کر دیا، اور ظلم کی ایسی داستان رقم کی جس کے آگے ہلاکو اور چنگیز خاں کی روحیں بھی شرمسار ہیں، کروسیڈ (صلیبی جنگ) کے نام سے شروع کی ہوئی کارروائی دہشت گردی نہیں تو اور کیا ہے؟ افغانی مسلمانوں کا کوئی جرم آج تک ثابت نہ ہو سکا، عراق میں کوئی ایٹمی یا کیمیاوی اسلحہ برآمد نہ ہو سکا، حقیقت یہ ہے کہ یہ امریکہ ہی تھا جس نے روس کے خلاف افغان مجاہدین اور ایران کے خلاف عراقی مسلمانوں کو مسلح کیا تھا اور اسلحے کے انبار ان کے سپرد کئے تھے اور جب اس کا مطلب پورا ہو گیا، روس کے حصے بخرے ہو گئے اور عراقی تیل تک رسائی ہو گئی تو وہی مجاہدین اب دہشت گرد قرار دیئے جا رہے ہیں۔

امریکہ کے سابق اٹارنی جنرل رمزے کلارک نے اپنے حالیہ بیان میں کہا ہے کہ:

"بُش انسانیت کا قاتل ہے، صدام کی بجائے اس کے خلاف مقدمے بننے چاہئیں، وہ فرعونیت کے نشے میں انسانیت کی تذلیل کر رہا ہے، تاریخ اسے قاتل کے نام سے یاد رکھے گی، فلوجہ میں ہزاروں افراد ناحق قتل کئے، وہ عالمی برادری میں امریکہ کے لئے نفرت پیدا کر رہا ہے۔(۱)

افسوس کہ کسی اسلامی ملک کے سربراہ کو عملی طور پر تو کیا، اتنا کلمۂ حق بھی زبان پر لانے کی جرأت نہ ہو سکی۔

حالات حاضرہ کے تناظر میں قرآنِ پاک کی درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کیجئے جو چشم عبرت نگاہ کے لئے سرمۂ بصیرت کا کام دیں گی، ایک منافق اخنس بن شریق حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرتا،

---

(۱) نوائے وقت، لاہور۔ شمارہ ۳۱؍ دسمبر ۲۰۰۴ء

لیکن در پردہ اس کی حالت یہ تھی:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ○ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (البقرۃ:۲/۲۰۶_۲۰۵)

اور جب وہ پشت پھیرتا ہے تو زمین میں دہشت گردی پھیلانے کی کوشش کرتا ہے اور کھیتی اور جانیں تباہ کرتا ہے اور اللہ دہشت گردی کو پسند نہیں فرماتا اور جب اسے کہا جائے کہ اللہ سے ڈرو تو غرور اسے گناہ پر اُبھارتا ہے تو اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

قرآن پاک کی بے حرمتی کے جو واقعات سامنے آئے ہیں انہوں نے دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل دکھی کر دئے ہیں اور امریکی اخبار نے جو پاکستان کے بارے میں کارٹون شائع کیا ہے اسے دیکھ کر تو حکمرانوں کی آنکھیں کھل جانی چاہییں۔

○ مسلمان ریاست کے داخلی معاملات:

(۲۸) اگر مسلمان حکمران بالجبر مسلمان رعایا پر حکومت کریں، ان کی پالیسیاں بھی غیر اسلامی ہوں اور وہ کفار کے گماشتے بھی ہوں تو کیا ان کے خلاف مسلح جدوجہد جائز ہے اور یہ جدوجہد جہاد شمار ہوگی؟

(ج) جبر کے ساتھ مسلط ہونے والا حکمران اس شرط کے ساتھ ملک کا سربراہ تسلیم کیا جائے گا کہ وہ اسلام کے کسی بنیادی عقیدے کو تبدیل نہ کرے اور اس کا انکار نہ کرے اس وقت تک اس کے خلاف مسلح جدوجہد نہیں کی جائے گی، ہاں اگر اس کی پالیسیاں غیر اسلامی ہوں اور وہ کفار کا گماشتہ ہو تو نظامِ مصطفےٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے نفاذ کے لئے اس کے خلاف پر امن جدوجہد ضرور ہونی چاہیے۔

حضرت امِ سلمہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر امراء (گورنر وغیرہ حکمران) مقرر کیے جائیں گے تم ان کی کچھ باتوں کو پہچانو گے اور کچھ کا انکار کرو گے (یعنی انکی کچھ باتیں شریعت کے موافق اور کچھ مخالف ہوں گی) تو جس شخص نے ان کی بری باتوں کا برا منایا تو وہ بری ہو گیا اور جس نے انکار کیا وہ محفوظ رہا، لیکن جو شخص راضی ہوا اور ان کی پیروی کی (وہ محفوظ نہیں رہا) صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں؟ فرمایا: نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں، یعنی جو ان کی باتوں کو دل سے برا جانے اور دل سے انکار کرے۔(۱)

اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا مَا صَلَّوْا (ان سے جنگ نہ کرو جب تک وہ نماز پڑھیں) اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف ظلم اور فسق کی بناپر خلفاء کے خلاف خروج جائز نہیں ہے جب تک وہ اسلام کے قواعد (بنیادی مسائل) میں سے کسی چیز کو تبدیل نہ کریں۔(۲)

(۲۹) یہ مسلح جدو جہد فرض کفایہ ہے، فرض عین ہے یا مستحب؟

(ج) وقت کا حکمران جب تک کھلم کھلا کافر نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے خلاف مسلح جدو جہد جائز نہیں ہے، جیسے ابھی امام نووی کے حوالے سے بیان ہوا، ایک حدیث شریف میں ہے:

(اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا) مگر یہ کہ تم کھلم کھلا کفر دیکھو۔

(۳۰) (۳۰) ایسے حکمران کے خلاف پُرامن اصلاحی جدو جہد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ فرض عین ہے یا فرض کفایہ یا مستحب یا غیر ضروری؟

(ج) ایسے حکمران کی اصلاح کی کوشش کرنا ہر مسلمان پر اس کی حیثیت اور قدرت

---

(۱) مسلم بن الحجاج القشیری، امام: مسلم شریف عربی (طبع دہلی) ۲/ ۱۲۹۔۱۲۸

(۱) یحیٰ ابن شرف نووی، امام: حاشیہ مسلم شریف ص ۱۲۸

کے مطابق واجب ہے تاہم یہ فرض کفایہ اور واجب کفایہ کے زمرے میں ہی آئے گا۔

(۳۱) کیا مسلمان افراد اور تنظیموں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ باہمی دینی اختلافات (جیسے مثلاً شیعہ سُنّی میں، اہل سنت اور منکرین حدیث میں یا دیوبندی بریلوی وغیرہ میں ہیں) کی بنا پر ایک دوسرے کو کافر کہیں؟

(ج) جس طرح ایک غیر مسلم کلمۂ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اسے برحق تسلیم کرتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان ضروریات دین (دین کی بنیادی باتوں) میں سے کسی کا انکار کرنے سے دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، مثلاً کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے یا ختم نبوت کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ فقہ اسلامی کی کتابوں میں ''مرتد'' کا باب ایسے لوگوں کی نشاندہی کے لئے مختص ہے۔ اس میں فرق نہیں ہے کہ کوئی ایک شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے یا کوئی جماعت اور فرقہ۔ دراصل یہ بھی دین متین کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے اور اگر کوئی پوچھنے اور ٹوکنے والا نہ ہو تو ہر شخص کفریات بکتا پھرے گا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ قرآن و حدیث اور فقہ وعقائد کا وسیع علم رکھنے والا ہی یہ فتویٰ دے گا، ہر شخص اس لائق نہیں کہ وہ فتویٰ دیتا پھرے، نیز مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ تقویٰ و پرہیزگاری اور دیانت و امانت کا پیکر اور خشیت الٰہی کا مجسمہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ محض خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو کافر قرار دیتا پھرے۔

(۳۲) اگر ایک مسلمان حکومت میں ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان فرد یا گروہ کے بارے میں یہ رائے رکھے کہ وہ کافر ہے تو اسے کیا کرنا چاہیے، یعنی کیا اقدامات کرنے چاہییں؟

(ج) مختلف طبقوں اور فرقوں کے درمیان اختلافات کی جڑیں بہت گہری ہیں۔

اس لئے ان اختلافات کا مکمل خاتمہ بہت مشکل ہے، پھر ہر طبقے میں انتہا پسند لوگ موجود ہیں وہ بھی اختلاف کے خاتمے کے راستے میں رکاوٹ بنتے ہیں، نیز بیرونی طاقتیں بھی نہیں چاہتیں کہ کلمہ طیبہ پر اتفاق کرنے والے شیر و شکر ہو کر رہیں۔

مختلف طبقات کے معتدل مزاج علماء کو جمع کر کے باہمی مشورے سے ایک ضابطۂ اخلاق بنایا جائے کہ ایک دوسرے کے خلاف اشتعال انگیزی نہ کی جائے جس کے نتیجے میں قتل و غارت گری ہونے لگے۔

دوسرے نمبر پر یہ کیا جائے کہ کسی فریق نے دوسرے فریق کی جن تحریرات پر کفر کا فتوی دیا ہے انہیں حذف کیا جائے اور یوں رواداری کی فضا قائم کی جائے۔

نیز دیانت داری سے غور کیا جائے کہ کیا کافر کہنے والوں کا موقف صحیح ہے تو ان باتوں سے رجوع کیا جائے جن کی بنا پر کافر کہا جا رہا ہے اور اگر ان لوگوں کا موقف درست نہیں ہے تو انہیں قائل معقول کیا جائے اور ان کے سامنے وضاحت کی جائے۔

(۳۳) کیا وہ خود سے انہیں قتل کرنے کا مجاز ہے؟

(ج) جی نہیں، عوام اگر قانون ہاتھ میں لیں گے تو ملک میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہوگی اور خوں ریزی ہوگی، اور اس کے ساتھ ہی غیر مسلموں کو یہ پروپیگنڈا کرنے کی گنجائش ملے گی کہ اسلام دہشت گردی سکھاتا ہے، نیز غیر ملکی ایجنسیوں کو ملک میں دہشت گردی پھیلانے کا موقع ملے گا۔

هذا ما عندی و العلم عند الله تعالیٰ

۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ — **محمد عبد الحکیم شرف قادری**

یکم جنوری ۲۰۰۵ء — جامعہ اسلامیہ، لاہور

یہ مقالہ ڈاکٹر محمد امین سیکرٹری مجلس فکر و نظر ،۲۸۲۔ نیلم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور کے سوالات کے جوابات دینے کے لئے لکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور جہاں راقم سے غلطی ہوئی ہے اسے معاف فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انگوٹھے چومنے کا مسئلہ

ایک عزیز محمد شباب قادری نے امریکہ سے قاری عبدالباسط کی تحریر کا ایک تراشہ ارسال کیا ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک پر انگوٹھے چومنے کو ناجائز، باطل اور بدعت لکھا ہے، معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ تراشہ کسی اخبار کا کالم ہے، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس اخبار کا کالم ہے؟

قاری صاحب اپنے مضمون کی ابتداء میں لکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے م ش قادری نے لکھا ہے، حالانکہ یہ صاحب محمد شباب القادری خود ان کے پاس امریکہ میں رہتے ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ قاری صاحب نے ایک مخصوص مکتب فکر کی طرف داری کرتے ہوئے سینہ زوری کا مظاہرہ کیا ہے جو اہل علم کے شایانِ شان نہیں ہے۔

قاری صاحب نے خود امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب مقاصد حسنہ سے متعدد روایات نقل کی ہیں۔ان کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے اشھد ان محمدا رسول اللہ سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے میرے اس خلیل کی طرح عمل کیا اس کے لئے میری شفاعت جائز ہو گئی۔''

امام سخاوی نے یہ حدیث امام دیلمی کی مسند الفردوس کے حوالے سے نقل کی ہے۔

۲۔ حضرت خضر علیہ السلام سے انگوٹھے چومنے کی فضیلت نقل کی۔

۳۔ ایک تیسری روایت بھی امام سخاوی سے نقل کی۔

یاد رہے کہ ان روایات کے بارے میں امام سخاوی نے تصریح کی ہے کہ یہ احادیث درجۂ صحت کو نہیں پہنچیں، یہ بھی یاد رہے کہ امام سخاوی نے اس کے علاوہ بھی متعدد روایات نقل کی ہیں جن کو قاری صاحب نظر انداز کر گئے ہیں، ہندوستان کے مشہور عالم محدث علامہ محمد طاہر بن علی پٹنی رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب مجمع البحار نے التذکرہ میں بھی یہ روایات نقل کی ہیں۔

اب قاری صاحب کی سینہ زوری دیکھئے کہ وہ ان احادیث کو رد کرنے کے لئے انہیں موضوع یا سخت ضعف والی موضوع کے قریب قرار دیتے ہیں اور ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کرنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

(۱) تمام محدثین وعلماء بالاتفاق اس روایت کو لایصح (یہ صحیح نہیں ہے) کہکر مسترد کرتے ہیں ـــــ تمام محدثین کا بالاتفاق اس روایت کو مسترد کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ روایت ضعیف نہیں موضوع ہے (یا سخت و شدید ضعیف ہے جو موضوع کے قریب ہے)

(۲) ہمیں حیرت اور تعجب ہے کہ ایک مسلمان کو اس کا ایمان کیسے اجازت دیتا ہے کہ وہ غیر صحیح قول رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے؟ ـــــ کیا اللہ اور رسول اس بات کی اجازت دے سکتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں غلط یا کمزور بات کہیں؟

حیرت ہے کہ ان صاحب کو کس بزرجمہر نے اسلام کی ترجمانی کی مسند پر لا بٹھایا ہے؟

اول تو انہیں اس بات کا ثبوت فراہم کرنا ضروری ہے کہ تمام محدثین وعلماء

بالاتفاق اس روایت کو لایصح کہہ کر مسترد کر چکے ہیں، کم از کم سوڈیڑھ سو علماء اور محدثین کا حوالہ دینا پڑے گا، ورنہ اتنے بلند بانگ دعوے سے رجوع کرنا پڑے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ قاری صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ لایصح اور مردود میں کیا فرق ہے؟ لایصحُ (یہ حدیث صحیح نہیں ہے) کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ یہ غلط ہے، جیسے کہ قاری صاحب نے سمجھا ہے، محدثین کے نزدیک راویوں کی صفات کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں صحیح، حسن اور ضعیف تفصیل میں جائے بغیر آپ اتنا سمجھ لیں کہ حدیثِ صحیح راویوں کے اوصاف کے لحاظ سے اعلیٰ ترین قسم ہے، لایصحُ کا معنی یہ ہوا کہ یہ حدیث روایت کے اعلیٰ درجے پر فائز نہیں ہے، حَسن بھی ہوسکتی ہے اور ضعیف بھی۔ پھر انگوٹھے چومنے کی روایت متعدد طرق سے مروی ہے، اگر یہ حدیث ہر سند کے اعتبار سے ضعیف ہوتو متعدد سندوں سے مروی ہونے کی بنا پر حَسن لغیرہ بن جائے گی اور اگر حَسن ہوتو ترقی کر کے صحیح لغیرہ کے مقام پر فائز ہو جائے گی۔

اس گفتگو سے واضح ہو گیا کہ قاری صاحب کا یہ کہنا محدثین پر کھلا افتراء ہے کہ محدثین نے لایصحُ کہہ کر اسے مسترد کر دیا ہے اور اسے موضوع یا موضوع کے قریب قرار دیا ہے، آخر محدثین کو کیا رکاوٹ تھی کہ انہوں نے صاف صاف یہ نہیں کہہ دیا کہ یہ حدیث موضوع ہے یا موضوع کے قریب ہے۔

قاری صاحب خود تحریر کرتے ہیں کہ:

''حدیث موضوع وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی کے بارے میں
حدیث بیان کرنے میں جھوٹ ثابت ہو''

اب قاری صاحب کو بتانا پڑے گا کہ انہوں نے جو اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے تو بتائیں کہ اس کے کس راوی نے حدیث میں جھوٹ بولا ہے جس کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے۔

قاری صاحب کا یہ کہنا بھی دیدہ دلیری ہے کہ:

''کیا اللہ اور رسول اس بات کی اجازت دے سکتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں غلط یا کمزور بات کہیں۔''

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ کسی حدیث کے غیر صحیح ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ غلط ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ روایت کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی حدیث نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ حَسن ہو یا ضعیف۔

قاری صاحب کو یہ بھی صاف صاف بتانا پڑے گا کہ جن محدثین نے اپنی کتابوں میں ضعیف حدیثیں بیان کی ہیں، کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں غلط باتیں بیان کی ہیں؟ جبکہ آپ خود اعتراف کرتے ہیں کہ حدیثِ موضوع اور ضعیف میں فرق ہے، آپ کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

''جھوٹی حدیث کو موضوع اور کمزور حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے۔''

قاری صاحب کے درج ذیل الفاظ پڑھیں آپ کو ماننا پڑے گا کہ انہوں نے یہ الفاظ ہوش و حواس کی سلامتی اور بیداری کی حالت میں نہیں لکھے، وہ لکھتے ہیں:

''جس مخصوص مکتبۂ فکر کے لوگ اس عمل کو مستقل سنت اور ضروری سمجھتے ہیں اور انگوٹھے چومنے کو جائز سمجھتے ہیں۔''

اس تحریر کا آخری حصہ پہلے حصے کے خلاف ہے کیونکہ جو شخص انگوٹھے چومنے کو مستقل سنت اور ضروری سمجھے گا وہ اسے جائز نہیں کہے گا بلکہ اسے سنت یا واجب کہے گا۔ اور جو اسے جائز کہے گا وہ اسے مستقل سنت اور ضروری نہیں کہے گا۔

قاری صاحب نے پاک و ہند کے اہل سنت کے امام، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک عبارت نقل کی ہے، اس سے اگلا حصہ اس لئے نقل نہیں کیا کہ وہ قاری صاحب کے مطلب کا نہیں تھا۔

امام احمد رضا بریلوی کی اگلی تحریر کا خلاصہ سطور ذیل میں نقل کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

''اس حدیث کو امام دیلمی نے مسند الفردوس میں، امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں، علامہ خیرالدین رملی نے بحر الرائق کے حواشی میں اور علامہ جراحی نے بیان کیا ہے۔ (علامہ محمد طاہر پٹنی نے التذکرہ میں یہ روایات نقل کی ہیں)۔

بعض کتب فقہ مثلاً جامع الرموز، شرح نقایہ، فتاویٰ صوفیہ، کنز العباد اور شامی حاشیہ درمختار میں انگوٹھے آنکھوں پر رکھنے کو مستحب لکھا ہے۔

لہذا جو شخص اس عمل کو سنت نہ جانے، ترک کرنے پر کسی کو برا بھلا نہ کہے، محض مشائخ کا بیان کردہ عمل جانے اور امید رکھے کہ آنکھ کی روشنی زیادہ ہو جائے گی تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

(مجموعہ رسائل ج ۲ ص ۵۷-۱۵۶)

(یہ مجموعہ رسائل لاہور کا چھپا ہوا نہیں جیسے کہ قاری صاحب نے لکھا ہے بلکہ کراچی کا چھپا ہوا ہے۔)

قاری صاحب کی خوش فہمی کا ایک اور شگوفہ ملاحظہ فرمائیں:

''پاک و ہند میں رہنے والے مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت آج بھی اس عمل کو بدعت سمجھتی ہے۔''

یہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی بات ہے، آپ ماہ ربیع الاول شریف خصوصاً بارہ تاریخ کو کبھی پاکستان ہندوستان آ کر دیکھ لیں، آپ کو سر کی آنکھوں سے نظر آ جائے گا کہ میلاد شریف اور انگوٹھے چومنے کے قائلین اکثریت میں ہیں یا منکرین؟

انگوٹھے چومنے کے منکرین کے امام مولوی رشید احمد گنگوہی کا ایک واقعہ ارواح

ثالثہ (حکایت اولیاء) میں نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے مولوی محمد یحییٰ کاندھلوی کو کہا کہ فلاں مسئلہ شامی میں دیکھو:

''مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسئلہ شامی میں تو ہے نہیں۔ فرمایا: یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لاؤ شامی اٹھاؤ، شامی لائی گئی شامی کے دو ثلث اوراق دائیں جانب کرکے اور ایک ثلث بائیں جانب کرکے اس انداز سے کتاب ایک دم کھولی اور فرمایا کہ بائیں طرف کے صفحے پر نیچے کی جانب دیکھو، دیکھا تو وہ مسئلہ اس جگہ میں موجود تھا۔''

(حکایات اولیاء مع تعلیقات از مولوی اشرف علی تھانوی ص ۳۴۲-۳۴۳)

اس حوالے کو پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شامی ان کے ہاں مانی ہوئی مستند کتاب ہے، ہم بھی تو ازراہ کرم ہی ہے، اسی شامی میں لکھا ہے۔

''پہلی شہادت سن کر صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور دوسری شہادت سن کر قرت عینی بک یارسول اللہ کہنا مستحب ہے، پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر (اے اللہ مجھے سننے اور دیکھنے سے ساتھ نفع عطا فرما) ایسا کرنے والے کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔''

اسی طرح کنز العباد قہستانی اور فتاویٰ صوفیہ میں ہے کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے جس وقت اذان میں سنے اشھد ان محمدا رسول اللہ (حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ) میں اس کا قائد ہوں گا اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کروں گا، اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حاشیہ رملی میں ہے۔''

(رد المحتار حاشیہ در مختار ج ۱ ص ۳۷۰)

یہ تو آپ کے امام کی تسلیم کردہ کتاب کا حوالہ ہے، اب آپ کی مرضی ہے اسے قبول کریں یا نہ۔

گنگوہی صاحب کا ایک اور واقعہ بھی پڑھ لیں، ایک دفعہ انہوں نے بیان کیا کہ مولانا محمد قاسم کو گلاب سے زیادہ محبت تھی، ساتھ ہی کہا: جانتے بھی ہو کیوں تھی؟۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عرق (پسینے) مبارک سے بنا ہوا ہے، فرمایا:

''ہاں! اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔''

(حکایات اولیاء: ص ۳۲۱)

کہنا یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے کے بارے میں روایت کردہ مرفوع احادیث اگرچہ ضعیف ہیں، لیکن گنگوہی صاحب کے فرمان کو سامنے رکھیں کہ '' ہے تو حدیث''۔ آپ نے ممانعت میں تو ایک آیت یا حدیث بھی پیش نہیں کی۔

ارشادِ ربانی ہے:

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

رسول تمہیں جو کچھ عطا فرمائیں لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے تو اسے سنت ہونے کا ثبوت دینا پڑے گا اور اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ عمل شرعاً ممنوع ہے تو اسے ممانعت پر دلیل پیش کرنی پڑے گی۔

قارئین کرام! آپ حیران ہوں گے کہ قاری صاحب نے اس عمل کے بدعت اور ناجائز ہونے پر ایک دلیل بھی پیش نہیں کی۔

قاری صاحب کی سینہ زوری کی ایک اور مثال دیکھئے، لکھتے ہیں:

''کسی بھی حدیث یا روایت کو موضوعات والی کتاب میں شامل کرنے کا

مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے، جھوٹی ہے اور اس سے بچنا چاہیے۔"

یہ درست ہے کہ آپ کے ہاتھ میں قلم ہے اور آپ کا کسی اخبار یا ماہنامے سے رابطہ ہے، اس لئے آپ جو لکھنا چاہیں لکھ دیں، لیکن علمی دنیا میں ایسی باتوں کا کتنا وزن ہوگا؟ موضوعات کی کتابوں میں صرف من گھڑت روایات بیان نہیں کی جاتیں، بعض اوقات صحیح اور مستند روایات بھی بیان کر دی جاتی ہیں، مثلاً کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ سے موضوع ہے، لیکن حدیث کے یہ الفاظ سند صحیح سے ثابت ہیں۔

مثلاً حضرت محقق ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ جب اس — (انگوٹھے چومنے والی) حدیث کا رفع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ — تم ہماری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ (موضوعات کبیر ۶۴)

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ کتاب موضوعات کے بارے میں ہے اور اس میں یہ بیان کر رہے ہیں کہ اس حدیث کا رفع حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے، ایسی حدیث کو موقوف کہتے ہیں جس کی سند صحابی تک پہنچے۔

قاری صاحب کا اس پر تبصرہ دیکھئے، لکھتے ہیں:

"ایک سائل نے امام ملا علی قاری الحنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ کی کتاب موضوعات کبیر کا حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو موقوف کہا ہے اور اس پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے، سائل نے اگر خود یہ کتاب دیکھی اور پڑھی ہے تب تو وہ خود بھی اس بات کی گواہی دیں گے کہ ملا علی قاری کا یہ لکھنا کہ یہ حدیث موقوف ہے محل نظر ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ

یہاں ان کو سہو ہوا (چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں) ملا علی قاری کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ روایت موقوف ہے، یہ روایت موقوف نہیں، بلکہ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ خود ملا علی قاری نے اس روایت کو بیان کرنے کے بعد لکھا: اس بارے میں جو کچھ بھی روایت کیا جاتا ہے ان میں کوئی (ایک روایت) بھی صحیح مرفوع نہیں ہے۔

اس عبارت کو پڑھ کر حدیث شریف کا ایک طالب علم بھی اپنی ہنسی ضبط نہیں کر سکتا، قاری صاحب کہتے ہیں کہ ملا علی قاری کا یہ لکھنا کہ یہ حدیث موقوف ہے محل نظر ہے (کیوں محل نظر ہے؟ اس لئے کہ وہ بھی قاری ہیں اور میں بھی قاری) پھر کہتے ہیں: اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ ملا علی قاری خود کہتے ہیں کہ اس بارے میں ایک روایت بھی صحیح مرفوع نہیں ہے۔'' اس سے کس طرح ثابت ہوگیا کہ اس حدیث کو موقوف قرار دینا محل نظر ہے اور غلط ہے؟ صاف پتا چلتا ہے کہ قاری صاحب کو علم ہی نہیں ہے کہ مرفوع کس کو کہتے ہیں اور موقوف کسے کہتے ہیں؟ ورنہ وہ ایسی بات نہ کہتے۔

بات صرف اتنی ہے کہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد سے تو یہ حدیث ثابت نہیں، البتہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے اور ہمارے لئے تو اُن کا فرمان بھی حجت اور لائق اطاعت ہے۔ اب دیکھئے یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدعتی کہتے ہیں یا نہیں؟ دیدہ باید۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسا مسئلہ نہیں جس پر اختلاف اور مخالفت کی بنیاد رکھی جائے، جو چومتا ہے چومے اور جو نہیں چومتا نہ چومے، ماحول اس وقت مکدر ہوتا ہے جب ایک فریق اپنی رائے کو دوسرے پر ٹھونستا ہے، اِس وقت مسلمانوں کو بہت بڑے بڑے مسائل درپیش ہیں، ان کے بارے میں سر جوڑ کر سوچ بچار کرنے کی ضرورت ہے، نہ یہ کہ اس قسم کے فروعی مسائل میں الجھ کر اپنا وقت ضائع کیا جائے اور ماحول کو بھی مکدر کیا جائے۔

۱۰ محرم الحرام مطابق ۲۵ مارچ ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

تحریک پاکستان میں علمائے اہل سنت کا کردار

اس وقت ہفت روزہ ''ندائے ملت'' شمارہ ۲۱ تا ۲۷ جنوری ۱۹۹۹ء میرے سامنے ہے، جس میں منور علی شاہد صاحب نے ''تحریک پاکستان کے مخالف لوگ'' کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے۔

اس مقالہ میں انہوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ہر مسلک کے علماء کی اکثریت تحریک پاکستان کی مخالف اور کانگریس کی ہمنوا رہی ہے، انہوں نے لکھا ہے:

''امر واقعہ یہ ہے کہ تحریک پاکستان میں تمام علماء یا یوں کہہ لیں کہ علماء کی اکثریت خواہ ان کا تعلق کسی بھی مسلک سے رہا ہو تحریک پاکستان کی مخالف رہی ہے اور کسی نہ کسی رنگ میں کانگریس کی ہمنوا رہی ہے۔''

(ص ۴۵ کالم نمبر ۱)

چونکہ ان کی تحریر حقائق و واقعات کے خلاف ہے اس لئے ریکارڈ کی درستی کے لئے چند سطور قلم بند کی جا رہی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ منور علی شاہد صاحب کا تحریک پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ برائے نام ہی ہے، یا پھر انہوں نے دیدہ دانستہ تاریخ کو مسخ کرنے اور ''ملا ازم'' کے خلاف دل کا غبار نکالنے کی نامحمود سعی کی ہے۔ اصل گفتگو سے پہلے چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں:۔

1. انہوں نے بریلوی مسلک کے علماء کو بھی تحریک پاکستان کا مخالف اور کانگریس کا ہمنوا قرار دیا ہے، لیکن وہ اس دعویٰ کی تائید میں ایک حوالہ بھی پیش نہیں کر سکے، جیسے کہ آئندہ سطور میں وضاحت کی جائے گی۔

❷ میرٹھ کے خطبۂ صدارت کا حوالہ دیتے ہوئے مولوی احمد سعید دیو بندی کی جگہ کاظمی لکھ دیا ہے۔ حالانکہ علامہ سید احمد سعید کاظمی (ملتان) تحریک پاکستان کے زبردست حامی تھے۔

❸ انہوں نے لکھا ہے کہ بریلوی فرقہ کے مجدد اور عظیم البرکت مولوی احمد رضا خان بریلوی نے مسلم لیگ کے متعلق فتویٰ دیا۔ (ص ۴۵ کالم نمبر۲) یہ بھی بالکل غلط ہے، یہ فتویٰ کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس'' کے متعلق ہے جس میں مرزائیوں، نیچریوں اور دوسرے بے دینوں کو مسلمان قرار دے کر ممبر بنایا جا رہا تھا، مرزائیوں کو تو پاکستان کی قومی اسمبلی بھی قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دے چکی ہے، یہ فتویٰ ''رسائل رضویہ'' مطبوعہ لاہور جلد اول صفحہ ۲۲۳ سے ۲۸۳ تک دیکھا جا سکتا ہے، جس پر پاک و ہند کے ۱۷۹ اکابر علماء کے تصدیقی دستخط ہیں۔

❹ شاہد صاحب نے دل کی چھپی ہوئی بات آخر میں صاف لفظوں میں کہہ دی، وہ لکھتے ہیں:

> ''اس سے زیادہ خوفناک المیہ کیا ہوگا کہ اقتدار پرست اور مفاد پرست سیاست نے وہی ''ملّا ازم'' جس سے قائداعظم نے بے پناہ قربانیاں دے کر نجات دلائی تھی، بابائے قوم کی وفات کے بعد دوبارہ پوری قوم اور پورے ملک پر مسلط کر دی گئی ہے۔'' (ص ۴۵ کالم نمبر۳)

حالانکہ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ قائداعظم پاکستان میں کتاب وسنت کا قانون نافذ کرنا چاہتے تھے، اور ظاہر ہے کہ کتاب وسنت کا قانون نافذ کرتے وقت علماء کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں کہ پاکستان کا وجود دو قومی نظریئے کی بنا پر معرضِ وجود میں آیا، یعنی مسلمان اور کافر خواہ وہ ہندو ہوں یا عیسائی ایک قوم نہیں ہیں، بلکہ دو الگ

الگ قومیں ہیں، کانگریس کے ہمنوا علما متحدہ قومیت کے قائل تھے، اور کہتے تھے کہ ہندوستان کے تمام رہنے والے ایک قوم ہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو ـــــ دوقومی نظریہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ:

''کافروں کو کہہ دیجئے لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔''

امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں پوری قوت کے ساتھ دوقومی نظریہ پر روشنی ڈالی ہے، ان کے بعد نمایاں ترین شخصیت امام احمد رضا بریلوی ہیں جنہوں نے بانگ دہل دوقومی نظریئے کی حمایت اور ''ہندو مسلم اتحاد'' کی مخالفت کی۔ انہوں نے ۱۹۲۰ء میں بستر علالت پر دراز ہونے کے باوجود معرکۃ الآراء کتاب ''المحجۃ المؤتمنہ'' لکھی۔ اور ہندو مسلم اتحاد کے بخیے ادھیڑ دیئے، یہی دوقومی نظریہ ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد کی بنیاد بنا اور اسی نظریئے کو ۱۹۳۸ء میں قائداعظم نے اپنایا۔

میاں عبدالرشید کالم نگار ''نورِ بصیرت'' روزنامہ نوائے وقت لکھتے ہیں کہ: علامہ اقبال تحریک خلافت کے مخالف تھے، چنانچہ انہوں نے یہ اشعار لکھے:

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟ خلافت کی کرنے لگا تو گدائی

خریدیں نہ وہ جس کو اپنے لہو سے مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی

مرا از شکستن چناں عار ناید کہ از دیگراں خواستن مومیائی

(بانگ دراء)

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

''قائداعظم بھی اس تحریک اور اس کی ضمنی تحریکوں کو مسلمانوں کے لئے سخت نقصان دہ سمجھتے تھے، مگر ان دنوں کسی نے ان کی ایک نہ سنی، چنانچہ وہ آندھی کے دوران میدانِ سیاست سے ہٹ آئے اور ایک

طرف ہو کر بیٹھ گئے، جن لوگوں نے میدان میں آ کر خلافت، ہجرت اور ترکِ موالات جیسی نقصان دہ تحریکوں کی مخالفت کی اور ان کے حامیوں اور لیڈروں کا زور توڑا وہ حضرت امام احمد رضا خاں اور ان کے احباء، رفقاء اور عقیدت مند ہی تھے۔ ع

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار [1]

مولانا کوثر نیازی سابق وفاقی وزیر و چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل لکھتے ہیں:

''انہوں (امام احمد رضا بریلوی) نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب علامہ اقبال اور قائد اعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے، دیکھا جائے تو ''دوقومی نظریہ'' کے عقیدے میں امام احمد رضا مقتدا ہیں اور یہ دونوں حضرات مقتدی، پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے خبردار نہ کرتے۔'' [2]

فخر ملت اسلامیہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان، نشانِ امتیاز کے تاثرات ملاحظہ ہوں، وہ فرماتے ہیں:

''آج سے سو سال قبل جب انگریز ہندوؤں کے ساتھ ساز باز کر کے ہند کی معیشت پر قابض ہوئے تو مسلمانوں کے تشخص اور تعلیمی نظام کو زبردست دھچکا لگا، استعماری طاقتوں کے مذموم عزائم کی بدولت مذہبی قدریں زوال پذیر ہونے لگیں، اس پُر آشوب دور میں اللہ رب العزت نے برصغیر کے مسلمانوں کو امام احمد رضا جیسی باصلاحیت اور مدبرانہ

---

(۱) عبدالرشید میاں: پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر ص ۱۱۶

(۲) کوثر نیازی، مولانا: مشاہدات و تاثرات، روزنامہ جنگ، راولپنڈی شمارہ ۳ر اکتوبر ۱۹۹۰ء

قیادت سے نوازا کہ جس کی تصانیف، تالیفات اور تبلیغی کاوشوں نے شکست خوردہ قوم میں ایک فکری انقلاب بپا کردیا''۔[۱]

یہی وجہ تھی کہ امام احمد رضا بریلوی کے تمام تلامذہ اور خلفاء نظریہ پاکستان اور تحریک پاکستان کے نہ صرف حامی تھے بلکہ پرجوش مبلغ بھی تھے، سب سے پہلے اہل سنت (بریلوی مسلک) کے مولانا محمد عبدالقدیر بدایونی نے ۱۹۲۵ء میں ایک رسالہ ''ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام'' لکھا جس میں ہندوستان کی تقسیم کے بارے میں تفصیلی تجاویز پیش کی گئیں اور ضلع وار نشاندہی کی گئی کہ فلاں علاقوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور فلاں علاقوں میں ہندوؤں یا دوسری قوموں کی اکثریت ہے، یہ رسالہ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا۔[۲]

جب ۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی تو ہندوؤں نے اس پر بڑی برہمی کا اظہار کیا، طبقۂ علماء میں سب سے پہلے امام احمد رضا بریلوی کے خلیفہ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے اس تجویز کی پرزور تائید کی اور فرمایا: ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے، ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار اور دوسرا مسلمانوں کے ——— ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا؟ یہ ہندو اخبارات کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا، کیا یہ کوئی ناانصافی کی بات تھی؟ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا تو ہندوؤں کو بھی اسی نسبت سے فائدہ ملتا تھا۔ کیا چیز تھی جو اس رائے کی مخالفت پر ہندوؤں کو برانگیختہ کرتی رہی اور انہیں اس میں اپنا کیا ضرر نظر آیا؟[۳]

---

(۱) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۸ء ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ص ۲۱

(۲) محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم ص ۲۷۵

(۳) ایضاً ص ۲۷۶-۲۷۷

۴ر جون ۱۹۴۵ء کو وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ایک منصوبے کا اعلان کیا کہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے مشورے سے نئی ایگزیکٹو کونسل تشکیل کی جائے گی، ۲۵ر جون کو شملہ میں اس کانفرنس کا انعقاد ہوا، اس موقع پر امام احمد رضا کے صاحبزادے مفتی اعظم مولانا مصطفےٰ رضا خان نے بریلی سے وائسرائے ہند کے نام مسلم لیگ کی حمایت کا تار ارسال کیا، یہ خبر ۱۵ر جولائی ۱۹۴۵ء کو روزنامہ انجام دہلی میں چھپی [1]

۱۹۴۶ء کے فیصلہ کن الیکشن میں مولانا مصطفیٰ رضا خاں نے مسلم لیگ کے امیدوار کے حق میں سب سے پہلا ووٹ ڈالا، مسلم لیگ کے رضا کار انہیں جلوس کی شکل میں مفتی اعظم پاکستان کے نعرے لگاتے ہوئے واپس آستانہ عالیہ رضویہ تک لائے [2] یہ واقعہ فروری ۱۹۴۶ء کا ہے جس میں بریلی اور پیلی بھیت کے شہری حلقے میں مولوی عزیز احمد خاں مسلم لیگ کے امیدوار تھے، وہ ۱۱۵۳۱ ووٹ لے کر کامیاب ہوئے ان کے مقابل عبداللطیف فاروقی متحدہ قومیت کے امیدوار تھے جنہیں ۶۰۶ ووٹ ملے [3]

۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء کو فاطمہ باغ، بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی جو تحریک پاکستان کے لئے اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، مشہور ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

> بنارس میں ۲۷/ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی جس میں پانچ ہزار علماء نے شرکت کی، اور حاضرین ومندوبین کے سامنے پاکستان کی ضرورت واہمیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی، جب یہ علماء اپنے اپنے علاقوں میں واپس گئے تو قیام پاکستان کی تحریک کو وسیع پیمانے پر پذیرائی حاصل ہوئی [4]

---

(۱) محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا: البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، ص ۲۹۱

(۲) ایضاً: ص ۲۹۵

(۳) ولی مظہر، ایڈوکیٹ: عظیم قائد عظیم تحریک ج ۱ ص ۳۷۶

(۴) مجلہ معارف رضا ص ۲۳۹، شمارہ ۱۹۸۳ء طبع ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل کراچی۔

۲۹/اپریل ۱۹۴۶ء اس کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں یہ قرار داد متفقہ طور پر پاس کی گئی:

آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔[1]

اسی اجلاس میں اسلامی حکومت کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں یہ حضرات شامل تھے:

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری (یہ تمام حضرات امام احمد رضا بریلوی کے خلفاء ہیں) مولانا عبدالحامد بدایونی دیوان سید آل رسول، اجمیر شریف، خواجہ قمر الدین سیالوی، سیال شریف، شاہ عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف (سندھ) مولانا سید امین الحسنات، مانکی شریف، سرحد، خان بہادر بخشی مصطفیٰ علی، مدراس، مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، لاہور۔[2]

آل انڈیا سنی کانفرنس، اجمیر شریف منعقدہ ۷-۸ جون ۱۹۴۶ء میں خطاب کرتے ہوئے محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی نے فرمایا:

''ان پاکوں کا عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے، یہی علماء و مشائخ اور ان کے برگزیدہ عزائم اور ارادے ہیں جس کا نام آل انڈیا سنی کانفرنس ہے، اور جس میں اس وقت تک صرف علماء و

(۱) غلام معین الدین، مولانا: حیاتِ صدر الافاضل ص ۱۸۹)
(۲) مختصر رپورٹ خطبہ صدارت جمہوریہ اسلامیہ مطبوعہ مرادآباد ۱۹۴۶ء ص ۲۹)

مشائخ کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے۔[1]

یاد رہے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے ممبران کی تعداد ایک کروڑ سے متجاوز تھی۔[2]

اس تنظیم کے صدر امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری اور ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی تھے۔

اسی سال مولانا مفتی اعجاز ولی خاں، مدرس مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف نے پاکستان کی حمایت میں فتویٰ جاری کیا۔[3]

۱۹۴۶ء میں شاعر آستانہ مولانا ضیاء القادری پروپیگنڈہ سیکرٹری ڈسٹرکٹ سنی کانفرنس بدایوں نے ایک اشتہار شائع کیا: جس کا عنوان تھا ''آل انڈیا سنی کانفرنس کے مشاہیر علماء و مشائخین کا متفقہ فیصلہ'':

''مسلم لیگ کو ووٹ دے کر کانگریس کو شکست دی جائے۔''

اس فتویٰ پر پچاس سے زائد علماء اہل سنت کے دستخط ہیں، جن میں سرفہرست مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور مولانا امجد علی اعظمی (خلفاء امام احمد رضا بریلوی) ہیں۔[4]

اہل سنت و جماعت تحریک پاکستان کے اس قدر حامی تھے کہ اہل سنت کے ترجمان ہفت روزہ ''الفقیہ'' امرتسر کی پیشانی پر ۱۹۴۲ء میں لکھا ہوتا تھا: ''الفقیہ امرتسر، پاکستان''۔[5]

کہاں تک تفصیلات پیش کی جائیں، مختصر یہ کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے ہم مسلک علماء و مشائخ نے تحریک پاکستان میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا، مشائخ میں سے

---

(۱) الخطبۃ الاشرفیہ، مطبوعہ مراد آباد ص ۷-۸

(۲) حیات صدر الافاضل ص ۱۸۸

(۳) محمد صادق قصوری، اکابر تحریک پاکستان، ج ۲ ص ۶۶

(۴) اس اشتہار کا عکس ملاحظہ ہو قادیانی مرتد، مرکزی مجلس رضا لاہور، کے ص ۴۴ پر

(۵) عکس ملاحظہ ہو پاکستان بنانے والے علماء و مشائخ ص ۳۲-۱۳۳ از مولانا محمد جلال الدین قادری

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، پیر صاحب مانکی شریف، زکوڑی شریف، سیال شریف، تونسہ شریف، گولڑہ شریف، جلالپور شریف، بھرچونڈی شریف، اور دیگر مشائخ کرام نے ہر طرح تحریک پاکستان کا ساتھ دیا۔

علماء کرام میں سے مولانا عبدالحامد بدایونی، شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، شاہ محمد عارف اللہ قادری، علامہ سید ابوالحسنات قادری، علامہ عبدالغفور ہزاروی، مولانا غلام الدین لاہور، مولانا غلام محمد ترنم، مولانا محمد بخش مسلم، علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری، مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری، مفتی محمد عمر نعیمی، علامہ سید احمد سعید کاظمی اور مولانا عبدالستار خان نیازی وغیرہم نے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا۔ یہی وہ قدسی گروہ ہے جس نے ہر جگہ کانگریس کو مات دی اور ان ہی کی مساعی جمیلہ سے ہر جگہ مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی اور پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

آخر میں یہ عرض کردوں کہ منور علی شاہد صاحب نے امام احمد رضا بریلوی سے متعلق بیان کیا ہے کہ انہوں نے مسلم لیگ کے بارے فتویٰ دیا کہ:

''ایسی مجلس مقرر کرنا گمراہی ہے اور اس میں شرکت حرام اور بدمذہبوں سے میل جول آگ ہے۔''

گزشتہ سطور میں وضاحت کی جاچکی ہے یہ فتویٰ مسلم لیگ کے بارے میں نہیں بلکہ ''کاٹھیاواڑ مسلم ایجوکیشنل'' کے بارے میں تھا۔

شاہد صاحب نے علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری کا یہ فتویٰ بھی نقل کیا ہے کہ:

''لیگ میں مرتدین، منکرین ضروریاتِ دین شامل ہیں اسلئے اہل سنت وجماعت کا ان سے اتفاق واتحاد نہیں ہوسکتا۔''

اس سے کہاں ثابت ہوا کہ علماء اہل سنت وجماعت (بریلوی) نظریہ پاکستان اور تحریک پاکستان کے مخالف تھے؟ اس میں شک نہیں کہ مسلم لیگ میں قادیانی، نیچری اور

دوسرے بہت سے بدمذہب شامل تھے، علماء اہل سنت نے ان کے ساتھ اتحاد نہیں کیا بلکہ مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کی حمایت میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔

علماء اہل سنت نے جس طرح ہندوؤں سے الگ تھلگ رہ کر مسلمانوں کے اسلامی تشخص کی حفاظت کی اسی طرح قادیانیوں وغیرہ بدمذہبوں سے ''وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ'' پر عمل کرتے ہوئے اہل سنت و جماعت کے مسلکی تشخص کی پاسداری کی اور اس کے ساتھ ہی ضرورتِ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے کانگریس اور کانگریس نواز علما کا سحر توڑا اور مطالبۂ پاکستان میں مسلم لیگ کی ہر طرح حمایت کی۔

شاہد صاحب نے مولانا سید محمد میاں قادری برکاتی کا ایک اقتباس نقل کیا ہے کہ:

> ''مسٹر محمد علی جناح مذہباً رافضی ہیں'' کچھ لوگوں نے قائد اعظم کے بارے میں یہی مشہور کر رکھا ہے کہ وہ شیعہ کے فرقہ اسماعیلی سے تعلق رکھتے تھے، ہمارے فاضل دوست سید صابر حسین شاہ بخاری نے ایک تفصیلی مقالہ لکھ کر ثابت کیا ہے کہ قائد اعظم صحیح العقیدہ مسلمان تھے اور شیعہ نہیں تھے۔''[1]

یہ مقالہ حال ہی میں ماہنامہ کنز الایمان، لاہور میں شائع ہوا ہے اللہ تعالیٰ قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

۲۱ رشوال ۱۴۱۹ھ / ۸ رفروری ۱۹۹۹ء

---

(۱) بعد ازاں اس مقالہ میں بہت سے اضافات کیے گئے، اور اسے ایک ضخیم کتاب ''قائد اعظم کا مسلک'' کے زیرِ عنوان بزم رضویہ، لاہور نے شائع کیا ——— طاہر

متفرقات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شریعت بل —— کمزور پہلو

(۱) شق نمبر 1 دفعہ نمبر 5 غیر مسلموں کی آزادی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

غیر مسلموں کے لئے دعھم وما یدینون کے مطابق آزادی ہے کہ وہ اسلامی ریاست میں اپنے دین کے احکام پر عمل کریں۔ لیکن معاملات اور عقوبات کے سلسلے میں اسلامی جج کی طرف رجوع کریں گے تو ان کا فیصلہ اسلامی احکام کے مطابق کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فاحکم بینھم بماانزل اللّٰہ (۵/ ۴۸) مائدہ

اسلامی ریاست میں ان کے لئے اتنی آزادی نہیں ہوگی کہ وہ جہاں چاہیں گرجے اور کلیسے تعمیر کرتے رہیں، ان پر پابندی ہوگی کہ وہ اپنے علاقے میں عبادت گاہیں اور تعلیمی مراکز قائم کریں۔ جہاں مسلمانوں کے بچوں کے داخلے پر پابندی ہو۔

نیز ان پر پابندی ہو کہ وہ مسلمانوں کو مرتد بنانے کی جسارت نہ کریں، قیام پاکستان سے اب تک لاکھوں مسلمانوں کو طرح طرح کے لالچ دے کر مرتد کیا جاچکا ہے۔ اور مسلمان بچوں میں غیر مسلموں کا لٹریچر کھلے بندوں تقسیم کیا جارہا ہے۔

(۲) شق نمبر 2 میں قرآن وسنت کی تشریح کے لئے واضح الفاظ میں اجماع امت یعنی ائمہ مجتہدین کے اجماع کا ذکر کیا جائے۔

(۳) دفعہ نمبر 3 سیاسی نظام

فقہ حنفی کو پبلک لاء کے طور پر نافذ کیا جائے، کیونکہ پاکستان کے مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی پر عمل پیرا ہے، ایران میں فقہ جعفری کے مطابق قانون نافذ ہے، حالانکہ وہاں بڑی تعداد میں اہل سنت وجماعت موجود ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں اکثریت کے مطابق قانون نافذ نہ کیا جائے، فقہ حنفی وہ مجموعۂ قوانین ہے جو سینکڑوں سال

تک اسلامی ریاستوں میں میں پبلک لاء کے طور پر نافذ رہا ہے۔

۴ سودی نظام کو فوری طور پر ختم کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ سے ڈرتے ہوئے اس لعنت کا خاتمہ کیا جائے، بینکاری اور انشورنس کے بارے میں نظریاتی کونسل کی رپورٹوں سے استفادہ کیا جائے۔

۵ شق نمبر 20 کہا گیا ہے کہ ایکٹ میں شامل کسی بھی جز کے باوجود آئین کے تحت عورتوں کے دیئے جانے والے کوئی بھی حقوق نظر انداز نہیں ہوں گے۔''

جب قرآن وسنت کو سپریم لاء تسلیم کیا گیا ہے تو اس استثناء کا کیا مطلب؟ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دئے ہیں وہ دنیا کے کسی بھی قانون نے نہیں دئے۔

۶ شق نمبر 22 دفعہ ب میں فحاشی، غیر اخلاقی اور دیگر سماجی برائیوں کا قلع قمع کر دیا جائے گا۔

شریعت بل کی منظوری کے بعد اسلام آباد سے ایک چینل سی این این شروع کیا گیا ہے جو چوبیس گھنٹے جاری رہتا ہے اور دنیا بھر کی فحش فلمیں دکھا کر فحاشی کو فروغ دے رہا ہے۔ اس چینل کو فوری طور پر بند کیا جائے۔

۷ ارشاد ربانی: الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلٰوۃ و آتوا الزکٰوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر کے مطابق نظامِ صلٰوۃ جاری کیا جائے جو اسلامی اسٹیٹ کے سربراہ کی اولین ذمہ داری ہے، اسی طرح نظامِ زکوٰۃ میں پائی جانے والی خامیوں کی اصلاح کی جائے۔

۸ عائلی قوانین کی غیر اسلامی دفعات کو ختم کیا جائے، شرعی طور پر ایک عورت کو طلاق دے دی جاتی ہے لیکن عائلی قوانین کی بنا پر مرد وزن حسب سابق میاں بیوی کی حیثیت سے رہتے ہیں۔

۹ صدر اور وزیر اعظم سمیت کوئی بھی شخصیت قانون سے بالاتر نہیں ہونی چاہیے۔

میدانِ بدر میں حضرت سواد بن غزیہ بدلہ لینے کا مطالبہ کرتے ہیں تو
سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا سینہ پیش کر دیتے ہیں ——
حضرت فاروق اعظم سے ایک عام آدمی برسرِ مجلس مطالبہ کرتا ہے کہ اس
بات کی وضاحت کریں کہ مالِ غنیمت میں سے ہر شخص کی طرح آپ کو
بھی ایک چادر ملی تھی تو آپ کا یہ کرتہ کیسے بن گیا؟ حضرت فاروق اعظم
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پہلے مطمئن کیا پھر خطبہ دیا۔

(۱۰) وزیراعظم نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ ہم شریعت بل بھی پیش کریں گے اور آئین
میں ترمیم بھی پاس کریں گے لیکن آج تک وہ ترمیم پیش نہیں کی گئی۔

(۱۱) آخر میں یہ بھی عرض کردوں کہ شریعت بل کے سلسلے میں ووٹنگ کے موقع پر جمعیت
علماء پاکستان (نورانی گروپ) کے پارلیمانی بورڈ نے ووٹنگ میں حصہ نہیں لیا
حالانکہ تعاونوا علی البر والتقوی کے مطابق انہیں حصہ لینا چاہیے تھا۔ البتہ
جن شقوں سے اختلاف تھا ان کے بارے میں اختلافی نوٹ دیا جا سکتا تھا۔

(۱۲) کسی بھی قانون کے اعلان کا فائدہ اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے عملی
طور پر نافذ نہ کیا جائے، اس لئے حکومت کو عملی نفاذ کی فکر کرنی چاہیے۔

علماء اہل سنت کی خدمت میں چندتجاویز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

حضرات قائدین اہل سنت واساطین علم وفضل۔آج کا یہ اجتماع اس اعتبار سے بے مثال اجتماع ہے کہ اس میں ملک بھر کے حساس فعال اوراعلیٰ ترین دماغ موجود ہیں۔ دین اسلام اور مسلک اہل سنت کی بہار آپ ہی کے دم قدم سے ہے، ملک وملت کی فلاح و بہبود کا کوئی گوشہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔جناب صدراور آپ کی اجازت سے چند اہم ترین امور کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔امید ہے کہ آپ توجہ سے سماعت فرمائیں گے۔

(۱) ہمارے مدارس کی کارکردگی کے نتائج اطمینان بخش نہیں ہیں، مخالفین کا طریقہ کار یہ ہے کہ ہر سال صوبہ سرحد کے دیہات سے نوعمر بچوں کو سپیشل بسوں میں بھر کر اپنے مدارس میں منتقل کردیتے ہیں۔ہمیں ایساانتظام کرنا چاہیے کہ صوبہ سرحداور آزاد کشمیر میں چھوٹے چھوٹے مدارس قائم کریں جہاں کثرت سے طلباء کوداخلہ دیاجائے اور پھرانہیں ترغیب دے کر بڑے مدارس میں منتقل کیاجائے۔اور فارغ ہونے والے علماء کی باقاعدہ سرپرستی کر کے انہیں کسی بھی مناسب جگہ مقرر کیا جائے۔

(۲) ہمارے مدارس کا معیار تعلیم بھی روبہ زوال ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ مدرسین کوتدریس کے لیے اس طرح مختص کردیا جائے کہ انہیں امامت یا کسی دوسرے کاروبار کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہی نہ رہے، نیز اس طرف بھی توجہ دی جائے کہ طلباء تحصیل علم کے ساتھ باعمل، باکردار، استقامت کے خوگراور للّٰہیت کے پیکر بھی ہوں۔ اس مقصد کے لیے انہیں سیرت طیبہ، سیرت صحابہ اور تصوف سے ضرور روشناس کرایا جائے، اس سلسلے میں دوسری ضروری بات یہ ہے کہ طلباء کوتقریر کے ساتھ ساتھ تحریر کی بھی تربیت دی

جائے جو طلبہ سکول کی تعلیم نہ رکھتے ہوں انہیں لکھنا سکھایا جائے اور جو سکول کالج کے تعلیم یافتہ ہوں انہیں مزید پختہ کار بنایا جائے۔سہ ماہی، شش ماہی، سالانہ امتحانات تقریری اور تحریری دونوں طریقوں سے لیے جائیں۔مبتدی سے لے کر منتہی تک ہر طالب علم سے ہر ماہ ایک مقالہ لکھوایا جائے تا کہ ہمارے ہاں جو لکھنے والوں کا قحط ہے وہ دور ہو سکے۔

(۳) ہمارے ہاں فن تجوید پر بھی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔قراءت سبعہ اور عشرہ پڑھانے والے اساتذہ خال خال ہی ملیں گے، دیوبندیوں نے تجوید کے مستقل مدارس قائم کر رکھے ہیں اور ایک ایک کلاس میں بیس بیس پچیس پچیس طلباء شریک ہوتے ہیں۔

(۴) شریعت فیکلٹی اسلام آباد کے قاضی کورس میں بھی زیادہ سے زیادہ فارغ التحصیل علماء کو بھیجنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔وہاں اہل سنت و جماعت طلبہ کی تعداد برائے نام ہے۔کل جب حکومت وہاں کے فارغ قاضیوں کو منصب قضا پر مقرر کرے گی تو ان میں غالب اکثریت دوسرے مکتب فکر کے لوگوں کی ہوگی۔

مستقبل قریب میں امید ہے کہ سرکاری سطح پر قاضیوں کا تقرر کیا جائے گا۔اس لیے تنظیم المدارس کی طرف سے قاضی کورس کا انتظام ہونا چاہیے۔اسی صورت میں حکومت سے قاضی کورس کی سند کی اہمیت منوائی جا سکے گی۔

(۵) ہمارے مدارس میں متعدد ایسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جو دوسروں کی لکھی ہوئی یا ان پر دوسروں کے حواشی لکھے ہوئے ہیں۔ظاہر ہے طلبہ کے ذہن پر اس کا قطعاً اچھا اثر نہیں پڑتا۔اس لیے ہمارے ماہرین تعلیم کو سنجیدگی سے اس کا نوٹس لینا چاہیے۔پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ درسی کتب کی شروح اور حواشی میں جو باتیں مسلک اہل سنت کی مؤید ہوتی ہیں مخالفین انہیں قصداً حذف کر دیتے ہیں۔آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اساتذہ درسی کتابوں پر شروح اور حواشی لکھنے کی طرف متوجہ کیوں نہیں ہوتے؟

(۶) الحمدللہ! گزشتہ چند سالوں میں اہل سنت کی متعدد اشاعتی ادارے معرضِ وجود میں آگئے ہیں جو اپنی ہمت و طاقت سے بڑھ کر مصروف کار ہیں۔شاید آپ کے علم میں نہ ہو

کہ وہ لوگ کتنی مشکلات سے دوچار ہیں۔ پورے ملک میں پھیلے ہوئے مخالفین کے کتب خانے ان کی حوصلہ شکنی پر تلے ہوئے ہیں۔ سخت مجبوری کے بغیر اہل سنت کی مطبوعات اپنے پاس رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، ادھر عوام اہل سنت کا یہ حال ہے کہ ان میں کتاب خوانی کا ذوق ہی نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سنی ناشر اگر کوئی علمی کتاب چھاپ لیتا ہے تو اسے نکاسی کے لیے سالہا سال انتظار کرنا پڑتا ہے ——— درسی کتابیں اکثر و بیشتر مخالفین شائع کر رہے ہیں۔ اقتصادی اعتبار سے بھی یہ صورت حال خوشگوار نہیں ہے کیونکہ اہل سنت کا سرمایہ ان کی تجوریاں بھرنے اور ان کے کاروبار کے فروغ کے کام آتا ہے۔ یہ غور طلب مسائل ہیں۔ ان کے حل کے لیے ہر شہر اور ہر مدرسے میں ایک کتب خانہ قائم ہونا چاہیے۔ اس سے:

- ——— ایک تو سنی ناشرین کی حوصلہ افزائی ہوگی اور
- ——— دوسرا عوام الناس کو ان کی ضرورت کا لٹریچر بآسانی مہیا ہو سکے گا۔
- ——— تیسرا فائدہ یہ ہے کہ مسلک کی مؤثر ترین طریقے پر تبلیغ ہو سکے گی۔
- ——— پھر یہ ایک نفع بخش کاروبار بھی ہے۔

(۷) ہر مدرسہ میں ایک لائبریری ہونی چاہیے جس میں نو بہ نو چھپنے والا لٹریچر محفوظ ہو، اس سے ہمیں اپنی تاریخ محفوظ کرنے کا فائدہ بھی ہو سکے گا۔ آج اہل سنت کی کوئی ایسی قابل ذکر لائبریری نہیں ہے جس میں ماضی میں چھپنے والا لٹریچر محفوظ ہو۔ کہیں آپ کو ''دبدبۂ سکندری''، ''ماہنامہ اشرفی'' کچھوچھہ شریف، ماہنامہ ''السواد الاعظم'' مرادآباد، ''تحفہ حنفیہ'' پٹنہ، ''الفقیہ'' امرتسر اور ''انوار الصوفیہ'' وغیرہ رسائل و جرائد کے مکمل فائل نہیں ملیں گے۔ آخر کوئی شخص اہل سنت کی تاریخ لکھنے بیٹھے گا تو مواد کہاں سے حاصل کرے گا۔ مقررین، خطباء اور مشائخ کو چاہیے کہ وہ عوام الناس کو سنی لٹریچر سے روشناس کرائیں اور انہیں پڑھنے کی تلقین کریں۔

(۸) ائمہ حضرات ہر نماز کے بعد پانچ منٹ کے لیے ''بہار شریعت، مکاشفۃ القلوب،

ہمارا اسلام یا دینِ مصطفےٰ'' جیسی کتاب سے مسائل پڑھ کر سنائیں، اس کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ عوام الناس علماء اہل سنت کی ان کتابوں سے متعارف ہوں گے، دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ دینی مسائل مربوط انداز سے عوام تک پہنچیں گے۔ تو دینی ذوق رکھنے والوں کی سیرابی ہو گی۔ آج عوام الناس بڑی کثرت سے تبلیغی جماعت کے چکر میں اسی لیے سرگرداں ہیں کہ وہ دینی مسائل اور دین کی باتیں حاصل کرنے کا شوق رکھتے ہیں اگر ان کے دینی ذوق کی تکمیل کا سامان ہمارے ہاں میسر ہو جائے تو وہ دوسری طرف رُخ نہیں کریں گے۔

(۹) ملک کی آبادی کا بڑا حصہ خواتین پر مشتمل ہے۔ جماعت اسلامی نے کالجوں میں لڑکیوں کی باقاعدہ تنظیم قائم کر رکھی ہے۔ مخالفین نے لڑکیوں کی دینی تعلیم کے لیے مدارس کھول رکھے ہیں۔ گمراہی اور بے دینی کے سدِ باب کے لیے اس پہلو پر بھی توجہ دینے کی سخت ضرورت ہے۔

(۱۰) ملازمت اور تجارت سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد دینی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے لیے الگ نصاب تیار کرنے اور دوسرے پہر کے بعد کلاسیں جاری کرنی چاہئیں۔

(۱۱) انجمن طلباء اسلام سکولوں اور کالجوں میں اہل سنت و جماعت کے نوجوانوں کی تنظیم ہے، یہ نوجوان وسائل کے فقدان کے باوجود عشق مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شمع فروزاں رکھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ ان نوجوانوں کی حوصلہ افزائی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

حضرت سید ابراہیم میاں صاحب مارہروی رحمہ اللہ تعالیٰ

کے فرزند ارجمند کی

تاریخ پیدائش

"تاریخُ وِلَادَۃِ الوَجِیۡہِ" (معزز بچے کی تاریخ ولادت)

۱۳۱۲ھ

نتیجۂ فکر: امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

ترجمہ وتشریح: محمد عبدالحکیم شرف قادری

درس می گفتم بہ منطِق منطقم معنی کشا

طالباں چوں ذہن حاضر، ذہن چوں معنی رسا

(ترجمہ) میں علم منطق کا سبق پڑھا رہا تھا، میری گفتگو مطلب کو بے نقاب کر رہی تھی، طالب علموں کا ذہن حاضر تھا اور میرا ذہن مطلب تک پہنچنے والا تھا۔

(شرح) اس شعر میں لفظ منطق دو دفعہ آیا ہے، پہلی مرتبہ منطق سے مراد علم منطق ہے اور دوسری دفعہ منطق سے مراد گفتگو ہے۔

بود ذکرِ وضعِ ج ب، رمزِ عامِ وضع وحمل

ج ہمی گفت آمد و ب آنکہ با خیر و بہا

(ترجمہ) ج ب کی وضع کا ذکر تھا جو کہ وضع وحمل کا عام اشارہ ہے۔ ج کہتا تھا کہ وہ آ گیا ہے اور ب نے کہا کہ آنے والا خیر وخوبی کے ساتھ آ گیا۔

(شرح) منطقیوں نے مختلف قضایا حملیہ کی مثال دینے کے لئے ایک مختصر قضیہ تیار کیا ہے

اور وہ ہے ج ب۔ ج سے مراد موضوع ہے اس جگہ کسی بھی موضوع کو رکھا جا سکتا ہے۔ ب سے مراد محمول ہے خواہ کوئی بھی محمول ہو۔ چونکہ منطقی گفتگو کا ذکر ہو رہا ہے اس لئے وضع اور حمل کا قریبی معنی ہوگا موضوع اور محمول ہونا اور وضع کا بعید معنی ہوگا، بچے کا جننا اور حمل کا بعید معنی ہوگا عورت کا امید سے ہونا، سننے والے کا ذہن قریب معنی کی طرف جائے گا، جبکہ متکلم کی مراد بعید معنی ہے اسے صنعت ایہام کہتے ہیں۔

می زدم فال فرح از منطق ایں ہر دو حرف

کادم از بلگرام ایں مژدۂ فرحت فزا

(ترجمہ) میں ان دو حرفوں کی گفتگو سے خوشی کی فال لے رہا تھا کہ اچانک بلگرام سے یہ فرحت افزا خوشخبری آئی۔

کاقترانی ، شکل جانی منتج[1] مطلوب شد

آمد آں مقصود ج باخیر آں محمودِ با

(ترجمہ) کہ شکل جانی اقترانی نے مطلوب کا نتیجہ فراہم کر دیا ہے، وہ ج کا مقصود آ گیا اور ب کا محمود خیر کے ساتھ جلوہ گر ہو گیا۔

(شرح) قیاسِ اقترانی منطق کی اصطلاح میں وہ قیاس ہے جس کا نتیجہ یا نقیض نتیجہ قیاس میں بالفعل (یکجا) مذکور نہ ہو، اسی طرح منطق کی اصطلاح میں شکل صغریٰ اور کبریٰ کی اس مجموعی کیفیت کو کہتے ہیں جو انہیں حد اوسط کی تکرار کے اعتبار سے لاحق ہو، لیکن امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کا لغوی معنی مراد لے رہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ بلگرام سے یہ خوشخبری آئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سید ابراہیم میاں مارہروی کو فرزند ارجمند عطا فرمایا ہے، جیسے کہ آئندہ شعر میں یہ بات صراحت کے ساتھ آ رہی ہے۔

---

(۱) میرے سامنے جو تاریخ ولادت کی منظوم تاریخ ہے اس میں ہے ''منتج مطلوب'' معنوی اعتبار سے یہ واؤ زائد معلوم ہوتی ہے اس لئے حذف کر دی گئی ۱۲ اشرف قادری

حق بہ ابراہیم نورِ عین و سعد قلب داد
موصلِ تصدیق ایمانش کند فضلِ خدا

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم مارَہرَوِی (راء پر زبر، باء ساکن اس کے بعد پھر راء پر فتح) کو آنکھ کا نور اور دل کا سرور عطا فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ کا فضل ان کے ایمان کو تصدیق تک پہنچانے والا بنائے (یعنی ان کے ایمان کو دوسروں کے لئے حصول تصدیق کا ذریعہ بنائے۔

قولِ شارع را الٰہی قولِ او شارح بکن
دینِ بارع را خدا یا فعلِ او حُجت نما

(ترجمہ) اے اللہ! ان کے قول کو حضرت شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کا شارح بنا اور اے خدا! دین عظیم کے لئے ان کے فعل کو حجت بنا (یعنی ان کا ہر فعل دین متین کے مطابق بنا۔)

(شرح) منطق کی اصطلاح میں قولِ شارح اس معلوم تصوری کو کہتے ہیں جو مجہول تصوری تک پہنچنے کا ذریعہ بنے اور حُجت اس معلوم تصدیقی کو کہتے ہیں جو مجہول تصدیقی تک پہنچنے کا وسیلہ بنے، لیکن امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قولِ شارح اور حُجت کو لغوی معنی میں استعمال کیا ہے۔

منطقیے گفت تاریخش بگو گفتم بجاں
از ہمیں حج تب کہ خوانی سال می آید بجا

(ترجمہ) ایک منطقی نے کہا کہ اُس نومولود کی تاریخ پیدائش ارشاد فرمائیں، میں نے کہا میں دل و جان سے تیار ہوں، یہی حج تب جو آپ پڑھ رہے ہیں، اسی سے سال پیدائش برآمد ہو رہا ہے۔

لیک عکس مستوی کن ،وفق وضع وطبع

حمل پیش از وضع باشد ب بود[1] بالائے جا

(ترجمہ) لیکن وضع اور طبع کے مطابق اس کا عکس مستوی نکالیں (یعنی ج جو موضوع تھا اسے محمول بنادیں اور ب جو محمول تھا اسے موضوع بنادیں) حمل وضع (پیدائش) سے پہلے ہوتا ہے اور ب اپنی جگہ پر آجائے گی۔

(شرح) منطقی اصطلاح کے مطابق ج موضوع کی علامت اور با محمول کی علامت ہے، امام احمد رضا اس جگہ بھی حمل اور وضع کو لغوی معنوں میں استعمال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ب حمل کی علامت ہوتی ہے اور حمل پہلے ہوتا ہے اور ج وضع کی علامت ہے اور وضع (پیدائش) بعد میں ہوتی ہے، اب عبارت یوں ہوگی:

ب ج

نزد اکثر ہ الف الفت ست ج را ہمچو ب

لفظ را حاکم بکن تا حرف گرد چار تا

(ترجمہ) اکثر علماء کے نزدیک ب کی طرح ج کو بھی الف کے ساتھ الفت ہے، لفظ کو حاکم بنائیں تاکہ چار حرف ہو جائیں (ب آ ج آ)

پس چہار آ حاد را اعداد ترتیبا نگار

ایں مراتب میرود تا الف و حاجت شد روا[2]

(ترجمہ) پھر چار حرفوں کو ترتیب وار ہندسوں میں لکھو یہ مراتب الف تک جائیں گے اور حاجت پوری ہو جائے گی۔

(شرح) ب کے عدد دو ہیں ج کے تین اور الف کا ایک، جب ہم حرفوں کو اعداد میں تبدیل کریں گے تو یہ اعداد سامنے آئیں گے:

---

(۱) لفظ ''بود'' اصل میں نہیں تھا راقم نے اضافہ کیا ہے۔۱۲ اشرف قادری

(۲) یہ جگہ خالی تھی راقم نے ''شد روا'' لکھ کر شعر پورا کر دیا ہے۔۱۲ اشرف قادری

(۱۳۱۲) یہی سال پیدائش ہے۔

باز از ب، ج ہندآرائے شادی می رسد
در عجم فال شہی کو خواست باج از ابتدا

(ترجمہ) پھر ب ج سے ہندوستان کوسنوارنے والی خوشی پہنچتی ہے۔

عجم میں بادشاہی کی نیک فال یہ ہے کہ انہوں نے ابتدا ہی سے باج (خراج، لگان) طلب کیا ہے۔

(شرح) بآج سے تاریخ پیدائش معلوم ہوئی، باج کا معنی ہے خراج اور لگان جو بادشاہ اپنی رعایا سے وصول کرتے ہیں، معلوم ہوا کہ نومولود بادشاہ عجم ہیں کہ انہوں نے ابتدا ہی میں باج (خراج) طلب کیا ہے۔

در عرب از شادیش لمعانِ روئے والدین
تثنیہ از لَوج بَاجَ البرق زخشد از سما

(ترجمہ) عرب میں ان کی خوشی سے والدین کے چہرے کی چمک دمک ہے۔ دو دفعہ کی چمک (کہا جا سکتا ہے) بجلی آسمان سے چمکی۔

(شرح) عربی زبان میں بَاجَ کا مصدر بَوج'' ہے جس کا معنی چمکنا ہے، فرزند نومولود کی پیدائش سے والدین کے چہرے جگمگا اُٹھے، گویا آسمان سے بجلی چمکی۔

در دو حرف آں بحث علم ایں گونہ سال آں سہ زبان
ایں چنیں تاریخ نغز وتر کہ گوید؟ جز رَضا

(ترجمہ) دو حرفوں میں وہ علمی بحث اور اس طرح سالِ (پیدائش) کا تین زبانوں میں بیان ایسی عمدہ اور شاندار تاریخ رَضا کے علاوہ کون کہے گا؟

(شرح) تین زبانوں عربی، فارسی اور بصورت ب آج آ سال پیدائش کا استخراج کیا، یہ امام احمد رضا بریلوی ہی کا کمالِ فن ہے، ہر شخص کی فکر پرواز اتنی بلند نہیں ہو سکتی۔

جلال التاریخ ۱۳۱۲ھ

رسد از ما ہزار ہا تسلیم
بر براہیم و آل ابراہیم

۷۵۹۔۵۵۳ = ۱۳۱۲ھ

(ترجمہ) ہماری طرف سے ہزاروں سلام پہنچیں ابراہیم اور آل ابراہیم پر۔

(شرح) یہ انداز ماخوذ ہے درود ابراہیمی سے ''کماصلَّیْتَ عَلٰی ابراھیم وعلی آل ابراھیم''

(نوٹ:) تاریخ ولادت پر مشتمل یہ اشعار امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے فکر کا نتیجہ ہیں، ایک عرصہ ہوا کسی دوست نے مجھے دیئے تھے، کئی دفعہ انہیں سمجھنے اور حل کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی، چند دن پہلے پھر یہ کاغذ میرے سامنے آیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی یا اللہ! ان اشعار کو میرے لئے آسان فرما اور امام احمد رضا بریلوی کے روحانی فیوض و برکات سے مالا مال فرما، الحمد للہ! اس کے بعد میں ان اشعار کو پڑھتا گیا اور ان کے مطالب مجھ پر منکشف ہوتے گئے، فالحمدللّٰہ علی ذلک۔

یہ سوچ کر کہ ع

''حلوہ نہ تنہا بایست خورد''

اسے اشاعت کے لئے بھجوا رہا ہوں تا کہ برادران اہلِ سنت بھی ان سے محظوظ ہوں اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی عبقری شخصیت کا اندازہ لگائیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ مطالب و مضامین ان کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوتے تھے، جدھر توجہ فرماتے انہیں صفحۂ قرطاس پر منتقل کردیتے انہوں نے بجا فرمایا ہے: ع

''جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں''

۸ربیع الاول ۱۴۲۵ھ/۳۰/اپریل ۲۰۰۴ء

دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف کا مختصر تعارف

مکتوبِ تہنیت

محمد عبد الحکیم شرف قادری، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زینت سجادہ عالیہ رضویہ، مرکز اہل سنت بریلی شریف حضرت مولانا سبحان رضا خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج شریف

یہ امر باعث مسرت وفرحت ہے کہ دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف کو قائم ہوئے سو سال پورے ہو چکے ہیں اور ۲۵ رصفر ۱۴۲۲ھ کو امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے عرس کے موقع پر جشن صد سالہ منایا جا رہا ہے —— دنیا بھر کے اہل سنت وجماعت آپ کو مسرت وشادمانی کے اس سعید موقع پر تہِ دل سے ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

بلاشبہ دار العلوم منظر اسلام، بریلی شریف مینارۂ نور وہدایت ہے —— مرکز حق وصداقت ہے —— منبع رشد ومعرفت ہے —— سرچشمۂ فیض وبرکت ہے —— شیخ مکتب کے فیضان نظر کا یہ عالم ہے کہ جو یہاں آیا صبغۃ اللہ (اللہ تعالیٰ کے رنگ) میں رنگا گیا —— کوئی مفتیٔ اعظم ہند ہوا تو کوئی ملک العلماء کہلایا —— کوئی مفسر اعظم ہند تو کوئی شیر بیشۂ اہل سنت قرار پایا —— کوئی محدث اعظم پاکستان تو کوئی شیخ القرآن کے منصب پر فائز ہوا۔

منظر اسلام بریلی شریف ۱۳۲۲ھ میں ابتداءً رحیم یار خان صاحب کے مکان پر قائم کیا گیا —— مولانا ظفر الدین بہاری اور مولانا عبد الرشید عظیم آبادی دو طلبہ سے مدرسہ کا افتتاح ہوا —— محدث بریلوی امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف کا سبق شروع کرایا —— منظر اسلام تاریخی نام ہے جو امام احمد رضا بریلوی کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا علامہ محمد حسن رضا خاں نے تجویز کیا —— وہی اس مدرسہ کے پہلے مہتمم مقرر

ہوئے۔

دوسرے سال ۱۳۲۳ھ کی روئداد منظر اسلام اس وقت میرے سامنے ہے جسے حضرت علامہ محمد حسن رضا خاں نے مرتب کیا تھا، دار العلوم نعیمیہ، کراچی کے شیخ الحدیث حضرت مولانا جمیل احمد نعیمی مدظلہ کی عنایت سے یہ روئداد راقم کو حاصل ہوئی۔ اس روئداد میں دوسرے سال کی آمدن اور خرچ کی تفصیل بیان کی گئی ہے، نیز کلاس وار طلباء کی تعداد اور زیر درس کتابوں کی نشاندہی کی گئی ہے، عام طور پر مدارس میں ابتدائی کلاس کو پہلی کلاس قرار دیا جاتا ہے اور آخری کلاس یعنی درجہ حدیث کو آٹھویں کلاس کہا جاتا ہے۔ جبکہ اس مدرسہ میں قرآن پاک کی کلاس کو درجۂ اول قرار دیا گیا، اس درجے میں پڑھنے والے طلبہ پچیس تھے، چار طلبہ قواعد بغدادی پڑھنے والے تھے۔ دوسرے درجے میں پڑھنے والے طلباء کی تعداد اکیس تھی، ان میں مولانا سید حکیم عزیز غوث، مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا سید عبد الرشید، مولانا نواب مرزا وغیرہم علماء تھے اور یہ درس نظامی کی آخری کلاس تھی جسے دوسرا درجہ قرار دیا گیا۔ تیسرے درجے میں ستائیس طلبہ تھے، چوتھے درجے میں چونتیس (۳۴) طلباء تھے اور پانچویں درجے میں پانچ طلباء تھے۔ ان درجات کے تمام طلباء کی تعداد ۱۱۶ تھی، جب کہ باقی درجات کے طلباء کی تعداد کا ذکر نہیں ہے، تاہم امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سوچ کی ایک انفرادیت یہ تھی کہ حدیث شریف کی کلاس کا نام درجہ ثانیہ اور ابتدائی کتب پڑھنے والے طلباء کی کلاس کا نام درجہ ثامنہ رکھا۔

اس روئداد سے منظر اسلام کے نصاب کا بھی پتا چلتا ہے، نصاب میں جہاں منطق کی کتب میر زاہد ملا جلال، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، شرح سُلّم بحر العلوم، فلسفہ میں میبذی اور علمِ ہئیات میں تصریح وغیرہ کتب شامل ہیں، وہیں صحاح ستہ کے علاوہ شفاء شریف اور مسند امام اعظم بھی شامل نصاب ہیں، جنہیں آج بھی شامل نصاب کرنے کی ضرورت ہے، اسی طرح فارسی کی متعدد کتب تعلیم عزیزی، اخلاق محسنی، انوار سہیلی، گلزار دبستان حصہ اول، رُقعات مظہر الحق وغیرہ شامل ہیں۔

اس روئداد میں امتحان لینے والے علماء کے تاثرات بھی شامل ہیں، ممتحن حضرات کی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) محدث جلیل حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی،

(۲) فاضل تبحر حضرت مولانا عبدالسلام،

(۳) مولانا حافظ قاری بشیر الدین جبلپوری،

(۴) حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری،

(۵) مولانا محمد ارشد علی رامپوری رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا عبدالسلام جبلپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے تحریر کردہ تاثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں اور حضرت مولانا حسنین رضا خاں رحمہما اللہ تعالیٰ بھی امتحان دینے والوں میں شامل تھے، اگر چہ یہ واضح نہیں ہوتا کہ انہوں نے کس درجے کا امتحان دیا؟ ۔ مولانا عبدالسلام جبلپوری تحریر فرماتے ہیں:

خصوصاً میاں مولوی مصطفےٰ رضا خاں اور میاں مولوی حسنین رضا خان نے جس عمدگی اور خوبی وخوش اسلوبی کے ساتھ نہایت بلند مرتبہ کا شاید و باید محققانہ امتحان دیا، حق تو یہ ہے کہ وہ انہیں کا حصہ تھا۔ بارک اللہ فی علمهما وفهمهما۔ (روئداد ۱۳۲۳ھ ص ۳)

حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ رامپوری تلمیذ رشید حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین رامپوری (رحمہما اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

ہمت عالی اور توجہ خاص منتظمِ دفتر جناب مولانا محمد حسن رضا خان صاحب دام مجد ہم سے امید کامل ہے کہ اس مدرسہ مبارکہ سے جس کی نظیر اقلیم ہند میں کہیں نہیں ہے، ایسے برکات فائض ہوں جو تمام اطراف وجوانب کی ظلمات اور کدورات کو مٹائیں اور ترویج عقائد حقہ منیفہ اور ملت بیضاء شریفہ حنیفہ کے لئے ایسی مشعلیں روشن ہوں جن

سے عالم منور ہو۔ (روئداد ص ۵۱)

اس روئداد میں طلبہ کے لکھے ہوئے دو فتوے بھی شامل ہیں، ایک فتویٰ اردو میں ہے جو مولانا علامہ ظفر الدین بہاری کا تحریر کردہ ہے اور دوسرا فارسی میں ہے جو مولانا علامہ غلام محمد بہاری کا لکھا ہوا ہے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ منظر اسلام میں کس نہج پر طلباء کو تیار کیا جاتا تھا؟۔

منظر اسلام بریلی شریف کے پہلے مہتمم حضرت مولانا حسن رضا خاں تھے، دوسرے مہتمم حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، ۱۳۶۲ھ کے بعد پانچ چھ سال مولانا تقدس علی خاں مہتمم رہے، پھر مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خاں، ان کے بعد مولانا ریحان رضا خاں اور اب حضرت مولانا سبحان رضا خان قادری رضوی مدظلہ العالی مہتمم ہیں۔

ابتدائی دور کے اساتذہ میں یہ نام ملتے ہیں

مولانا بشیر احمد —— علی گڑھ

مولانا علامہ رحم الٰہی —— مظفر نگر

صدر الشریعۃ مولانا امجد علی —— گھوسی، اعظم گڑھ

بدر الطریقۃ مولانا عبد العزیز خاں —— بجنور

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں —— بریلی شریف (فرزند اکبر امام احمد رضا)

صدر الشریعۃ مولانا امجد علی علوم شرعیہ نقلیہ میں اور مولانا علامہ رحم الٰہی علوم عقلیہ میں ممتاز تھے، ان میں سے کسے صدر مدرس بنایا جائے؟ اس بارے میں آراء مختلف ہو گئیں، امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا: انہیں باری باری صدر مدرس بنایا جائے اور دونوں کو پچاس پچاس روپے مشاہرہ دیا جائے۔

اگر کوئی مدرس بغیر اجازت غیر حاضر ہوتا تو اس کی ایک دن کی تنخواہ کاٹ لی جاتی —— اور اگر ان کے صاحبزادے (حضرت حجۃ الاسلام) غیر حاضر ہوتے تو ان کی دو چند تنخواہ کاٹی جاتی تھی۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی للٰہیت کا یہ عالم تھا کہ نظام حیدر آباد دکن نے آپ کے صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں کو صدر الصدور کے عہدے پر مقرر کرنا منظور کیا —— جب یہ آرڈر امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو دکھایا گیا تو آپ نے یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا ۔

ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

اسی طرح نظام حیدر آباد دکن نے منظر اسلام بریلی شریف کے لئے دو سو روپے ماہانہ منظور کئے، جو امام احمد رضا بریلوی نے تاحیات وصول نہیں کئے، البتہ آپ کی وفات کے بعد حجۃ الاسلام کے دور میں وصول کئے گئے۔ آپ نے فرمایا تھا:

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا، پڑے اس بلا میں میری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

انہوں نے صرف یہ کہا نہیں تھا، بلکہ اس پر عمل کر کے دکھا دیا اور اس کی برکت یہ ہوئی کہ ان کا قائم کیا ہوا دار العلوم، منظر اسلام دنیا بھر کے اہل سنت و جماعت کا مرجع اور مرکز قرار پایا —— اور موجودہ سجادہ نشین حضرت مولانا سبحان رضا خاں مدظلہ العالی نے سابق وزیر اعظم ہند کی دو کروڑ روپے کی پیشکش مسترد کر کے اسلاف کی یاد تازہ کر دی۔

اللہ تعالیٰ منظر اسلام، بریلی شریف کو مزید وسعت اور ترقی عطا فرمائے، اس عظیم الشان ادارے کو صبح قیامت تک پائندہ و سلامت رکھے آمین —— مقام مسرت ہے کہ اس وقت بھی متبحر علماء اور فاضل مدرسین کی ایک ٹیم منظر اسلام میں مسند تدریس کی زینت ہے اور علماء سازی کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔

آستانہ عالیہ رضویہ زندہ باد —— منظر اسلام پائندہ باد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالعلوم منظرِ اسلام بریلی کے کارنامے

منظر اسلام !تونے

- ○ غیر مسلم اکثریت والے ہندوستان میں پرچم اسلام بلند کیا۔
- ○ شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کا مقابلہ کر کے لاکھوں مسلمانوں کو ارتداد کے گڑھے سے نکالا۔
- ○ قادیانیت، نیچریت، رافضیت اور وہابیت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ آج بھی اس کے اثرات محسوس کئے جا رہے ہیں۔ کسی صاحب نے بالکل بجا کہا ہے:
- ○ گستاخیوں کے طوفان کی زد میں مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عشق ومحبت کی شمع روشن رکھی۔
- ○ پاک و ہند میں محافل میلاد کی بہار اور نعرۂ رسالت کی گونج تیرے دم قدم سے ہے۔ کسی صاحب نے بالکل بجا کہا ہے:

زمانے میں ہے احساں آپ کے احمد رضا خاں کا
پڑھایا جس نے ہر دم سنّیوں کو ''یارسول اللہ''!

- ○ اُس وقت عظمتِ الوہیت اور ناموس رسالت کا پہرا دیا جب **بعض کلمہ** پڑھنے والے کہہ رہے تھے کہ (معاذ اللہ!) اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے اور نبی اکرم ﷺ ہم جیسے بشر ہیں۔
- ○ تونے دوقومی نظریئے کا پرچار کیا، جس کی حمایت قائداعظم اور علامہ اقبال نے کی، یہی وہ نظریہ ہے جس کی بنیاد پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔
- ○ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کے پاس ہوتے ہی پاکستان کے حق میں فتویٰ دیا۔
- ○ اور تیرے ہم مسلک علماء نے پاکستان کی حمایت میں پوری قوت صرف کر دی یہاں تک کہ پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

○ اور تیرے ہم مسلک علماء و مشائخ نے ۱۹۴۶ء میں ''آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس'' منعقد کی جو تحریک پاکستان کے لئے سنگ میل ثابت ہوئی۔

○ تو نے بیک وقت ہندو اور انگریز کی سیاست کا سحر توڑا۔

○ کانگریس اور کانگریسی علماء کی یلغار کو ناکام بنایا۔

○ تیرے فیض یافتگان میں سے محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی، علامہ عبدالمصطفےٰ ازہری، علامہ وقار الدین (کراچی) علامہ سید جلال الدین شاہ (بھکھی شریف) اور دوسرے بہت سے علماء و فضلاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تیرا فیضان پاکستان کے گوشے گوشے تک ہی نہیں دوسرے ممالک تک پہنچایا۔

○ ملت اسلامیہ کو عظیم ترین فتاوی (فتاوی رضویہ) عظیم ترجمۂ قرآن پاک (کنز الایمان) اور عشق مصطفےٰ کا نعتیہ دیوان (حدائق بخشش) دیا۔

○ چودہویں صدی کے مجدد، بریلی کے تاجدار، امام اکبر محمد احمد رضا خاں بریلوی کے ہاتھوں تیری زندگی کا آغاز ہوا، جن کا پیغام دنیا بھر میں بایں الفاظ گونج رہا ہے۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

جن کو علامہ اقبال نے اپنے دور کا ''ابو حنیفہ'' قرار دیا اور ملت اسلامیہ کے عظیم محسن اور ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے مسلمانوں کا وہ نجات دہندہ قرار دیا۔ جس نے انگریز اور ہندو کے چنگل سے نجات دلائی۔

جن کے بارے میں جناب محمد اعظم چشتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا:

علم و حکمت کو کیا جس نے شناسائے جنوں ہے وہ فیضانِ رضا، واللہ فیضانِ رضا
راہ پاتے ہیں یہیں سے رہروانِ کوئے دوست جا کے ملتی ہے حرم سے کوئے ایوان رضا

منظر اسلام!

○ تجھے دنیا بھر کے اہل محبت خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

○ تیرے سادات سے پیش کردہ اسلامیان پاکستان تجھے

ہدیہ سپاس پیش کرتے ہیں

[illegible] ۱۴۲۰ھ — محمد عبد الحکیم شرف قادری رضوی

[illegible] ۲۰۰۰ء — استاذ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ناظم تعلیم و تربیت جماعت اہل سنت پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف کا پاکستان پر فیضان

۱۹۹۹ء میں جس جواں سال فاضل ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری نے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عربی شاعری پر سات سو صفحات کا مقالہ لکھ کر جامعہ ازہر سے ایم فل کی سند حاصل کی تھی، اسی فاضل نوجوان نے ۱۶ر فروری ۲۰۰۴ء کو بطل حریت تاجدار منطق وحکمت علامہ محمد فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری کے تنقیدی اور تحلیلی تجزیے پر مقالہ لکھ کر پی۔ایچ۔ڈی کے امتحان میں درجۂ اولیٰ میں کامیابی حاصل کی۔ یہ فاضل بھی چند واسطوں سے منظر اسلام بریلی شریف کے فیض یافتگان میں سے ہے۔

راقم الحروف اس امتحان کی کاروائی براہِ راست سر کی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے لاہور سے قاہرہ پہنچا اور اللہ تعالیٰ کا صد ہزار شکر ہے کہ اس نے مجھے سعادت ومسرت کی اس تاریخی گھڑی میں شریک ہونے کا موقع عطا فرمایا۔

اس کے ساتھ ہی میں جامع مسجد سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جہاں آپ سر اقدس مدفون ہے) اور ایک ہزار سالہ قدیم مسجد جامع ازہر کے زیر سایہ بیٹھ کر چشم تصور سے ''دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف'' کو دیکھ رہا ہوں، جس نے اسلام اور سنیت کا نور بکھیرتے ہوئے سو سال کا طویل عرصہ پوری استقامت کے ساتھ طے کر لیا ہے، وہ منظر اسلام جس سے حوادث زمانہ کی موجیں آ کر ٹکراتی رہیں، مخالفین کی شرانگیزیاں اور حاسدین کی ریشہ دوانیاں اس سے متصادم ہوتی رہیں، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر عنایت، شہنشاہِ بغداد کے فیض توجہ سے استقامت کا پہاڑ بن کر کھڑا رہا۔ اس کے بانی دنیائے سنیت کے امام، چودہویں صدی کے مجدد، امام

احمد رضا بریلوی بارگاہِ رسالت میں فریاد پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہیں:

اک طرف اعدائے دیں اور اک طرف ہیں حاسدیں
بندہ ہے تنہا شہا، تم پہ کروروں درود

اس فریاد سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حالات کتنے سنگین تھے؟ اور ماحول کس قدر ناساز گار تھا؟۔لیکن امام احمد رضا کی فریادیں رائیگاں نہیں گئیں، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی گھٹائیں دار العلوم منظر اسلام اور شہر بریلی پر موسلا دھار برسیں اور ظاہری اسباب و وسائل کی قلت کے باوجود "منظر اسلام" کا پیغام پوری دنیا میں پہنچنے لگا اور گوش دل و جاں سے سنا جانے لگا۔

گونج گونج اُٹھے ہیں نغماتِ رضا سے بوستاں
کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

(امام احمد رضا)

آج سے پچیس سال پہلے جامعہ ازہر میں امام احمد رضا اور دار العلوم منظر اسلام، بریلی کا ہم مسلک پاکستانی یا ہندوستانی طالب علم ڈھونڈنے سے نہیں ملتا تھا؟ لیکن آج اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سو سے زیادہ طلباء مختلف شعبوں میں مصروف تعلیم و تحقیق ہیں، کوئی انگلینڈ سے آیا ہے اور کوئی پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، نیپال اور سری لنکا سے، صرف جامعہ ازہر نہیں بلکہ جامعہ عین شمس، جامعۃ القاہرہ اور جامعۃ الدُوَل العربیۃ میں بھی ہمارے ہم مسلک طلباء موجود ہیں، لطف کی بات یہ ہے کہ جامعہ ازہر شریف کے اساتذہ کا وہی مسلک صوفیاء ہے جو امام احمد رضا بریلوی کا ہے، یعنی مسلک اہل سنت و جماعت، جامعہ ازہر کا امتیازی وصف اعتدال اور وسطیت ہے، یعنی جامعہ ازہر انتہا پسندی یا دہشت گردی کا حامی نہیں ہے۔

دار العلوم منظر اسلام، بریلی شریف شمالی ہند میں واقع وہ مینارۂ نور ہے جس کی

شعائیں پوری دنیا میں پہنچی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو صبح قیامت تک پہنچتی رہیں گی۔
دارالعلوم منظر اسلام سے اکتساب فیض کرنے والے فضلاء یوں تو دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور اسلام کا پیغام مختلف خطوں میں پھیلا رہے ہیں، لیکن پاک و ہند کے اطراف واکناف خاص طور پر اس دارالعلوم سے فیض یاب ہوئے ہیں، اہل سنت و جماعت کے جتنے مدارس ہیں وہ سب دارالعلوم منظر اسلام کی فکری اور علمی برانچیں ہیں۔ درج ذیل سطور میں پاکستان کے مستفیض ہونے کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

یادر ہے کہ تحریک پاکستان کے دور میں دارالعلوم منظر اسلام کے منتظمین، فضلاء اور متعلقین نے ۱۹۴۶ء میں سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے بنارس میں تحریک پاکستان کی بیک آواز حمایت کی تھی، مولانا مفتی اعجاز ولی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے بریلی شریف کے دارالافتاء سے پاکستان کی حمایت میں فتویٰ دیا تھا اور ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں جب کانگریس اور مسلم لیگ کا مقابلہ تھا تو اس میں حضرت مفتیٔ اعظم ہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلم لیگ کے امیدوار کے حق میں ووٹ ڈالا تھا۔ مسلم لیگ کے ورکر انہیں ''مفتیٔ اعظم پاکستان زندہ باد'' کے گونجدار نعروں میں خانقاہ رضویہ سے لے کر گئے اور واپس چھوڑ کر گئے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد لاہور بلکہ پاکستان میں نمایاں ترین شخصیت امام المحدثین حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ محدث الوری اور ان کے فرزند ارجمند مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری کی تھی، یہ دونوں حضرات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی بارگاہ سے سند اجازت و خلافت یافتہ تھے، جب کہ علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تو دو سال امام احمد رضا کی بارگاہ میں رہ کر افتاء کی تربیت بھی حاصل کرتے رہے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے فتووں میں فتاویٰ رضویہ کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے، ان حضرات نے قیام پاکستان سے بہت پہلے مرکزی انجمن حزب الاحناف اور اس کے تحت دارالعلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی تھی، اس دارالعلوم سے بڑے بڑے علماء اہل

سنت نے سند فراغت حاصل کی ان میں شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی (فرزند حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ) مولانا محمد نوراللہ نعیمی (مؤلف فتاویٰ نوریہ چھ جلدوں میں) اور شیخ القرآن مولانا علامہ غلام علی اوکاڑوی وغیرہم شامل تھے۔

حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری کی سرپرستی میں دہلی دروازے کے اندر جامع مسجد وزیر خاں میں عظیم الشان جلسے منعقد ہوتے تھے جس میں ملک بھر (متحدہ ہندوستان) کے جلیل القدر فضلاء شامل ہوا کرتے تھے، ۱۹۵۳ء میں یہی مسجد تحریکِ ختم نبوت کا مرکز قرار پائی جس کے صدر علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری کے بڑے بھائی) تھے اور تحریک ختم نبوت ۱۹۷۱ء کے جنرل سیکرٹری علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری کے صاحبزادے شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی تھے جس کے نتیجے میں پاکستان کی قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا اور اسی مسجد میں حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری نے مولوی اشرف علی تھانوی کو دعوت دی کہ آ کر علماء اہل سنت کے ان اعتراضات کے جوابات دیں جو ان کی طرف سے علماء دیوبند پر وارد کیے گئے ہیں، لیکن حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور دیگر بیسیوں علماء کی تشریف آوری کے باوجود تھانوی صاحب نہیں آئے، دیوبندی بریلوی اختلاف کو ختم کرنے کا یہ سنہری موقع تھا جو تھانوی صاحب نے ضائع کر دیا۔

پاکستان میں مسلک اہل سنت کے بڑے علم بردار محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ محمد سردار احمد چشتی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جو دارالعلوم منظر اسلام کے فیض یافتہ علماء میں بڑا نمایاں مقام رکھتے تھے، پہلے منظر اسلام پھر جامعہ رضویہ مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، بریلی شریف میں پڑھاتے رہے، بیسیوں نامور فضلاء نے بریلی شریف میں ان سے اکتساب فیض کیا، نوجوانی کے عالم ہی میں مشہور دیوبندی مناظر مولوی منظور احمد نعمانی سے بریلی شریف میں حفظ الایمان کی عبارت پر مناظرہ کیا، چوتھے دن نعمانی صاحب نے راہ

فرار اختیار کرنے میں خیریت سمجھی، محدث اعظم پاکستان کے بریلی شریف کے شاگردوں میں علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری (فرزند صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی) مولانا وقارالدین (کراچی) مولانا سید جلال الدین شاہ (بانی جامعہ محمدیہ بھکھی شریف گجرات) شارح بخاری حضرت مولانا غلام رسول رضوی (صاحب تفہیم البخاری) حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی، مولانا علامہ محمد نواز صاحب (رحمہ اللہ تعالی) مولانا سید منصور حسین شاہ، سابق مدرس جامعہ رضویہ، فیصل آباد، مولانا سید یعقوب شاہ (کیرانوالی ضلع گجرات) مولانا عبدالقادر شہید بانی جامعہ قادریہ، فیصل آباد، مولانا معین الدین شافعی مولانا قاری محمود احسن، لاہور وغیرہم قیام پاکستان کے بعد آپ نے فیصل آباد میں جامعہ رضویہ مظہر اسلام کے نام سے مدرسہ قائم کیا، جہاں سے سینکڑوں علماء فارغ التحصیل ہوکر نہ صرف پاکستان کے کونے کونے میں پہنچ کر دین متین کی تعلیم وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں بلکہ دوسرے ممالک میں بھی اسلام کا پیغام پہنچا رہے ہیں، راقم نے اسی مدرسہ سے تحصیل علم کا آغاز کیا اور حضرت محدث اعظم سے صغریٰ کے بعض اسباق پڑھنے اور بخاری شریف کا ایک درس سننے کی سعادت حاصل کی۔

حضرت کے پاکستانی تلامذہ میں چند نمایاں نام یہ ہیں:

۱ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور/شیخوپورہ جن کی مساعی سے فتاوی رضویہ کی نئی ترتیب اور کتابت کے ساتھ پچیس جلدیں شائع ہوگئی ہیں، پانچ مزید چھپیں گی۔(۱)

۲ مولانا ابوداؤد محمد صادق قادری رضوی سرپرست ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ

۳ مبلغ اسلام مولانا محمد ابراہیم خوشتر، ماریشس

---

(۱) الحمد للہ ۲۰۰۵ تک ان کی تیس جلدیں چھپ چکی ہیں۔

۴ حضرت شیخ الحدیث مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی، مناظر اسلام

۵ مولانا علامہ فیض احمد اویسی (صاحب تصانیف کثیرہ)

۶ مولانا علامہ نور محمد خاں (بابا نور خان صاحب، سرگودھا)

ایک دفعہ غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نجی محفل میں فرمایا کہ انصاف کی بات یہ ہے کہ مسلک امام احمد رضا کی تبلیغ جس طرح محدث اعظم پاکستان نے کی ہے یہ ان ہی کا حصہ ہے۔

تیسری شخصیت شیخ القرآن حضرت علامہ مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے جو حضرت پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ کے مرید اور منظر اسلام بریلی شریف کے فاضل تھے، علامہ ہزاروی صاحب مقبول عام خطیب تھے، فی البدیہ ایسی ایسی باتیں ارشاد فرماتے کہ سننے والے علماء حیران رہ جاتے، انہوں نے وزیر آباد میں دورۂ قرآن کا اہتمام کیا جو ماہ شعبان کے وسط سے شروع ہو کر ۲۵ ر رمضان تک جاری رہتا، اس سلسلے میں سینکڑوں علماء اور مدرسین نے ان سے استفادہ کیا۔

حضرت مولانا علامہ عبدالرازق صاحب دورۂ قرآن میں علامہ ہزاروی کے معاون ہوا کرتے تھے وہ بھی منظر اسلام کے فضلاء میں سے تھے اور عرصہ تک گولڑہ شریف جمعہ پڑھاتے رہے۔

غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضور مفتیٔ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ سے اجازت وخلافت حاصل تھی، انہوں نے مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان کے نام سے مدرسہ قائم کیا، اور اس میں حدیث شریف پڑھاتے رہے، کچھ عرصہ جامعہ اسلامیہ، بہاولپور میں بحیثیت شیخ الحدیث درس دیتے رہے اور سینکڑوں علماء تیار کئے جو اندرون پاکستان اور بیرون پاکستان اسلام کی خدمت کر رہے ہیں، آپ زبردست محدث، مناظر، محقق، خطیب اور مقبول عام شیخ طریقت تھے، آپ نے

ہمہ جہت اسلام کی خدمات انجام دیں، آپ کے چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱ مولانا مفتی سید شجاعت علی قادری

۲ مولانا مشتاق احمد چشتی، شیخ الحدیث

۳ مولانا علامہ خورشید احمد فیضی

۴ مولانا علامہ منظور احمد فیضی، احمد پور شرقیہ

۵ مولانا مفتی محمد اقبال سعیدی

۶ مولانا علامہ صاحبزادہ ارشد سعید کاظمی وغیرہم،

راقم کو بھی حضرت سے اجازت حدیث حاصل ہے۔

ان کے علاوہ حضرت علامہ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی ثم لاہوری بھی منظر اسلام کے فضلاء میں سے تھے، بھاٹی دروازہ لاہور کے اندر واقع جامع مسجد بیری والی میں خطیب رہے، متعدد کتب کے مصنف تھے، مولانا قاضی محمد مظفر اقبال رضوی ان کے فرزند اور جانشین ہیں۔

حضرت استاذ العلماء، مولانا تقدس علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ منظر اسلام کے فارغ بھی تھے اور اس کے مہتمم بھی رہے، پاکستان بننے کے بعد پیر جو گوٹھ، ضلع خیر پور میں تشریف فرما ہوئے، پیر صاحب پگارا کے استاد تھے، ان ہی کی وجہ سے پیر صاحب کہا کرتے تھے کہ میں بریلوی ہوں نیز جامعہ راشدیہ کے شیخ الجامعہ اور شیخ الحدیث تھے بیسیوں علماء ان کے شاگرد ہیں، اس وقت جامعہ راشدیہ کے شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد رحیم سکندری بھی حضرت کے شاگرد ہیں، حضرت مولانا تقدس علی خاں کو شرح جامی کا خطبہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے پڑھایا تھا، راقم نے تبرکاً ان سے یہ خطبہ پڑھا تھا۔

حضرت کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا مفتی اعجاز ولی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ دار العلوم منظر اسلام سے فاضل تھے، دار الافتاء رضویہ کے مفتی رہے، پاکستان بننے کے بعد

پاکستان آگئے، جامعہ محمدی شریف، جہلم، جامعہ نعیمیہ، لاہور، جامعہ نعمانیہ لاہور میں پڑھاتے رہے۔ آخر میں جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور ابھی اسباق شروع نہیں ہوئے تھے کہ رحلت فرما گئے، راقم ان کی جگہ ایک عرصہ تک جمعہ پڑھاتا رہا۔

حضرت مولانا سید علی اصغر شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ یکے از اولاد حضرت پیر سید جماعت علی شاہ لاثانی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی دارالعلوم کے فضلاء میں سے تھے۔

مختصر یہ کہ وہ کتنی سعید گھڑی تھی؟ جب اخلاص کے ایک پیکر نے محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے دارالعلوم منظر اسلام کی بنیاد رکھی تھی، اس اخلاص کی برکت تھی کہ وہاں سے تیار ہونے والے علماء نے اسلام کی روشنی نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچائی اور بلکہ ان کی کوششوں سے دوسرے ممالک اور خاص طور پر پاکستان بقعۂ انوار بنا ہوا ہے۔ صوفیہ کا وہ اسلام جس نے دلوں کو مسخر کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا تھا، دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف کے فضلاء اسی اسلام کی شناخت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنے اور بیگانے ایک لفظ ''صوفی'' کہہ کر ان کے تشخص کو اجاگر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی قبر انور پر رحمت و رضوان کی بارشیں نازل فرمائے جنہوں نے اپنی جیب خاص سے اس مدرسے کا آغاز کیا تھا، آج بھی یہ مدرسہ بحمدہٖ وتعالیٰ ان کے ہم مسلک یعنی دل کی تمام تر گہرائی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے علماء تیار کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کرے کہ اسلام کا یہ منارۂ صبح قیامت تک قائم اور تابندہ رہے۔ آمین

ان دنوں حضرت مولانا سبحان رضا خاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ دارالعلوم منظر اسلام کے مہتمم اور خانقاہِ رضویہ کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے ساتھ ساتھ ماہنامہ اعلیٰ

حضرت بھی باقاعدگی سے نکالتے ہیں، دارالعلوم بھی بحسن وخوبی چلا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں مزید توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں یہ فقیر اس موقر مجلّہ کے ذریعے برادران اہل سنت و جماعت کی خدمت میں گزارش کرنا چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کو مقامی طور پر دینی تعلیم دلوا کر اعلیٰ تعلیم کے لیے دنیائے اسلام کی عظیم یونیورسٹی جامعہ ازہر شریف میں بھجوائیں، تاکہ وہ علمی اور تحقیقی لحاظ سے بلند مقام پر فائز ہوں اور عربی لکھنے، بولنے اور پڑھنے میں قابل قدر مہارت حاصل کریں۔ تاہم یہ ضرور خیال رکھیں کہ آپ کے صاحبزادے کے پاس جس ادارے کی سند ہو وہ سند جامعہ ازہر میں مقبول اور منظور ہو، اس کے بغیر آپ کے بیٹے کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔



ایک مکتوب

محترم ومکرم حضرت سلطان ریاض الحسنٰ قادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ مزاج شریف!

اہل سنت و جماعت کی فلاح و بہبود کے لئے کل پاکستان مشائخ کانفرنس کی اطلاع سے دلی مسرت حاصل ہوئی۔ مولائے کریم جل شانہٗ آپ کو اس کارِ عظیم میں کامیابی عطا فرمائے۔

۱۔ ہمارے مشن کی ایک شق ملک پاک میں نظامِ مصطفٰے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا نفاذ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ نظامِ اسلام کا تفصیلی مجموعہ اردو اور انگریزی میں تیار کر کے شائع کریں خصوصاً سود کے متبادل اسلامی نظامِ معیشت کا پیش کرنا وقت کی اہم اور فوری ضرورت ہے۔

۲۔ وفاقی شرعی عدالت، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں مختلف اسلامی مسائل پر مقدمات کی سماعت ہوتی ہے۔ ہمیں وکلاء اور علماء کا ایک بورڈ تیار کرنا چاہے جو صحیح اسلامی نقطہ نظر پیش کرے۔

۳۔ اس وقت اعتقادی اضمحلال طاری ہے۔ لیکن عملی طور پر تو ہم انتہائی تنزل کا شکار ہیں۔ دین متین کی بنیادی تعلیمات کا ہمیں علم ہی نہیں۔ ان پر عمل کیا ہوگا؟ مشائخ کرام کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ عوام وخواص کو اعتقادی اور عملی طور پر اتنا مضبوط اور مستحکم کر دیا جائے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات سے سرِ مُو منحرف نہ ہوں۔ یہی کامیابی اور ترقی کی راہ ہے۔ اس کے بغیر نہ تو قوم منظم ہوسکتی ہے اور نہ ہی فعال کردار ادا کرسکتی ہے۔

۴۔ آپ یہ طے کرلیں کہ یہ تنظیم غیر سیاسی ہوگی۔

۵۔ آپ کو اپنا پورا وقت پاکستان کے لئے وقف کر کے غیر ملکی دورے ملتوی کرنا ہوں گے۔ امید ہے کہ فقیر کی گزارشات توجہ سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

۳۰ رجنوری ۱۹۹۲ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری عفی عنہ

سپاس نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زعیم ملت، فخر اہل سنت، زیب سجادۂ امام احمد رضا، حضرت مولانا محمد ریحان رضا خاں مدظلہ العالی و برادران اہل سنت!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

حضرت گرامی! آج عوام اہل سنت عموماً اور جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے منتظمین، اساتذہ اور طلباء آپ کو اپنے درمیان پا کر اپنے دلوں میں ایسی مسرت محسوس کر رہے ہیں جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی تشریف آوری نے ہمیں نیا جوش اور ولولہ عطا کیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ ایمانی حرارت زندہ و پائندہ اور روز افزوں ترقی پر رہے۔

مخدومِ اہل سنت! ہم آپ کی دینی و ملی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں، آپ نے اہل سنت کا وقار بلند کرنے کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے۔ دارالعلوم منظر اسلام بریلی شریف نے آپ کے زیر انتظام قابل قدر ترقی کی ہے اور میدانِ سیاست میں آپ نے مسلمانوں کی بھرپور نمایندگی کی ہے۔

قائد محترم! آپ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ بریلی شریف کو دنیائے سنیت میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور تمام اہل سنت کی نگاہیں اسی مرکز کی طرف اٹھتی ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند کے وصال کے بعد آپ کی ذمہ داریوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کی بے شمار توقعات آپ سے وابستہ ہیں اور آپ بجا طور پر انہیں پورا کرنے کے اہل ہیں۔

حضرت مجاہد اسلام! نہایت اختصار کے ساتھ چند باتیں آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں یہ پوری قوم کے دل کی آواز ہیں:-

۱۔ متحدہ عرب امارات میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے ترجمۂ قرآن پاک اور حضرت صدر الافاضل کی تفسیر پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ

علماء اور وکلاء کی ایک جماعت متعلقہ ممالک میں جا کر وہاں کی اعلیٰ عدالت میں اس حکم کو چیلنج کرے اور دلائل کی روشنی میں انہیں اس حکم کو کالعدم قرار دینے پر مجبور کرے۔

اس کے علاوہ بین الاقوامی زبانوں میں امام احمد رضا بریلوی کی علمی و دینی خدمات اور عقائد و تعلیمات کو شائع کر کے پوری دنیا میں پھیلایا جائے اور مخالفانہ مسموم پروپیگنڈے کا قلع قمع کیا جائے۔

الحمدللہ! پاکستان میں مرکزی مجلس رضا، لاہور کی طرف سے اردو، عربی، انگریزی، سندھی اور پشتو میں لاکھوں کی تعداد میں کتابیں شائع کر کے دنیا بھر میں تقسیم کی جا چکی ہیں اور منظمۃ الدعوۃ الاسلامیۃ لاہور عربی میں متعدد کتابیں شائع کر کے تقسیم کی جا رہی ہیں۔ اسی نوعیت کا کام مرکز اہل سنت و جماعت بریلی شریف سے بھی ہونا چاہیے۔

۲۔ بریلی شریف میں بین الاقوامی سطح کا ایک عظیم الشان دارالعلوم قائم ہونا چاہیے جس میں ہزاروں کی تعداد میں طلبہ کسب فیض کریں اور فارغ ہو کر دنیا کے گوشے گوشے میں فیض رضا اور پیغام رضا پہنچانے کا اہتمام کریں۔ ہمیں علم ہے کہ آپ عرصہ سے ایک یونیورسٹی قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاہم اب تک اس پروگرام کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا۔

۳۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی نے تقریباً ایک ہزار تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ حضرت کے وصال کو ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے لیکن تا حال یہ تصانیف زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکیں۔ اگر وقت اسی طرح گزرتا رہا تو خطرہ ہے کہ یہ علمی نوادرات ضائع ہو جائیں جیسے کہ کئی قیمتی مخطوطے ضائع ہو چکے ہیں۔ اس لئے بریلی شریف میں وسیع بنیادوں پر رضا اکیڈمی قائم ہونی چاہیے جو امام احمد رضا بریلوی کی تمام تصانیف کو جدید طریقہ پر ایڈٹ کر کے شائع کرے خصوصاً فتاویٰ

رضویہ کی تمام جلدیں منظر عام پر آنی چاہئیں۔

۴۔ ایک ایسا ادارہ ہونا چاہیے جو اچھے قلم کاروں کی سرپرستی کرے۔ نو آموز افراد کو تربیت دے اور امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف کو عربی، انگریزی اور ہندی میں منتقل کرنے کا اہتمام کرے۔

۵۔ بریلی میں ایک عظیم لائبریری ہو جہاں اہل سنت و جماعت کا تمام لٹریچر محفوظ ہو اور یہ سہولت میسر ہو کہ دنیا کے کسی گوشہ سے کوئی ادارہ اگر امام احمد رضا بریلوی کی غیر مطبوعہ تصانیف کی فوٹو حاصل کرنا چاہیے تو اسے مل سکے۔

۶۔ بریلی شریف میں کتب خانوں کے قیام پر توجہ دی جائے اور جو حضرات اس سلسلے میں پیش قدمی کریں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ بریلی میں بیسیوں مکتبے ہونے چاہئیں جو پوری دنیا کو سنی لٹریچر فراہم کر سکیں۔

۷۔ آپ کی سرپرستی میں سنی تبلیغی جماعت قائم کی جائے جو ایک طرف تو اعراس، محافل میلاد اور دیگر دینی مجالس کو با مقصد بنائے اور دوسری طرف تصحیح عقائد کے ساتھ ساتھ اعمال و اخلاق کی اہمیت سے عوام و خواص کو روشناس کرائے اور قوم کو فی سبیل اللہ تبلیغ کرنے والے مہیا کرے۔

۸۔ بے شمار مسلمان آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوتے ہیں جہاں ان کے ہاتھ میں بریلی شریف کے تعویذات والی انگوٹھی ہوتی ہے۔ وہاں انہیں تاکید کی جائے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی تصانیف کا مطالعہ لازمی کریں اور ہر سنی کے ہاتھ میں امام اہل سنت کا کوئی رسالہ ہونا چاہیے۔

۹۔ ازراہِ کرم سال چھ مہینے کے بعد آپ پاکستان کا دورہ فرمائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان سلسلۂ رضویہ میں داخل ہوں اور مسلک اہل سنت کو تقویت حاصل ہو۔

جامعہ نظامیہ رضویہ ۱۱ر شوال ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء میں قائم ہوا۔ اس کا سنگ بنیاد

حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد چشتی قادری قدس سرہٗ نے اپنے دست مبارک سے فرمایا۔ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ کو دارالعلوم کے موجودہ ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی نے تعمیر جدید کا افتتاح فرمایا۔ اور اب یہ دارالعلوم تین منزلہ پرشکوہ عمارت کی صورت میں عوام وخواص کو دعوت نظارہ دے رہی ہے۔ یہ عمارت چالیس کمروں پر مشتمل ہے۔ ۲۸ سال کے عرصہ میں جامعہ نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی ہے، اس وقت جامعہ ملک بھر کے سنی مدارس کی فعال تنظیم ''تنظیم المدارس'' کا مرکزی دفتر ہے۔ اس دور میں جامعہ کے شعبہ تصنیف وتالیف نے نمایاں ترقی کی۔ بیسیوں کتب پر مبنی اسلامی لٹریچر کی طباعت کا سہرا جامعہ کے اس شعبہ، مکتبہ قادریہ کے سر ہے۔ جامعہ کے اساتذہ مختلف عنوانات پر مضمون نویسی اور تصنیف وتالیف میں شب وروز منہمک ہیں۔ جامعہ کے تدریسی شعبہ میں اس وقت ۱۲۲ اساتذہ مصروف تعلیم اور تقریباً چار صد طلباء علوم دینیہ حاصل کر رہے ہیں۔

عالی مرتبت! یہ منصوبے اگرچہ بے شمار اخراجات کے متقاضی ہیں اور اہل سنت وجماعت کو کسی بھی حکومت کی طرف سے امداد کی سہولت میسر نہیں ہے لیکن اگر حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ کے لاکھوں مریدوں اور امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے ان گنت معتقدین کو منظم کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر عنایت سے تمام مشکلات آسان ہو جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کی سرپرستی میں اہل سنت وجماعت کو اپنا مقام پہچاننے اور اپنے مقصد کی لگن عطا فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آخر میں جامعہ نظامیہ رضویہ کے اراکین، اساتذہ اور طلباء کی طرف سے آپ کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

امام اہل محبت

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے حضور

عالمِ اسلام کی قدیم ترین یونیورسٹی الأزہر شریف میں تعلیم کے دوران مختلف یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا کا چرچا ہوتے دیکھا اور خود راقم نے الازہر یونیورسٹی سے فاضل بریلوی کی عربی شاعری پر پیش کئے گئے مقالے میں ''ایکسیلنٹ گریڈ'' حاصل کیا، جسے عربی میں ''ممتاز'' کہتے ہیں، اور اس موقع پر فرحت وانبساط نے درج ذیل اشعار کا روپ دھارلیا، مقطع میں اسی طرف اشارہ ہے:

اے محمد مصطفیٰ کے عاشقِ صادق غلام — تو کہ ہے عرب وعجم کے اہلِ سنت کا امام

خونِ دل سے لکھ کے نعتِ حضرتِ عالی جناب — عشق ومستی کے جہاں میں پالیا اونچا مقام

تجھ کو ملکِ شعر کی شاہی خدا نے کی عطا — اہلِ فن کو آج بھی اس میں نہیں ہے کچھ کلام

سرزمینِ مصر پہ ہیں چار سو چرچے ترے — جامعہ سے جامعہ تک ہے کوبہ کو تیرا پیام

تو نے ''خفتہ بخت امت'' کو دیا درسِ حیات — جانبِ منزل چلا پھر کاروانِ تیز گام

مجھ سے کیونکر ہو سکے گا تیری عظمت کا بیاں — تجھ پہ میری جاں فدا ہو، تجھ کو ازھر کا سلام

''آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے'' — باغِ جنت کی ہوا دائم رہے مستِ خرام

تیرے ہی صدقے ملا ''ممتاز'' کو ''ممتاز'' آج — کرسکوں جو تیری مدحت یہ نہیں میرا مقام

بتاریخ: ۶ ستمبر ۱۹۹۹ء

نتیجۂ فکر: ممتاز احمد سدیدی
حال مقیم: قاہرہ، مصر

ضمیمہ

منقبت در شان جامعہ ازہر شریف
أقامها الله وأدامها

جامعہ ازہر سدا اونچا رہے تیرا مقام — تیرے علم و معرفت سے فیض پائیں خاص و عام

رفعت افلاک دیتی ہے تجھے دائم خراج — تیرے مینارے رہیں ضوبار بہر خاص و عام

نور رسول اللہ کے انوار کا گنجینہ ہے — اہل بیت پاک کے اسرار کا مظہر تمام

تو جہالت کے مقابل نور کا سرچشمہ ہے — تیری عظمت اور فضیلت میں نہیں کوئی کلام

تیری تبلیغوں کے آگے ہے جبین کفر خم — ظلمت طاغوت کو ملتا نہیں کوئی مقام

تیرے سب فضلاء سراپا حلم اور اخلاص ہیں — شرق سے تا غرب کہتے ہیں سبھی ان کو سلام

ڈاکٹر مرسی، نجیب و حازم و فرہود سب — پیکر اخلاق سب اور لائق صد احترام

سید حازم محقق ہیں جناب اقبال کے — اور رضا کے فیض سے حاصل انہیں اونچا مقام

شیخ ازہر سید طنطاوی کے الطاف سے — ہم ہوئے ہیں فیض یاب و قائل لطف عام

یا رسول اللہ سدا ہم پر رہے نظر کرم — ہم ہیں دائم تیرے دربار اقدس کے غلام

نیل کے ساحل ہمیشہ شاد اور آباد ہوں — قاہرہ کے رہنے والے سب رہیں شاداں مدام

میرے بیٹے کی طرح ممتاز سب طلاب ہوں — پرچم اسلام کو اونچا رکھیں با احتشام

جملہ سادات گرامی کے فیوض عام سے
یہ شرف بخشیں ہو مشرف اور ہر اک خاص و عام

محمد عبد الحکیم شرف القادری
شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
نزیل فندق الملکی سیدنا حسین بالقاہرہ

۶ رجمادی الآخرہ ۱۴۲۰ھ
۱۶ ستمبر ۱۹۹۹ء

عرس قاسمی مارہرہ مطہرہ

اپنی روایتی شان و شوکت کے ساتھ سرزمین مارہرہ شریف پر عرس قاسمی نہایت ہی تزک و احتشام کے ساتھ ۲۱۔۲۲ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو منعقد ہوا جس میں ملک و بیرون ملک کے مشاہیر علماء و مشائخ نے شرکت فرمائی۔ خصوصیت کے ساتھ حضور ازہری میاں صاحب قبلہ بریلی شریف' صاحب سجادہ حضرت سبحانی میاں صاحب بریلی شریف' حضرت منان رضا خاں صاحب بریلی شریف' صاحب سجادہ حضرت ضیاء صاحب کالپی شریف' محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب جامعہ اشرفیہ مبارکپور' مفتی عبدالمنان صاحب قادری شیخ الحدیث شمس العلوم گھوسی' رئیس التحریر علامہ ارشد القادری بانی جامعہ حضرت نظام الدین دہلی' عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ' مفتی نظام الدین صاحب جامعہ اشرفیہ' مفتی جلال الدین صاحب قبلہ امجدی خلیفہ احسن العلماء بستی' مولانا یٰسین اختر مصباحی چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''کنز الایمان'' دہلی' مولانا محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری جامعہ رضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج' مفتی شمس الدین صاحب بہرائچ' حضرت مولانا سید عارف صاحب سابق شیخ الحدیث منظر اسلام بریلی شریف' ہالینڈ سے حضرت علامہ بدر القادری صاحب قبلہ' زمبابوے سے حضرت مولانا حافظ محمد حمید الحق برکاتی جانشین حضور شارح بخاری علیہ الرحمۃ' پاکستان سے حضرت مولانا سید عبدالحق صاحب قبلہ ابن حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق صاحب قبلہ و دیگر بہت سے علماء کرام و ملک بھر کی خانقاہوں کے سجادگان اس نورانی جلسہ میں حاضر تھے۔ عوام کا تو ایک ہجوم تھا جو عقیدت و محبت سے سرشار مارہرہ شریف کی سرزمین پر اپنی دنیا و عاقبت سنوارنے اور نور کی بارش سے سیراب ہونے کے لیے چلے آرہے تھے۔

علماء اسلام و دانشوران و مفکرین نے اپنے اپنے خطابات میں مختلف موضوعات پر روشنی ڈالی اور چبھتے ہوئے مسائل کا بڑی گہرائی سے جائزہ لیتے ہوئے اور مسلکی اختلافات پر روشنی ڈالتے ہوئے مسلک اعلیٰ حضرت کی حقانیت کو آفتاب نیمروز کی طرح آشکارا کیا۔ صاحب سجادہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف امین شریعت حضرت حضور سید امین میاں صاحب مدظلہ النورانی اور رفیق ملت حضرت علامہ نجیب میاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی نے عوام کو مسلک اعلیٰ حضرت پر گامزن رہنے کی تلقین فرمائی۔ پاکستان سے تشریف لائے ہوئے مہمان خصوصی شہنشاہ قلم حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب قبلہ نے اپنی تقریر کے دوران اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی حیات و کارنامے پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بیان فرمایا کہ امام احمد رضا بریلوی کی علمی جلالت کا ہند و پاک کے علاوہ اب مصر میں بھی ڈنکا بج رہا ہے' ان پر مختلف نوعیتوں سے ریسرچ ہو رہے ہیں اور تشنگان علم استفادہ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر محققین و دانشوروں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی کہ امام احمد رضا بریلوی بین الاقوامی شخصیت کے حامل ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر مقررین نے بھی اپنے اپنے انداز خطاب سے قوم کی رہنمائی فرمائی۔

آثار شریفہ کی زیارت کا سماں بڑا پر کیف اور رحمت و نور میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہزاروں کا مجمع انتہائی ادب و احترام کے ساتھ دو رویہ صف بہ صف دست بستہ کھڑا تھا اور آثار شریفہ کے دیدار سے اپنی دل کی آنکھوں کو محظوظ کر رہا تھا' ساتھ ہی درود و سلام کے ترانوں سے پوری فضا گونج رہی تھی۔

حضرت امین شریعت حضور امین میاں صاحب قبلہ نے مارہرہ شریف کی روایت کے مطابق بھرے مجمع میں برسر اسٹیج کچھ خوش بخت حضرات کو سلسلہ قادریہ برکاتیہ کی اجازت و خلافت اور دستار سے نوازا۔ ان کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب قبلہ پاکستان
(۲) حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور
(۳) حضرت مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی دار العلوم قادریہ چریاکوٹ مئو
(۴) حضرت مولانا مسجد رضا صاحب قادری شہزادہ حضور ازہری میاں صاحب قبلہ بریلی شریف
(۵) مولانا عبدالستار ہمدانی پوربندر گجرات

زائرین کے امڈتے سیلاب کا نظم و انتظام بڑے ہی عمدہ پیمانے پر کیا گیا تھا جو خود اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ کہیں بھی کوئی بدنظمی نظر نہیں آئی۔ قیام و طعام کے انتظامات میں بھی کوئی کسر باقی نہیں رکھی گئی۔

آخر میں صلوٰۃ و سلام اور آثار متبرکہ کی زیارت پر عرس قاسمی کی نورانی تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

محمد قمر الدین رضوی

پیکرِ لطف وکرم، مفکرِ اسلام علامہ بدر القادری کا

گرامی نامہ

۸۶۔

ذوالمجد والشرف حضرت علامہ شرف صاحب قبلہ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ——— امید ہے مزاج عالی بخیر ہوگا۔ یہ دور افتادہ بھی آپ جیسے نیکوں، متقیوں اور پرہیزگاروں کے صدقے زندہ بخیر ہے۔ کئی ماہ ہوئے آپ کی شخصیت اور کارناموں کے تعلق سے کچھ لکھنا شروع کیا تھا۔ تاہنوز جیسا چاہتا تھا لکھ کر پورا نہ کر سکا، تاہم جیسا تیسا ارسال خدمت کر رہا ہوں۔

لاہور کے قدردانوں نے آپ کی خدمات کے اعتراف میں خصوصی تقریب اور ہدایا پیش کئے پڑھ کر خوشی ہوئی۔ بہت بہت مبارک ہو ——— آغاز جولائی میں امید ہے کہ چند روز کے لئے لاہور آنا ہو۔ اگر آیا تو آپ کی عیادت کی سعادت پانا چاہتا ہوں۔ براہ کرم اس بات کی خبر سوائے علامہ منشا صاحب قبلہ کے کسی کو نہ دیں۔ انہیں بھی عریضہ لکھ رہا ہوں۔ سال آئندہ نعت ونظم شریف کے بارہ مجموعے ایک ساتھ طبع کرانے کا ارادہ ہے۔ ۶ کتابیں بالکل نئی ہیں۔ چاہتا ہوں کہ آپ اور لاہور کے دیگر علماء، ادباء اور ارباب شعر وسخن کی آراء میسر آجائیں۔

شہزادگان اور احباب کی خدمات میں سلام مسنون عرض ہے۔

والسلام

بدر القادری غفرلہ

۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

۲۰۰۶ء

علامہ شرف قادری

اپنی علمی جد و جہد کے آئینے میں

عہد رواں میں اہل سنت کے کارواں کو جمود و تعطل سے نکال کر میدان عمل خصوصاً تصنیف و تالیف اور نشر و اشاعت کی شاہراہ پر گامزن کرنے والے علماء کرام میں جن ناموں کو شہ سرخیوں میں تحریر کرنا برحق ہوگا۔ ان میں فاضل جلیل عالم نبیل حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری دامت برکاتہم بھی ہیں۔

ایک وہ دور تھا جب اہل سنت کی کتابوں کے پڑھنے والے شائقین تھے مگر معیاری کتابت و طباعت کی زیبائش سیدنا اعلیٰ حضرت کے مترجم قرآن مجید ''کنزالایمان'' تک بھی نہ پہنچ سکی تھی۔ جب کہ دوسری جانب اغیار اپنی تصنیفات کے انبار لگا رہے تھے۔ اور اپنے خاص حلقے کی ایک ایک کتاب کو چار پانچ حیثیتوں سے مارکیٹ میں لا رہے تھے۔[1] ہم اہل سنت کو کنزالایمان، بہار شریعت، اور فتاویٰ رضویہ کی ابتدائی چند جلدوں کے سوا کچھ بھی میسر نہ تھا ——— اس دور میں پاکستان کی سرزمین پر جن علماء کی مساعی سے نشر و اشاعت کے عہد نو کا آغاز ہوا۔ ان میں تاریخ علامہ شرف قادری کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

آج جب کہ پاکستان میں لاہور سے کراچی، فیصل آباد سے ملتان تک اور ہندوستان کے اندر دہلی سے بمبئی اور مراد آباد سے مبارک پور تک، اہل سنت کے کتب خانوں اور مراکز نشر و اشاعت کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ ہم اگر ان کی بنیادوں میں خشت ہائے اولین

---

(۱) مثال کے طور پر جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والوں نے ایک تفہیم القرآن کو جس کی چھ جلدیں [illegible] ترجمہ [illegible] ترجمہ تفہیم القرآن [illegible] سے متعلق [illegible] تفہیم القرآن کی [illegible] ایک جلد میں تفہیم القرآن [illegible] فہرست [illegible] کو ایک کتاب کی شکل [illegible]

کو تلاش کریں گے تو سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، ان کے شہزادگان اور خلفاء کے بعد ہمیں جن افاضل کے قلم کی تابانیاں نظر آئیں گی۔ ان میں سے نمایاں نام یہ ہیں۔ علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری، مفتی احمد یار خاں نعیمی، اجمل العلماء حضرت علامہ مفتی محمد اجمل حسین سنبھلی، غزالئ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی، صدر العلماء علامہ سید غلام جیلانی میرٹھی، فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ بصیر پوری، حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مبارکپوری، شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی، محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری، علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی، پیر محمد کرم شاہ الازہری، مولانا ابوالنور محمد بشیر سیالکوٹی، حافظ مظہر الدین، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، علامہ ارشد القادری، مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، علامہ محمد اشرف سیالوی، علامہ عبدالمصطفےٰ اعظمی، علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی شارح بخاری، علامہ شرف قادری، مفتی جلال الدین امجدی، علامہ غلام رسول سعیدی، مولانا علامہ عبدالحکیم اختر خاں شاہجہانپوری، علامہ محمد احمد مصباحی، صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، مولانا محمد عبدالمبین نعمانی، مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی، صاحبزادہ اقبال احمد فاروقی، حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی، حضرت مولانا عاشق الرحمٰن حبیبی، حضرت مولانا مفتی مطیع الرحمٰن پورنوی، حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین، حضرت مولانا مفتی آل مصطفےٰ مصباحی، حضرت مولانا عبدالعزیز عزیزی، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مولانا محمد منشا تابش قصوری، حضرت مولانا عبدالستار سعیدی، حضرت مولانا محمد صدیق ہزاروی، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی، حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی وغیرہ وغیرہ

مولد اور والدین

علامہ شرف قادری مدظلہ غیر منقسم ہندوستان کے قصبہ مرزاپور ضلع ہوشیارپور پنجاب کے اندر ۱۳۶۴ھ ۱۹۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا کے والد گرامی ایک سیدھے سادے مذہب پسند پابند صوم وصلوٰۃ بزرگ تھے۔ جن کا اسم گرامی مولوی اللہ دتا ابن نور بخش

تھ۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی صبر وشکر کا پیکر، نیک، پارسا اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ یومیہ قرآن مجید کی تلاوت ان کا معمول تھا۔ رمضان المبارک کے دنوں میں کثرت تلاوت کا یہ عالم ہوتا کہ ایک مہینے کے اندر کبھی بیس ختم قرآن کر لیتیں۔ ایسے دیندار پاک باطن والدین کی آغوش میں علامہ شرف قادری نے شرف پرورش پایا

این سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تعلیمی دور اور اساتذہ

علامہ شرف صاحب کی ابتدائی تعلیم انجمن شیڈ کے پرائمری سکول میں ہوئی۔ تیرہ سال کے ہوئے تو طلب علم کے ذوق نے کشاں کشاں جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد پہنچایا، جہاں حضور محدث اعظم پاکستان علامہ شاہ محمد سردار احمد صاحب محدث الٰہ آبادی کے فیضان علم کی بساط بچھی ہوئی تھی۔ اور متعدد افاضل روزگار تشنگان علم کو سیراب کر رہے تھے۔ علامہ شرف نے وہاں رہ کر ابتدائی صرف ونحو اور فارسی زبان کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۵۸ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں مشغول تعلیم رہے، جہاں عربی کی ابتدائی کتابوں سے لے کر کنز الدقائق، نور الانوار، مختصر المعانی، ملاحسن، ملا جلال، کافیہ، صرف میر، فصول اکبری اور متنبی تک کتابیں پڑھیں۔ ان دنوں بندیال کے پتھریلے علاقے میں حضرت ملک المدرسین مولانا علامہ شاہ عطا محمد چشتی گولڑوی کے چشمۂ فیضان علم کا دور دور تک شہرہ ہو رہا تھا۔ حضرت مولانا محمد اشرف سیالوی کی ترغیب پر علامہ شرف قادری لاہور سے بندیال شریف چل پڑے۔ اور تین چار سال حضرت ملک المدرسین کی خدمت میں رہ کر درس نظامی کی تکمیل کی اور ۱۹۶۲ء میں فارغ ہوئے۔

علامہ شرف قادری نے پاکستان کے نامور مدرسین و متبحرین سے شرف تلمذ پایا۔ خاص اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔محدث اعظم پاکستان مولانا علامہ شاہ محمد سردار احمد چشتی قادری رضوی، فیصل آباد

۲۔ملک المدرسین حضرت علامہ شاہ عطا محمد چشتی گولڑوی، بندیال شریف خوشاب

۳۔مفسر قرآن، شارح بخاری حضرت علامہ غلام رسول رضوی قبلہ، فیصل آباد

۴۔محسن اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، سابق صدر تنظیم المدارس پاکستان لاہور

۵۔مناظر اہل سنت حضرت مولانا محمد اشرف سیالوی صاحب، سرگودھا

۶۔حضرت مولانا حافظ احسان الحق علیہ الرحمہ، فیصل آباد

۷۔حضرت مولانا سید منصور حسین شاہ علیہ الرحمہ، فیصل آباد

۸۔حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب قبلہ، فیصل آباد

۹۔حضرت مولانا محمد عبداللہ جھنگلوی

۱۰۔حضرت مولانا محمد شمس الزماں قادری صاحب قبلہ، لاہور

اہل ارشاد

حضرت شرف ملت کو سلسلہ قادریہ میں شرف بیعت حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمہ سے حاصل ہوا اور حضرت ریحان ملت حضرت مولانا ریحان رضا خاں قادری بریلوی نیز متعدد (ستر سے زیادہ) علماء ومشائخ کرام سے حدیث شریف، علوم دینیہ اور متعدد سلاسل طریقت میں خلافت واجازت حاصل ہوئی۔

میدان عمل میں

علامہ شرف قادری صاحب نے درس نظامی کی تکمیل کے بعد ہی تدریسی زندگی کا آغاز فرما دیا۔ اس سلسلہ میں پاکستان کے جن مدارس کو آپ نے اپنی خدمات سے سرفراز فرمایا ان کے اسماء حسب ذیل ہیں:

❶ جامعہ نعیمیہ، لاہور ❷ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور ❸ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ،

بھیرہ 4 دار العلوم اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور 5 مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم، چکوال۔ ان مدارس میں سب سے زیادہ وقت (تقریباً انتیس سال) آپ نے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں گزارا۔ اور جب تک باصحت رہے، اپنی مسند تدریس سے خدمت علم قرآن، علم حدیث وفقہ فرماتے رہے۔ اور مروجہ تمام علوم کا فیض اپنے طلبہ پر تقسیم فرماتے رہے۔

تلامذہ

حضرت علامہ شرف قادری سے شرف تلمذ پانے والے شائقین علم کی تعداد تو غالباً ہزاروں سے متجاوز ہوگی۔ مگر ان میں وہ نوجوان افاضل جنہوں نے بعد فراغ نمایاں خدمات کا بیڑا اٹھایا، اس خوش نصیب گروہ سے، چیدہ چیدہ اسماء یہ ہیں:

مولانا مفتی محمد خان قادری، لاہور	مولانا عبد المصطفیٰ ہزاروی، لاہور
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، فیصل آباد	مولانا محمد صدیق ہزاروی، لاہور
مولانا خادم حسین رضوی، لاہور	مولانا محمد عبد الستار سعیدی، لاہور
مولانا صاحبزادہ سردار احمد عاصم صاحب	مولانا صاحبزادہ حبیب احمد امجد، فیصل آباد
مولانا عزیز اللہ، لاڑکانہ	مولانا غلام نصیر الدین چشتی، لاہور
مولانا حافظ عبد الغفور گولڑوی، لاہور	مولانا غلام نبی، گلمیٹ
مولانا حافظ محمد شاہد اقبال، لاہور	مولانا عبد الرشید قریشی، راولپنڈی
مولانا احمد دین تونسوی	مولانا محمد رفیق چشتی شارح کریما
مولانا عصمت اللہ، آزاد کشمیر	صاحبزادہ حمید الدین، کشمیر
مولانا غلام عباس فیضی، لاہور	مولانا قاری احمد رضا، لاہور
مولانا محبوب احمد چشتی، لاہور	مولانا ڈاکٹر فضل حنان، لاہور
مولانا محمد رمضان بندیالوی	مولانا حافظ ظہیر احمد بٹ، لاہور
مولانا محمد فاروق نقشبندی، سرائے عالمگیر	مولانا عبد الحلیم نقشبندی، چکوال
مولانا مشتاق احمد ضیاء	

اولادامجاد

اہل سنت کے تنزل کے اسباب پر جب ہم غائرنظر ڈالتے ہیں تو متعدد وجود کے ساتھ ہمیں نظر آتا ہے کہ ہمارے بڑے بڑے علماء واکابرین کے بعد بہتیرے ایسے خانوادے ہیں جہاں کوئی علم دین کا مشعل بردار نہ رہا حتی کہ مشاہیر علماء وفقہاء کی اولاد اپنے چہروں پر بارلحیہ اُٹھانے کی قوت سے بھی عاری ہوگئی ——— جب کہ ہمارے مخالف کیمپ نے اپنے بعد خود سے بہتر ایک ایک نہیں چار چار اور کہیں ان سے بھی زائد اپنے مشن کے وارثین چھوڑے مجھ کمترین کی اس بات کی تصدیق کے لئے صرف ایک شہر کراچی کا جائزہ کافی ہوگا ——— مگر الحمدللہ اس تناظر میں ہم علامہ شرف قادری صاحب مدظلہ کوخوش نصیب پاتے ہیں کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ حتی الامکان اپنی تمام تر صلاحیتوں سے اسلام و سنیت کی خدمت سرانجام دی۔ تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں نمایاں کام کر دکھایا۔ بلکہ اپنے صاحبزادوں کو بھی نہ صرف رسمی ورواجی عالم بنا کر چھوڑ دیا بلکہ آپ کی مساعی جمیلہ سے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری نے پورے پاکستان کے اندر درجہ عالمیہ کے امتحان میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی سے ایم۔اے عربی کرنے کے بعد جامعہ ازہر مصر میں رد کر ''الشیخ احمد رضا شاعرا عربیا'' کے عنوان سے بڑے سائز کے سات سو بیس صفحات پر مشتمل اپنا ایم فل کا مقالہ تحریر کیا اور ازہر یونیورسٹی ہی سے علامہ فضل حق خیر آبادی کی عربی شاعری پر تقریباً پانچ سو صفحات کا مقالہ لکھ کر Phd کی سند اعزاز کے ساتھ حاصل کر کے وطن تشریف لائے۔ اور اپنے اعلیٰ عربی معیار کے مطابق تصنیف و تالیف کے کام میں مشغول ہیں۔ ان کے کاموں میں سے ایک باوقار کام دمشق کے عالم ربانی شیخ محمود سعید ممدوح کے عربی رسالہ ''الاعلام'' کا شاندار اردو ترجمہ ''اصل مراد حاضر ہی اس پاک در کی ہے'' کے نام سے مکمل ہو کر اہل نظر سے خراج تحسین وصول کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ مولانا کوثر نیازی کے ایک مقالے کا ''الامام احمد رضا البریلوی ــــــ وشخصیۃ الموسوعیۃ'' کے نام سے عربی ترجمہ کیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے ایک کتابچے کا ''الامام احمد رضا ودورہ فی مقاومۃ البدع'' کے نام سے عربی ترجمہ کیا، عارف کبیر حضرت سید احمد کبیر رفاعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مولانا علامہ جلال الدین امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقالے کا عربی ترجمہ کیا۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے درج ذیل رسائل کا عربی میں ترجمہ کیا:

(۱) إقامة القيامة على طاعن القيام لنبي تهامة

(۲) طرد الأفاعي عن حمى هادٍ رفع الرفاعي

(۳) الزمزمة القمرية في الذب عن الخمرية

تنظیم المدارس کے امتحان کے لئے ''امام احمد رضا اور رد عیسائیت'' کے عنوان سے مقالہ لکھا تھا۔ اس کے علاوہ اردو میں متعدد مقالات لکھ چکے ہیں۔

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

خدا کرے اسی طرح علامہ شرف کے تینوں شہزادگان تاعمر اپنے والد گرامی کا سوز و گداز اور عشق الٰہی و عشق رسول دنیا کو تقسیم کرتے رہیں۔ مولا تعالیٰ ہمارے بچوں کو بھی ان کے مثل بنائے اور دین کی خدمت کا شرف بخشے۔ آمین

علامہ شرف قادری مدظلہ کے دوسرے صاحبزادے مولانا مشتاق احمد قادری ہیں جنہوں نے دینی علم حاصل کر کے امتیازی درجے کی سندیں حاصل کی ہیں[1] اور اپنے والد بزرگوار کے قلم کی روانی انہیں نصیب ہوئی ہے۔ علامہ شرف نے انہیں اپنا خلوص، للّٰہیت اور درد دل عطا کیا ہے، متعدد مقالات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ حضرت علامہ کے تیسرے اور

(۱) میٹرک اور ایف اے کے امتحان میں سرگودھا بورڈ میں ٹاپ کیا اور گولڈ میڈل حاصل کیا، فاضل عربی کا امتحان اچھے نمبروں میں پاس کیا اور بھیرہ شریف میں دورۂ حدیث کرنے کے بعد اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد سے ایم اے تقابل ادیان کیا، کورس پورا ہو چکا ہے، اور اس وقت ''انسانی حقوق اسلام اور عیسائیت کے درمیان تقابلی جائزہ'' کے عنوان سے ایم اے کا مقالہ لکھ رہے ہیں ــــــ ممتاز احمد سدیدی

سب سے چھوٹے شہزادے حافظ نثار احمد قادری ہیں، جنہیں نشر و اشاعت کے شغل سے ذہنی مناسبت ہے۔ وہ اپنے والد گرامی کے قائم کردہ مکتبہ قادریہ کے ذریعے نشر و اشاعت کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں نیز انہوں نے اپنے برادر بزرگ کے نام کی مناسبت سے ''الممتاز پبلی کیشنز، لاہور کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جس سے اب تک متعدد اہم کتابیں طبع کر چکے ہیں۔ علامہ شرف اپنے سینکڑوں تلامذہ، پچاسوں وقیع تصانیف، تراجم کے ساتھ ساتھ دنیا کو اپنے تین لائق فرزند سونپ کر یقیناً بے حد مطمئن ہوں گے۔ مولائے کریم ان کی جملہ مساعی کو قبول فرمائے۔ فقیر بدر القادری حضرت کے حال و احوال کی ترجمانی میں عرض گزار ہے:

کچھ غم نہیں کہ چھوڑ کے جاتے ہیں باغ دہر

چھوڑے ہیں باغبان کئی دیکھ بھال کو

علامہ شرف ایک دلآویز شخصیت

علم و فضل، اخلاص وللہیت کا ایک پیکر جسے کم از کم ۲۵ سال بغیر دیکھے ہم نے ان کا احترام کیا۔ ان کی تصانیف اردو اور عربی کی متعدد کتب و تراجم مقالات و مضامین اور مقدمات کے پس پردہ انہیں جھانکا۔ ملت اہل سنت میں بیداری کی روح پھونکنے کی تڑپ میں لمحہ لمحہ تڑپنے بلکنے اور بے قرار شب و روز گزارنے والے، حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری مدظلہ جو آج اپنی انتھک تدریسی تصنیفی اور اشاعتی خدمات کی بنیاد پر یقیناً محسن اہل سنت ہیں۔

بعض لوگ اپنی تحریروں کے آئینے میں خوبصورت دکھائی دیتے ہیں اور ان کی شخصیت ان کی قلمی پوشاک سے جدا ہو کر رنگ و آہنگ سے خالی پائی جاتی ہے۔ مگر علامہ شرف اس کے برخلاف قلمی دنیا میں اپنا جو خاکہ پیش کرتے ہیں وہ شخصیت حقیقۃً اس سے دلآویز ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیم و تعلم سے اپنی زندگی کا آغاز کرنے والا یہ مسافر روشنیوں، اجالوں اور خوشبوؤں کا سوداگر ہے۔ اسلام کی اعلیٰ اقدار سے اس کا دامن لبریز ہے۔ سلف

سا حین کی زندگیوں کو اس نے محض پڑھا اور لکھا ہی نہیں ہے، بلکہ عملی طور پر حیات سلف کے تلخ جاموں کو اس نے نوش بھی کیا ہے۔ اس کی ایک ہی لگن ہے ایک ہی خواہش، اور ایک ہی تمنا ہے کہ اسلام و سنیت کی باد بہاری سے دنیا کو رشک ارم بنا دیا جائے۔

نرم گفتگو، میٹھا لہجہ، خاکسارانہ روش، ریاء و نمود سے جدا، عجز و انکساری کی تمام تر رعایتوں کے ساتھ نہ صرف اپنے اکابر اور اساتذہ سے بلکہ اپنے معاصرین بلکہ اصاغر اور تلامذہ کے ساتھ بھی ایسی پرخلوص زبان سے تخاطب فرماتے ہیں کہ روح کی گہرائیوں میں ان کے الفاظ شبنم کی پھوار بن کر برسنے لگتے ہیں۔ درجنوں اعلیٰ تحقیقی کتابوں کا باوقار مصنف ہونے کے باوجود ان کی کسی ادا سے خودنمائی کا کوئی پہلو ظاہر نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک فقیرانہ اسلوب حیات ہے۔ لگتا ہے گھڑی کی سوئی کی مانند وہ اپنے سلف صالحین کے خطوط پر گزرتے چلے جا رہے ہیں درد دین و ملت لئے ہوئے۔

خاص نعمت یہ ہر ایک ولی کو نہیں دی جاتی
دولت درد مقدر سے ملا کرتی ہے

شرف لقاء

علامہ شرف سے بالمشافہہ ملاقات کا شرف پہلی بار سفر پاکستان کے موقع پر غالباً ۱۹۸۵ء میں نصیب ہوا۔ ان دنوں آپ جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری گیٹ میں ہی قیام کرتے تھے۔ بالائی منزل پر آپ کے اہل خانہ رہتے تھے۔ اس چندروزہ قیام کے دوران راقم کو آپ کی علمی مشغولیت کی مختصر جھلک دیکھنے کو نصیب ہوئی۔ اس مسافر بے مایہ پر آپ نے اپنے اخلاق فاضلہ کے روشن نقوش ثبت فرمائے۔ خود ہی اپنے ہاتھ سے عاجز کے لئے ناشتہ اور کھانے کا اہتمام فرماتے اور میری اوقات سے زیادہ میری عزت افزائی فرماتے۔ اس دوران میں نے آپ کے طلبہ کو دیکھا کہ حضرت علامہ رات کا کھانا کھانے میں مشغول ہیں، اس وقت بھی وہ اپنی کتابیں لئے ان سے سوالات کر رہے ہیں، اور آپ ان کے لاینحل سوالات کے جوابات دے کر ان کی تسلی فرماتے جا رہے ہیں۔ اس سفر میں حضرت علامہ

مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی علیہ الرحمہ والرضوان سے بھی شرف لقا نصیب ہوا تھا۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور الہند میں شعبہ نشر و اشاعت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد فروری ۱۹۷۶ء میں ماہنامہ اشرفیہ کی ادارت کے دوران علامہ شرف قادری، علامہ محمد منشا تابش قصوری، اور حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ سے قلمی روابط کا آغاز ہوا۔ اور ۱۹۸۱ء میں نیدرلینڈ اسلامک سوسائٹی میں مشیر دینیات کی حیثیت سے آغاز کار کرنے تک اور اس کے بعد سے تا امروز علامہ شرف قادری، ان کے رفقا، اور حضرت پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ سے کسی نہ کسی انداز میں قلمی رابطہ، مجھ غریب الدیار کے لئے ایک نہایت مضبوط سہارے کی حیثیت رکھتا ہے۔

آج جب کہ حضرت علامہ شرف قادری صاحب قبلہ علیل ہیں۔ جسمانی اعتبار سے کئی عوارض کا شکار ہیں۔ پھر بھی ان کی دینی، علمی اور تحقیقی سرگرمیاں جاری و ساری ہیں۔

وہی آبلے ہیں، وہی جلن، کوئی سوز دل میں کمی نہیں
جو لگا کے آگ گئے ہو تم وہ لگی ہوئی ہے بجھی نہیں

دنیائے اہل سنت میں علامہ شرف قادری مدظلہ العالی کی باوقار تصانیف ایک عظیم الشان صدقہ جاریہ ہیں جو آج بھی اور آئندہ بھی اہل تحقیق سے داد تحسین وصول کرتی رہیں گی، لوگ ان سے استفادہ کرتے رہیں گے اور مولانا محترم کے اعمال نامہ میں حسنات کے انوار بیش سے بیشتر ہوتے جائیں گے۔ علامہ شرف قادری مدظلہ نے اہل سنت کے نوجوان علماء کے لئے اپنے روشن کردار سے ایک شاہراہ عمل بنا دی ہے۔ جو قدم قدم ان کی محنتوں، مشقتوں اور اخلاص مندیوں سے دمک رہی ہے۔

آپ کی شخصیت علم و فضل اور کردار و عمل کے لحاظ سے اتنی پرکشش اور قد آور ہے کہ مجھ جیسے بے مایا اس بات پر ناز کر سکتے ہیں کہ ؏

ہم بھی ہیں ان کے آشناؤں میں

قلمی خدمات

علامہ شرف بذات خود ایک اکیڈمی ہیں درس و تدریس کی گرانمایہ خدمات کے

ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف اور تراجم کے حوالے سے آپ کی جدوجہد بارآور ہوکر اتنی وسعت اختیار کر چکی ہے کہ اس کو سمیٹنا چنداں آسان نہیں۔آپ نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں اپنے قلم کا جوہر دکھایا ہے۔کتابیں، مقالات، تراجم، کتب پر مقدمات و حواشی کے علاوہ اردو زبان کے علمی جواہر پاروں کو آپ نے عربی کا جامہ پہنایا۔اسی طرح عربی زبان کے اہم مقالات و کتب کو آپ نے اردو میں منتقل کیا۔اور آپ کی اس رُخ سے کی گئی مساعی سے علمی دنیا نے خوب خوب استفادہ کیا اور آپ کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

محترم مولانا محمد عبدالستار طاہر صاحب نے اپنی تصنیف ''محسن اہل سنت'' میں تفصیلات رقم کی ہیں جن کے مطابق آپ کی عربی کتب و مقالات کی تعداد ۱۳۔عربی کتب پر حواشی کی تعداد: ۷۔عربی کتب پر مقدمات کی تعداد: ۲۲۔اردو سے عربی تراجم کی تعداد: ۳، عربی سے اردو تراجم کتب کی تعداد: ۱۹۔عربی مقالات کے تراجم اردو کی تعداد: ۲۲ ہے۔ اس طرح زبان فارسی کی پانچ اہم کتب پر آپ نے مقدمات لکھے۔فارسی کی اہم کتب (جن میں اشعۃ اللمعات جیسی کتاب بھی ہے) کے اردو میں ترجمے کئے۔۵ فارسی کتب پر حواشی لکھے۔آپ کا اصل کام زبان اردو ہی ہے۔اس زبان کو تو آپ نے اپنے علمی فکری اور تحقیقی شہ پاروں سے نوازا اور آپ کے قلم سے تقریباً پچاس کتابیں منظر عام پر آئیں۔آپ کے قلم سے برآمد ہونے والا ہر مقالہ اور ہر کتاب مسلک حق کی آواز، اسلام و سنیت کی بیباک ترجمان کی حیثیت رکھتی ہے۔مولیٰ تعالیٰ حضرت علامہ شرف قبلہ کے زبان و قلم سے برآمد ہونے والے ہر دینی، علمی لفظ کو اپنے کرم کے نور سے میزان کر کے شرف قبول بخشے۔دارین میں ان کے لئے توشہ و وسیلۂ شرف بنائے۔انہیں تادیر بصحت و سلامتی ہم میں سرپرستی کرنے والا بنا کر رکھے۔ان کا اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین۔صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

نیازمند

بدرالقادری غفرلہ

۱۳ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

حیات علامہ شرف قادری......ایک نظر میں

از محمد عبدالستار طاہر

نمبر شمار	احوال	ماہ و سال
۱	ولادت باسعادت بمقام مرزاپور ضلع ہوشیار پور	۲۴ شعبان ۱۳۶۳ھ / ۱۳ اگست ۱۹۴۴
۲	قیام پاکستان پر تین سال کی عمر میں والدین کے ہمراہ لاہور ہجرت کی۔	۱۹۴۷ء
۳	شفیق ترین ہستی ماں جی "جنت بی بی" کا وصال	۱۹۴۸ء
۴	ایم۔سی پرائمری سکول انجن شیڈ، لاہور سے پرائمری تعلیم کا آغاز	۱۹۵۱ء
۵	چھوٹی ہمشیرہ کا وصال	۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ / ۷ر مارچ ۱۹۵۲ء بروز جمعہ
۶	تکمیل پرائمری تعلیم	۱۹۵۵ء
۷	جامعہ رضویہ فیصل آباد میں داخلہ لیا اور شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد چشتی قادری سے منطق کا ابتدائی رسالہ "صغریٰ" پڑھا	شوال ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۵ء
۸	دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں داخلہ لیا۔ وہاں صوفی حامد علی سے "نحو میر" کا درس لیا۔	۲۹ر جمادی الاوّل ۱۳۷۶ھ / ۲ر جنوری ۱۹۵۷ء
۹	جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں داخلہ لیا۔ یہاں مولانا علامہ غلام رسول رضوی، شارح	

نمبر شمار	احوال	ماہ وسال
	بخاری، مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، مولانا شمس الزماں قادری وغیرہم سے علمی استفادہ کیا	شوال ۱۳۷۶ھ/مئی ۱۹۵۷ء تا اکتوبر ۱۹۶۱ء
۱۰	والدہ صاحبہ رابعہ بی بی رحمہا اللہ تعالیٰ کی حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد علیہ الرحمہ سے بیعت	۱۸ جمادی الآخر ۱۳۷۸ھ/۳۰ دسمبر ۱۹۵۸ء
۱۱	جامعہ مظہریہ امدادیہ بندیال میں داخلہ لیا اور استاذ الاساتذہ مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھرپور استفادہ کیا	ربیع الآخر ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء
۱۲	دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں داخلہ اور تین ماہ مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی سے استفادہ	۱۹۶۳ء
۱۳	شادی خانہ آبادی	۱۳ر شوال ۱۳۸۳ھ/۱۰ر مارچ ۱۹۶۳ء بروز اتوار
۱۴	سند فضیلت (تحصیل علوم سے فراغت)	۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء
۱۵	جامعہ نعیمیہ لاہور سے تدریسی زندگی کا آغاز	شوال ۱۳۸۵ھ/مارچ ۱۹۶۵ء
۱۶	جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں آغاز تدریس	شوال ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء تا ۱۹۶۷ء
۱۷	ولادت صاحبزادہ ممتاز احمد سدیدی	۲۴ شعبان ۱۳۸۶ھ/۸ دسمبر ۱۹۶۶ء
۱۸	دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف 1½ ماہ (نصف شعبان اور پورا رمضان المبارک) تدریس کی۔	دسمبر ۱۹۶۶ء تا جنوری ۱۹۶۷ء
۱۹	مکتبہ رضویہ انجمن شیڈ، لاہور کا قیام	۱۹۶۰ء
۲۰	دارالعلوم اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور ہزارہ	

نمبر شمار	احوال	ماہ و سال
	میں مفتی اور صدر مدرس کی حیثیت سے چار سالہ خدمات	۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۱ء
۲۱	جامعہ اسلامیہ رحمانیہ، ہری پور میں مکتبہ قادریہ کا قیام	۱۹۶۸ء
۲۲	''احسن الکلام فی مسئلۃ القیام'' کی ہری پور سے اشاعت	۱۹۶۸ء
۲۳	''غایۃ الاحتیاط فی ''جواز حیلۃ الاسقاط'' کی ہری پور سے اشاعت	۱۹۶۹ء
۲۴	ہری پوری ہزارہ میں جمعیت علمائے سرحد، پاکستان کا قیام	۱۹۶۹ء
۲۵	امام احمد رضا کے فارسی رسائل ''الحجۃ الفائحۃ'' اور ''اتیان الارواح'' اردو ترجمہ کے ساتھ ہری پور ہزارہ سے شائع کئے۔	۱۹۷۰ء
۲۶	''یاد اعلیٰ حضرت'' کی ہری پور ہزارہ سے اشاعت	۱۹۷۰ء
۲۷	امام احمد رضا کا رسالہ ''شرح الحقوق'' ہری پور سے شائع کیا۔	۱۹۷۰ء
۲۸	حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی علیہ الرحمہ سے سلسلۂ عالیہ قادریہ میں شرف بیعت	۱۶ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ/ ۲۵ مارچ ۱۹۷۰ء بروز بدھ
۲۹	ہری پور ہزارہ میں ''یوم رضا'' کا آغاز کیا	۱۹۷۱ء
۳۰	مدرسہ اسلامیہ اشاعت العلوم، چکوال	

ماہ وسال	احوال	نمبر شمار
۱۳۹۱ھ/ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۳ء	میں صدر مدرس کی حیثیت سے دو سال کام کیا	
۱۹۷۲ء	"سوانح سراج الفقہاء" کی مرکزی مجلس رضا، لاہور سے اشاعت	۳۱
فروری ۱۹۷۲ء	سب سے پہلا مقالہ "علامہ فضل حق خیر آبادی" ماہنامہ ترجمان اہلسنت، کراچی میں شائع ہوا۔	۳۲
۱۹۷۲ء	چکوال میں "جماعت اہل سنت" کا قیام	۳۳
۲۷ رصفر ۱۳۹۲ھ/ ۱۲ راپریل ۱۹۷۲ء	چکوال میں "یوم رضا" کا آغاز	۳۴
۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء	امام احمد رضا کے رسائل "رادالقحط والوباء، اعز الاکتناہ" اور "غایۃ التحقیق" کی اشاعت	۳۵
۱۵ رصفر ۱۳۹۳ھ/ ۲۱ رمارچ ۱۹۷۳ء	تقریب یوم رضا و فضل حق خیر آبادی، بمقام چکوال	۳۶
شوال ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء	جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں دوبارہ تدریس کا آغاز	۳۷
دسمبر ۱۹۷۳ء	مکتبۂ قادریہ، لاہور کا قیام	۳۸
۱۹۷۴ء	جامع مسجد عمر روڈ، اسلام پورہ لاہور سے آغازِ خطابت	۳۹
۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء	صدر مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور	۴۰
۱۱ رشوال ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۸ راکتوبر ۱۹۷۴ء	شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور	۴۱
۲۶ ررمضان ۱۳۹۶ھ/ ستمبر ۱۹۷۶ء	"تذکرہ اکابر اہل سنت" کی لاہور سے اولین اشاعت	۴۲

نمبر شمار	احوال	ماہ و سال
۴۳	خسر صاحب قاضی علی بخش علیہ الرحمہ کا انتقال	۱۲ر ربیع الآخر ۱۳۹۷ھ/۲ر اپریل ۱۹۷۷ء ہفتہ
۴۴	ولادت صاحبزادہ مشتاق احمد قادری	۱۷ر جمادی الآخرۃ ۱۳۹۷ھ/۴ر جون ۱۹۷۷ء بروز اتوار
۴۵	سُنی رائٹرز گلڈ کے صدر کی حیثیت سے دو سال کے لیے چناؤ ہوا	۱۱ر شعبان ۱۴۰۰ھ/ ۲۶ر جون ۱۹۸۰ء جمعرات
۴۶	تیسرے بیٹے حافظ نثار احمد کی ولادت	۹ر ذوالحج ۱۳۹۸ھ/۱۰ر دسمبر ۱۹۷۸ء
۴۷	''الحدیقۃ الندیہ'' پر عربی مقدمہ لکھنے پر علامہ ارشد القادری کا خراج تحسین...... مکتوب محررہ بنام علامہ تابش قصوری	۱۳ر فروری ۱۹۷۹ء
۴۸	علامہ فضل حق خیر آبادی کی معروف کتاب ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' کے ترجمہ کی بندیال سے اشاعت، جسے بعد میں شفاعت مصطفیٰ ﷺ کے عنوان سے شائع کیا گیا۔	۱۹۷۹ء
۴۹	علامہ یوسف نبہانی کی کتاب ''الشرف المؤبد'' کا اردو میں ترجمہ ''برکات آل رسول'' کیا اور شائع بھی کیا۔	۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء
۵۰	پہلی بار حج و زیارات مقدسہ کی سعادت ملی	۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء
۵۱	خانوادۂ اعلیٰ حضرت میں سے مولانا ریحان رضا خاں سے اجازت و خلافت ملی۔	۵ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

نمبر شمار	احوال	ماہ وسال
۵۲	''البریلویۃ'' کے جواب میں لکھی گئی تحقیقی کتاب ''اندھیرے سے اجالے تک'' کی مجلسِ رضا، لاہور سے اشاعت	۱۹۸۵ء
۵۳	اعلیٰ حضرت کے رسالہ مبارکہ ''انوار الانتباہ'' اور شرف صاحب کے مقالہ ''ندائے یارسول اللہ'' کی مجلسِ رضا، لاہور سے یکجا اشاعت	۱۹۸۵ء
۵۴	غیر مقلدین کی انگریز نوازی کے بارے میں تحقیقی کتاب ''شیشے کے گھر'' کی مجلسِ رضا، لاہور سے اشاعت	۱۹۸۶ء
۵۵	سقوط مرکزی مجلس رضا، لاہور	دسمبر ۱۹۸۶ء
۵۶	رضا اکیڈمی، لاہور کی سرپرستی	۱۹۸۷ء
۵۷	وصال پُرملال والدۂ ماجدہ رابعہ بی بی	۱۰/ ذیقعدہ ۱۴۰۷ھ/ ۷/ جولائی ۱۹۸۷ء
۵۸	سانحۂ ارتحال والد ماجد مولوی اللہ دتہ علیہ الرحمہ	۲۵/ شعبان ۱۴۰۹ھ/ ۳/ اپریل ۱۹۸۹ء
۵۹	''ادلة اهل السنة والجماعة'' کے اردو ترجمہ ''اسلامی عقائد'' کی لاہور سے اشاعت	۱۹۹۰ء
۶۰	''اشعۃ اللمعات'' جلد چہارم کے اردو ترجمہ کی لاہور سے اشاعت	۱۹۹۰ء
۶۱	خوش دامن بیگم بی بی صاحبہ کا انتقال	۱۷/ ذوالحج ۱۴۱۰ھ/ ۱۱/ جولائی ۱۹۹۰ء
۶۲	ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے	

نمبر شمار	احوال	ماہ و سال
	لاہور کی کانفرنس میں امام احمد رضا گولڈ میڈل پیش کیا۔	۱۹۹۱ء
۶۳	جلال آباد، افغانستان کا چار روزہ دورہ	۲۴ تا ۲۸/اپریل ۱۹۹۲ء
۶۴	عرس مبارک امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سرہند شریف میں شرکت (چھ روزہ دورہ)	۲۵ تا ۳۰ اگست ۱۹۹۲ء
۶۵	سیرت پاک کے حوالے سے محررہ مقالات کے مجموعہ ''مقالات سیرت طیبہ'' کی لاہور سے اشاعت	۱۹۹۳ء
۶۶	علامہ شیخ محمد صالح فرفور، دمشق کی کتاب ''من نفحات الخلود'' کا اردو ترجمہ ''زندہ جاوید خوشبوئیں'' کے نام سے کیا اور مکتبہ قادریہ سے شائع بھی کیا	۱۹۹۳ء
۶۷	دوسری بار والد ماجد کی طرف سے حج بدل کیا۔ اس سال حج اکبری کی سعادت نصیب ہوئی۔	۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء
۶۸	مقالہ ''مدینۃ العلم'' عربی اور ''شہر یار علم'' اردو کی رضا اکیڈمی لاہور سے یکجا اشاعت	۱۹۹۶ء
۶۹	تحقیقی عربی کتاب ''من عقائد اھل السنۃ'' کی لاہور سے اشاعت	۱۹۹۷ء
۷۰	''نور نور چہرے'' کی لاہور سے اشاعت	۱۹۹۷ء
۷۱	مرکز تحقیقات اسلامیہ، لاہور کے صدر	

نمبر شمار	احوال	ماہ و سال
	منتخب ہوئے۔	۱۹۹۷ء
۷۲	منجھلے بیٹے مولانا مشتاق احمد قادری نے میٹرک (آرٹس) کے امتحان میں پورے سرگودھا بورڈ میں اول پوزیشن حاصل کی	۱۹۹۷ء
۷۳	''اشعۃ اللمعات'' کے اردو ترجمہ کی	
۷۴	جلد پنجم اور ششم کی لاہور سے اشاعت	۱۹۹۷ء
۷۵	سب سے چھوٹے صاحبزادے حافظ نثار احمد قادری نے اشاعتی ادارہ الممتاز پبلی کیشنز، لاہور قائم کیا۔	۱۹۹۷ء
۷۶	امام ابوحنیفہ انٹرنیشنل کانفرنس اسلام آباد میں عربی مقالہ ''فی ظلال الفتاویٰ الرضویہ'' پڑھا	۵ تا ۸/ اکتوبر ۱۹۹۸ء
۷۷	قرآن حکیم کے اُردو ترجمہ کا آغاز	۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء
۷۸	ہندوستان کا دوسرا سفر، ممبئی، دہلی، بریلی شریف، مبارکپور، اجمیر شریف	اکتوبر ۱۹۹۸ء
۷۹	بڑے بیٹے مولانا ممتاز احمد سدیدی نے جامعہ ازہر شریف قاہرہ میں ایم فل کا مقالہ لکھا اور مناقشہ (وائیوا) میں کامیابی حاصل کی۔	۲۵/ جولائی ۱۹۹۹ء
۸۰	منجھلے بیٹے مولانا مشتاق احمد قادری کو ایف۔اے میں سرگودھا بورڈ کی طرف سے گولڈ میڈل ملا	۳۰/ اگست ۱۹۹۹ء

نمبر شمار	احوال	ماہ وسال
۸۱	علامہ شرف قادری صاحب کی پہلی سوانح حیات ''محسن اہل سنت'' مرتبہ محمد عبدالستار طاہر کی لاہور سے اشاعت	۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹ء
۸۲	سید وجاہت رسول قادری (صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، کراچی) کے ہمراہ قاہرہ کا سترہ روزہ دورہ، وہاں شیخ الازہر اور دیگر علماء سے ملاقات	۶ ستمبر ۱۹۹۹ء
۸۳	مولانا مشتاق احمد قادری کو دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف کی طرف سے ضیاء الامت ایوارڈ دیا گیا	ستمبر ۱۹۹۹ء
۸۴	مختلف ارباب علم کے محررہ حیات شرف کے خاکوں پر مبنی مجموعہ ''تذکار شرف'' کی اشاعت	۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء
۸۵	شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی غیر مطبوعہ فارسی کتاب ''تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف'' کے اردو ترجمہ ''تعارف فقہ وتصوف'' کی المتاز پبلی کیشنز، لاہور سے اشاعت	۱۹۹۹ء
۸۶	جماعت اہل سنت پاکستان میں بحیثیت ناظم شعبۂ تعلیم وتربیت تقرر	۱۹۹۹ء
۸۷	علامہ شیخ محمد صالح فرفور، دمشق کی کتاب ''من رشحات الخلود'' کا اردو ترجمہ	

ماہ وسال	احوال	نمبر شمار
۱۹۹۹ء	''سدا بہار خوشبوئیں'' کیا	
۲۰۰۰ء	دلائل الخیرات شریف کی شرح ''مطالع المسرات'' از علامہ مہدی فاسی کے اردو ترجمہ کی اشاعت	۸۸
۲۰۰۰ء	مختلف مقالات کے مجموعہ ''عظمتوں کے پاسبان'' کی لاہور سے اشاعت	۸۹
۲۰۰۰ء	مقبول ترین عربی کتاب ''من عقائد اہل السنۃ'' کے اردو ترجمہ ''عقائد و نظریات'' کی لاہور سے اشاعت	۹۰
۱۳/مارچ ۲۰۰۰ء بروز پیر	بڑے صاحبزادے ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری کی جامعہ الازہر مصر سے ایم فل کرنے کے بعد وطن واپسی	۹۱
۱۲/مئی ۲۰۰۰ء بروز جمعۃ المبارک	مولانا ممتاز احمد سدیدی صاحب کی شادی خانہ آبادی	۹۲
۲۰۰۱ء	مولانا مشتاق احمد قادری نے فاضل عربی کیا	۹۳
۲۶/اگست ۲۰۰۱ء	علامہ شرف قادری نے امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس بریڈفورڈ میں شرکت کی اور اس میں مقالہ پڑھا، اس کے بعد پونے چار ماہ پیر سید معروف حسین قادری مدظلہ کے پاس بریڈفورڈ میں قیام کیا	۹۴

نمبر شمار	احوال	ماہ وسال
۹۵	علامہ شرف قادری کی دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ سے تدریسی خدمات سے فراغت	۱۴ر دسمبر ۲۰۰۲ء
۹۶	مولانا مشتاق احمد قادری نے سرگودھا بورڈ سے بی۔اے کیا	۲۰۰۲ء
۹۷	ہندوستان کا تیسرا سفر، مارہرہ شریف، دہلی، بریلی، بنارس، مبارکپور، کچھوچھہ شریف	اکتوبر ۲۰۰۰ء
۹۸	''فیوض الباری'' کے نام سے سولہویں پارے سے بخاری شریف کی شرح کا آغاز کیا	۵رفروری ۲۰۰۳ء
۹۹	مولانا مشتاق احمد قادری کی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ سے فراغت	اپریل ۲۰۰۳ء
۱۰۰	مولانا مشتاق احمد قادری کا بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد شعبہ مقارنۃ الادیان میں داخلہ (فیکلٹی آف اصول الدین)	۲۰۰۳ء
۱۰۱	شیخ عیسیٰ مانع (دبئی) کے رسالے کا ترجمہ ''دیدار مصطفیٰ کی بہاریں قیامت تک جاری رہیں گی'' ماہنامہ رموز، صفہ اکیڈمی اور رضا اکیڈمی سے شائع ہوا	فروری مارچ ۲۰۰۳ء
۱۰۲	''سدابہار خوشبوئیں'' کی اشاعت	مارچ ۲۰۰۳ء
۱۰۳	دلائل الخیرات علامہ شرف قادری کے	

ماہ وسال	احوال	نمبر شمار
مئی ۲۰۰۳ء	ترجمہ اور بہترین کتابت کے ساتھ مکتبۂ قادریہ سے شائع ہوئی	
۲۴/ جنوری ۲۰۰۴ء	جامعہ ازہر کے ترجمان ہفت روزہ ''صوت الازہر'' میں علامہ تاج محمد خان ازہری کا مقالہ بعنوان ''الشیخ محمد عبدالحکیم شرف القادری داعیا الی اللہ علی بصیرۃ'' شائع ہوا۔	۱۰۴
۱۵/ فروری ۲۰۰۴ء	علامہ شرف صاحب کا دوسری بار دورہ مصر ــــ متعدد محدثین سے سند اجازت کا حصول اور ایک سو کے قریب مختلف مما لک کے فضلاء کو سند حدیث دی	۱۰۵
۱۶/ فروری ۲۰۰۴ء	ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی صاحب کا قاہرہ میں پی۔ایچ۔ڈی کے لیے مناقشہ (وائیوا)	۱۰۶
۲۸/ فروری ۲۰۰۴ء	جامعہ الازہر، قاہرہ کے دورہ سے علامہ شرف صاحب کی واپسی	۱۰۷
۲۷/ جولائی ۲۰۰۴ء	ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری کی پی۔ایچ۔ڈی کے بعد مصر سے واپسی	۱۰۸
۲۰۰۴ء	ترجمہ قصیدہ بردہ شریف کی اشاعت	۱۰۹
۲۰۰۴ء	''ولولہ انگیز خوشبوئیں'' کی اشاعت	۱۱۰
ستمبر ۲۰۰۴ء	دارالعلوم جامعہ اسلامیہ، لاہور سے فراغت	۱۱۱

۱۱۲	ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے زیر اہتمام کراچی میں منعقد ہونے والی امام احمد رضا انٹرنیشنل سلور جوبلی کانفرنس کی صدارت	۹/ اپریل ۲۰۰۵ء
۱۱۳	جہانِ امامِ ربّانی فاؤنڈیشن کی طرف سے کراچی میں منعقد ''محفل تشکر'' میں شرکت	۱۰/ اپریل ۲۰۰۵ء
۱۱۴	برکاتی فاؤنڈیشن، کراچی کی طرف سے مسلک اہل سنت کی علمی اور تحقیقی خدمات کے اعتراف میں گولڈ میڈل اور خصوصی ایوارڈ	یکم مئی ۲۰۰۵ء
۱۱۵	عربی کتاب ''مصباح الظلام'' کے اردو ترجمہ ''پکارو یارسول اللہ'' کی لاہور سے اشاعت	۲۰۰۵ء
۱۱۶	مجموعہ اسانید ''الجواہر الغالیہ من الاسانید العالیہ'' کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا	۲۰۰۵ء
۱۱۷	صُفّہ فاؤنڈیشن، لاہور کی جانب سے علمی و تدریسی خدمات کے صلے میں سیّدنا ابوہریرہ ایوارڈ اور ایک لاکھ روپے کا چیک دیا گیا	۱۷/ دسمبر ۲۰۰۵ء
۱۱۸	جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کی طرف سے "مفتیِ اعظم گولڈ میڈل" دیا گیا	۱۶/ اگست ۲۰۰۶ء

۲۲/۱۰/۱۳۸۱هش   بنام خدای توانا و دانا   ۸ ذوالقعده ۱۴۲۳هق

۱۲/۱/۲۰۰۳م

حضور محترم سرور ارجمند گرامی و عالم و حکیم نامی و بزرگ و ادیب سامی

جناب آقای الحاج محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظله العالی

سلام و دعا و احترام بسیار ابلاغ می دارم.

از درگاه خدای یگانه برای سرکار عالی تندرستی و خوشی و [illegible] آرزو دارم. نامه های مبارک شما را چند بار به همراه کتاب ها - چه در حضور و چه در غیاب - دریافتم و تشکر و امتنان بسیار می کنم. خدای بزرگ سایه شما را از سر علم و ادب و تاریخ و فقه و حدیث اسلامی کم نکناد، آمین یا رب العالمین.

اینک منظومه «مردان راه» تقدیم شما می شود. اگر قبول فرمایید، دولت و عزت علمی و ادبی من بسیار می شود.

سلام و دعای من به همه دوستان برسانید. خاصه به جنابان آقایان: مولانا علی احمد سندیلوی، مولانا لیاقت حسین و مولانا محمد رفیق هزاروی سلمهم الله تعالی.

آقای دکتر سعید بزرگ بیگدلی به ایران بازگشته است. پیوسته در خدمت علم و ادب و عرفان حاضر به خدمت می باشم.

با تقدیم احترام و اخلاص بسیار: مخلص دکتر محمد حسین تسبیحی (رها)

مکتوب ڈاکٹر محمد حسین تسبیحی، اسلام آباد بنام شرف قادری

مردان راه

بمناسبت دیدار جناب آقای الحاج علامه محمد عبدالحکیم شرف قادری و آقای لیاقت حسین قادری و آقای الحاج علی احمد السندیلوی و آقای میرزا محمد رفیق صابری از کتابخانه گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان و اهدای کتب

۲۵ ماه رجب ۱۴۲۳ هـ ق / ۱۱ مهر ماه ۱۳۸۱ هـ ش / ۳ اکتبر ۲۰۰۲م

شرف قادری ابن محمد حکیم — جهان تو بخشد ز رب کریم

ز جمع عرفان تو بس جلوه گر — جهان تو بخشد چو گنج گهر

تو بس زنده دل همچو مردان حق — جهان تو گویا سبب ز رب الفلق

محبت ز سرچشمه ز درگه تو — چو سر ز صفحات به درگه تو

سفر کردن و آمدن همچو ماه — مسافر عزیز است و بر شاهراه

نشان محبت شریف و بزرگ — چو عبدالحکیم آن توانا بزرگ

نوشته کتب این حکیم شریف — بران بزرگان دهن شریف

به دستش قلم نور حق آورد — به علم و محبت نشان آورد

علی احمد آمد ز سندیلوی — محمد رفیق است همراه او

لیاقت حسین شد رفیق ادب — کمال سخن شد ازو در عرب

رفیقان و یاران عبدالحکیم — خدا است همراهشان و علیم

زبان دل و جان عرفان بود — به فارسی سخن ها گلستان بود

هدیه سرودم گل پاک جان — به وصف محبان الصوفیان

زهی رها و همراه مردان راه — شرف قادری شد حکیم ...

از ... محمد ... — سروده: دکتر محمد حسین تسبیحی (رها)

۱۰/۲/۲۰۰۲ م - ۱۳۸۱/۷/۱۵ هـ ش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے، جس نے ہمیں مسلکِ اہل سنت و جماعت کے مطابق صحیح عقائد اپنانے کی توفیق عطا فرمائی، اور درود وسلام ہو ہمارے رؤف و رحیم آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر۔

آج کے دور میں صحیح عقیدے پر کاربند ہونا اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ پھر جسے اعمال صالحہ کی توفیق بھی ملے اسے چاہیے کہ شکر کے سجدے بجالائے۔ عقیدے کی درستگی ہی نیک اعمال کی قبولیت کی بنیاد ہے، ورنہ نیک اعمال کتنے ہی کیوں نہ ہوں کسی کام کے نہیں، اور جسے درست عقیدے کی اتباع نصیب ہوجائے، اسے فرائض اور واجبات کے بعد نوافل اور مستحب اعمال کی طرف بڑے اہتمام سے توجہ کرنی چاہیے، اور بے مقصد کاموں سے احتراز کرنا چاہیے، کیونکہ سرکار دوعالم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے:

''مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَايَعْنِيْهِ''

آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے مقصد چیزوں کو چھوڑ دے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت ایمان کی جان ہے، اس لئے بندۂ مومن کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کے ذکر کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرنی چاہیے، اس کے بعد حضور ﷺ کی نعت شریف لکھنے، سننے یا سنانے کا اہتمام کرنا چاہیے، ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کی محبت کو تو اجاگر کیا جائے اور آپ کی نعت سنی اور سنائی جائے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر اور اس کی خشیت کو فراموش کردیا جائے، اور ایسا بھی نہ ہو کہ مستحبات کو تو مضبوطی سے تھاما جائے، لیکن فرائض اور واجبات کو اہمیت نہ دی جائے، یہ ساری باتیں کسی طرح بھی درست نہیں، کیونکہ ایمان صرف امید کا نام نہیں، بلکہ ایمان تو خوف اور امید کے درمیان ہے۔

راقم الحروف کے مشاہدے میں بعض لوگوں کے کچھ ایسے معمولات اور اقوال آئے جو اصلاح طلب تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق اور فضل وکرم سے بعض امور کی اصلاح کی طرف بر موقع توجہ مبذول کرادی، جبکہ بعض دیگر امور اور معاملات کی اصلاح کے لئے چند مقالے تحریر کئے، گزشتہ دنوں عزیز القدر علامہ محمد اسلم شہزاد حفظہ اللہ تعالیٰ ڈائریکٹر جنرل حضرت سلطان باہو ٹرسٹ لاہور نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان مقالات کو جمع کر کے سلطان باہو ٹرسٹ کی طرف سے شائع کر کے کثیر تعداد میں مفت تقسیم کیا جائے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، اور سلطان باہو ٹرسٹ کے تمام منصوبوں میں برکتیں عطا فرمائے درج ذیل سطور میں مذکورہ بالا مقالوں کا مختصر تعارف پیش ہے:

(۱) خدا کو یاد کر پیارے (پہلی قسط) رموز، سوئے حجاز لاہور (فروری ۲۰۰۴ء) النعیم کراچی (مئی ۲۰۰۴ء) کاروان قمر، کراچی (جون ۲۰۰۴ء) النظامیہ لاہور (فروری، مارچ ۲۰۰۴ء) ماہنامہ وائس آف ضیاء الاسلام (مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء) میں شائع ہوئی۔ مضمون کے شائع ہوتے ہی بعض احباب نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور مضمون کے بارے میں اپنے تاثرات کا تحریری طور پر اظہار کیا چند تاثرات حسب ذیل ہیں:

مولانا حافظ محمد سعد اللہ صاحب ایڈیٹر سہ ماہی منہاج، لاہور نے راقم کے نام اپنے مکتوب میں تاثرات کا یوں اظہار کیا: سلام مسنون کے بعد عرض ہے کہ ماہنامہ سوئے حجاز لاہور کے گزشتہ شمارے فروری ۲۰۰۴ء میں آنجناب کے فکر انگیز اور درد آمیز مضمون "خدا کو یاد کر پیارے" کو پڑھنے کے بعد اس کے بارے میں اپنے تاثرات اور چند معروضات آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اس مضمون میں آنجناب نے اللہ جل شانہ کی ازلی وابدی عظمت وکبریائی کے بارے میں افراط وتفریط اور اس کے محبوب مکرم ﷺ کی محبت وعقیدت میں غلو کے بارے میں جس درد وسوز اور مدلل واحسن انداز میں تمام اہل اسلام خصوصاً وارثان منبر ومحراب کو توجہ دلائی ہے وہ لائق تحسین وتبریک ہے، توحید ورسالت

کے بارے میں جس افراط وتفریط اور غلو کی نشاندہی آپ نے فرمائی اور اپنے چشم دید واقعات سے پردہ اٹھایا، اس پر کئی اہل علم ودرد، قلق واضطراب محسوس کرتے تھے مگر ''وھابیت'' اور ''دیو بندیت'' کے فتوے سے ڈر کر اپنے اس قلق کا برملا اظہار نہیں کر پاتے تھے، آنجناب نے اس چیز کا برملا اظہار کر کے ایمانی جرأت اور اعلاءِ کلمۃ الحق کا مظاہرہ فرما کر علماء حق کا کردار ادا کیا ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ خیرا'' (تحریر 17 / مارچ 2004ء)

بعض لوگ رحمت عالم ﷺ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوف خدا سے بے اعتنائی برتتے ہیں اور حضور ﷺ کی شفاعت کی امید میں اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ عمل میں کمی کو معمولی بات سمجھ لیتے ہیں، ایسے خوش فہم لوگوں کی فکر درست کرنے کے لیے یہ مقالہ لکھا گیا تھا جس کی تائید کراچی سے جواں سال اور بلند فکر سکالر پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب اپنے گرامی نامہ (محررہ ۱۷/مارچ ۲۰۰۴ء) میں لکھتے ہیں:

کاروان قمر کے لیے جناب نے ''خدا کو یاد کر پیارے'' کے عنوان سے جو پیارا سا مبنی بر حقائق مضمون عنایت فرمایا، اس پر جناب کا تہِ دل سے ممنون ہوں، برادرم محمد صحبت خان صاحب بھی شکریہ ادا کرتے ہیں، اس مضمون میں جو تلخ حقائق مہر ومحبت کی زبان میں بیان ہوئے ہیں، اس سے نہ صرف اصلاح ہوگی، بلکہ نئے لکھنے والے بھی اپنی تحریروں کے لئے ایک نیا عنوان اور نیا رخ پالیں گے، آپ نے کلمہ حق بلند کر کے حضرت مجدد ہی نہیں بلکہ حضراتِ مجددین اسلام کے مشن کو زندہ فرمایا ہے۔''

کراچی سے ہی محترم سید صبیح الدین رحمانی مدیر ''سہ ماہی نعت رنگ'' کراچی نے اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا ہے'' آپ نے عالم دین ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے درست سمت میں رہنمائی کا فریضہ ادا فرمایا، ذرا غور کرنے پر ہمیں اپنے گردوپیش میں ایسے کئی مسائل نظر آتے ہیں، مگر ہم اپنی مصلحتوں اور مفادات کے حصار میں ان سے نظریں چراتے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ ابھی ہمارے علماء میں آپ جیسے جرأت منداور دینی حمیت

رکھنے والے علماء موجود ہیں، جو ہماری غفلتوں سے نجات دلانے کے لئے فکرمند ہیں، کاش ہمارے تمام علماء ومشائخ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور اس طرح کا قلمی ولسانی جہاد فرمائیں۔

ماہنامہ کاروان قمر (کراچی) کے مدیر اعلیٰ محترم محمد صحبت خان کوہاٹی حفظہ اللہ تعالیٰ نے جون ۲۰۰۴ء کے شمارے میں قارئین کے خطوط والے حصے کے آخر میں راقم الحروف کے مضمون کے حوالے سے محبت بھرے دعائیہ کلمات تحریر فرمائے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، فاضل موصوف لکھتے ہیں: ''بے شمار احباب نے خطوط، ٹیلیفون اور بالمشافہ ملاقاتوں میں شرف ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری کے مضمون ''خدا کو یاد کر پیارے'' کو بے حد پسند کیا، ان کے علم وعمل اور صحت وعافیت میں برکتوں کے لئے دعائیں کیں، رب کریم ہمارے اس عظیم عالم، استاذ، مصنف، محقق، اور محدث کو عزتیں اور عظمتیں عطا فرمائے۔ ان کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے اور ان کے چشمۂ شیریں سے فیضیاب فرمائے (آمین)

مولانا مفتی محمد علی اقتدار صاحب نے سوئے حجاز میں راقم کا مضمون پڑھا تو انہوں نے مذکورہ ماہنامے کے مدیر اعلیٰ کے نام ایک مکتوب ارسال کیا جس میں اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے لکھا۔

تمام مضامین معیاری اور جامع تھے، خصوصاً حضرت قبلہ شیخ الحدیث محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب مدظلہ کا مضمون ''خدا کو یاد کر پیارے'' ایک ایسا مضمون تھا جو اس موضوع پر فرد ہے۔ بندہ کی طرف سے حضرت شیخ الحدیث صاحب کو ایسا مضمون لکھنے پر مبارک ہو، اللہ کریم حضرت صاحب کا سایہ تادیر اہل سنت وجماعت پر قائم رکھے۔''

لاہور سے محترم محمد فاروق جمال چشتی نظامی نے کاروانِ قمر میں مقالہ ''خدا کو یاد کر پیارے'' پڑھا تو محترم جناب محمد صحبت خان کے نام اپنے خط میں اس مضمون کے حوالے سے اپنا تاثر تحریر کرتے ہوئے لکھا:

حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب کا مضمون تو پورے شمارہ کی سمجھ لیں جان ہے، انہوں نے خوبصورت انداز سے ایک اچھوتا موضوع نہایت آسان پیرائے میں سمو دیا''۔

راقم کے مضمون ''خدا کو یاد کر پیارے'' کی پہلی قسط پر ارباب صحافت اور قارئین کے تاثرات آپ نے ملاحظہ کئے، لیکن راقم کے ایک قدیمی شناسا اور محب گرامی قدر جناب محمد سلیم چودھری (تربیلہ ڈیم) نے مذکورہ بالا مضمون پر اپنے چند تحفظات کا اظہار کیا۔ راقم نے ان کے شبہات دور کرنے کے لیے جوابی خط ارسال کیا اس جوابی مراسلے کی افادیت کے پیش نظر اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

راقم نے موصوف کو سلام و دعا کے بعد لکھا:

آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا اور آپکی تشویش کے متعلق معلوم کر کے مجھے بھی تشویش لاحق ہوئی، راقم نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں مقالے کے پہلے حصے میں لکھا ہے کہ اگر آپ کا واسطہ درمیان میں نہ رہے تو نہ ہمارا ایمان رہے گا اور نہ ہی وجود رہے گا۔

آپ کہیں گے کہ پھر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ تو میں نے مقالے کے دوسرے حصے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق ہونا چاہیے اور اس کے بارے میں جو اہتمام ہونا چاہیے، وہ ہمارے ہاں عام طور پر نہیں پایا جاتا۔ آپ نے ایک نکتے سے اختلاف کی نشاندہی کی ہے، یہ نہیں بتایا باقی نکات میں آپ متفق ہیں یا نہیں؟ مثلاً ایک صاحب نے نماز کے بعد درود شریف بصیغۂ ندا پڑھا پھر یارسول اللہ انظر حالنا پڑھا پھر درود شریف پڑھ کر منہ پہ ہاتھ پھیر لیا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہی نہیں مانگی، اسی طرح ایک صاحب نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سب کام فرشتوں کے ذمے لگا دئے اور خود فارغ ہو کر ایک ہی کام کرتا ہوں اور وہ ہے اپنے محبوب کی تعریف ـــــ کیا یہی اسلام کی تعلیم ہے؟

آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا شعر نقل کیا ہے کعبہ کا نام تک نہ لیا۔ اسی طرح

حضرت محبوب الٰہی کا فرمان اس صورت میں ہے جب فریضۂ حج ادا کرلیا ہو، پھر آدمی صرف مدینہ طیبہ کا ارادہ کر کے سفر کرے تو درست ہے، لیکن اس سفر میں بھی نیت یہی ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''**جاؤك**'' کی تعمیل کر رہا ہوں، عرض یہ کرنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا تعلق باقی نہ رہے تو حج کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے، حدیث شریف آپ کے علم میں ہے: ''**فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله** (الحدیث) سفر مدینہ طیبہ میں نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب اقدس ﷺ کے حکم کی تعمیل میں جا رہا ہوں۔

شیخ حمید بنگالی کے بارے میں جو عبارت آپ نے نقل کی ہے وہ میری سمجھ سے باہر ہے، جس بزرگ نے یہ فرمایا کہ: جس دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو اس میں دوسرے کی محبت کیسے سما سکتی ہے؟ یہ واضح مغالطہ ہے کیونکہ دو متضاد چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ متناسب اشیاء کا جمع ہونا ممنوع نہیں ہے، حضور اقدس ﷺ کی سچی محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت لازم و ملزوم ہیں پھر آپ کی محبت بھی اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا تاکیدی حکم دیا ہے۔

امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی اطاعت ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہمیں حضور اقدس ﷺ کے بغیر سمجھ ہی نہیں آ سکتا، اب چاہے آپ فرمائیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا آپ خود حکم دیں، دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **ما آتاكم الرسول فخذوه** (الآیۃ)

لیکن محبت دو ذاتوں کی ایک کیسے ہو سکتی ہے؟ جیسے کہ راقم نے اپنے مقالے میں بیان کیا ہے، آپ نے غور کیا کہ انہیں جواب دینے والے بزرگ نے فرمایا کہ حضور انور کی محبت عین حق کی محبت ہے، جیسے کہ آیت میں ہے: **من يطع الرسول فقداطاع الله** (الآیۃ) دعویٰ ہے کہ آپ کی محبت عین حق کی محبت ہے، دلیل میں اطاعت کو لا رہے ہیں ظاہر ہے کہ محبت اور اطاعت دو الگ الگ چیزیں ہیں، پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ جو لوگ

فی زمانہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس علیہ السلام کی محبت ہی اللہ کی محبت ہے، ان کا کردار کیا ہے؟ اکثر وہ ہیں جو نعتیں پڑھتے اور سنتے ہیں، محافلِ نعت منعقد کرتے ہیں، محافل میلاد منعقد کرتے ہیں اور اپنے خیال میں حضور علیہ السلام کی محبت کا حق ادا کر رہے ہیں اور چونکہ حضور علیہ السلام کی محبت ہی اللہ کی محبت ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا ہو گیا، اس کے باوجود داڑھی مونچھ صاف، نہ نماز نہ روزہ، میں دیانت داری سے سمجھتا ہوں کہ اس قوم کو اگر نہ سمجھایا گیا تو ہم سے بازپرس ہوگی۔

آپ مقالے کے دونوں حصوں کو سامنے رکھیں، اصل میں ہمارے نعت خوان اور خطباء نے ''فاتبعو نی'' کو غائب ہی کر دیا ہے، اس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

(۲) خدا کو یاد کر پیارے (دوسری قسط)

یہ مضمون مختلف مجلات کو چھاپنے کے لئے ارسال کیا ہوا ہے، ماہنامہ سوئے حجاز، لاہور اور ماہنامہ نوائے اساتذہ، لاہور ماہنامہ ضیاء الاسلام (نومبر ۲۰۰۴) میں شائع ہو گیا ہے، امید ہے کہ باقی رسائل بھی اپنی گنجائش کے مطابق اسے شائع کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۳) رحمتِ عالم علیہ السلام اور خشیت الٰہی۔

حضور نبی اکرم علیہ السلام کی ہمہ جہت شخصیت کے دو بنیادی پہلو ہیں رسالت اور عبدیت، بعض مقررین حضرات آپ علیہ السلام کی عظمت شان اور رفعت قدر کو تو بہت جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں، لیکن آپ کی شخصیت کے دوسرے پہلو عبدیت کو غیر شعوری طور پر نظر انداز کر جاتے ہیں، یہ بات ہرگز مناسب نہیں، حضور علیہ السلام نہ صرف اللہ تعالیٰ کے حبیب اور مقرب بندے ہیں بلکہ خوف خدا رکھنے والے بندگان خدا کے امام بھی ہیں۔ حضور علیہ السلام کی عظیم الشان عبدیت آپ کی بلند و بالا شان کے منافی نہیں، مذکورہ بالا مضمون مقررین حضرات کی توجہ حضور نبی کریم علیہ السلام کی شخصیت کے ایک اہم پہلو خشیت الٰہی کی

طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے لکھا گیا، تاکہ عوام میں حضور ﷺ کی حیاتِ اقدس کے اس پہلو کی اتباع کا بھی جذبہ پیدا ہو، یہ مقالہ ماہنامہ جام عرفان ھری پور (ستمبر اور اکتوبر ۱۹۹۶) میں شائع ہوا، بعد میں راقم کے لکھے ہوئے ''مقالات سیرت طیبہ'' میں بھی طبع ہوا۔

(۴) محافل میلاد اور غیر مستند روایات

ربیع الاول شریف کے مہینے میں بعض خطباء حضرات علامہ ابن حجر مکی ھیتمی کی طرف منسوب اور جعلی کتاب '' النعمۃالکبری علی العالم فی مولدسیدولد آدم '' سے بعض غیر مستند روایات سنا کر اپنے سامعین سے داد و تحسین حاصل کرتے تھے، راقم الحروف نے اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی دیکھا ہے، اس میں مذکورہ روایات میرے نزدیک ناقابل فہم تھیں اور جب راقم نے علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی کی کتاب جواہرالبحار کی تیسری جلد کے صفحہ ۳۲۸ سے ۳۳۷ تک علامہ ابن حجر کے اصل رسالہ ''النعمۃا لکبری'' کی تلخیص (جس میں اسانید کو حذف کر دیا گیا ہے) کا مطالعہ کیا تو اس میں ان روایات کا نام ونشان بھی نہ ملا، جنہیں بعض خطباء حضرات بڑے جوش وخروش سے بیان کرتے ہوئے سنے گئے، تب راقم نے یہ مقالہ سپرد قلم کیا جو ماھنامہ عرفات لاہور (مئی ۱۹۸۳ء) ماہنامہ ضیائے حرم لاہور (نومبر، دسمبر ۱۹۸۹ء) ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور (اگست ستمبر ۱۹۹۱ء) میں شائع ہوا، بعد میں مقالات سیرت طیبہ کے نام سے راقم کی تصنیف میں یہ مضمون اور ''النعمۃ الکبری علی العالم'' کے صحیح نسخے کا ترجمہ ستمبر ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔

(۵) اصلاح محافل نعت

پیر طریقت حضرت مولانا قاسم حسین شاہ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے مورخہ ۲۶ / ستمبر ۲۰۰۴ بروز اتوار الحمرا ہال نمبر ایک میں ''اصلاح محافل نعت'' کے عنوان سے پروگرام کروا کر محافل نعت کی اصلاح کے سلسلے میں انتہائی اہم قدم اٹھایا، اللہ تعالیٰ کرے کہ یہ اصلاحی تحریک ثمر بار ہو اور محافل نعت کا وقار اور سوز وگداز پھر سے بحال ہو، راقم الحروف نے

مذکورہ بالا پروگرام کے لئے ''محافل نعت اور مقام الوہیت و رسالت'' کے عنوان سے مقالہ تحریر کیا جسے راقم الحروف کی علالت کے باعث عزیز القدر ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازھری نے پڑھ کر سنایا۔

(٦) بعض لوگوں کی مذہب اہل سنت سے دوری (اسباب اور محرکات)

(تحریر: مولانا محمد ضیاالرحمٰن قادری، انڈیا)

مذہب اہل سنت و جماعت صدیوں سے دنیا بھر کے گوشے گوشے میں مقبول خاص و عام ہے، عصر حاضر میں بعض شدت پسند مسالک بہت کھل کر سامنے آ رہے ہیں اور عوام الناس ان نئے نئے مسالک اور ان کی فکر کو معقول اور حق سمجھ کر قبول کر رہے ہیں، جبکہ مسلک اہل سنت و جماعت سے لاعلمی کے باعث بعض لوگ دور ہو کر منظر عام پر آنے والی نئی نئی جماعتوں کے ساتھ ملتے جا رہے ہیں، فاضل مقالہ نگار نے تلخ حقائق سے پردہ ہٹایا تا کہ اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے حضرات اپنی ذمہ داریوں کو محسوس فرما کر انہیں اچھے طریقے سے نبھائیں۔

اس طرح راقم کے پانچ مضامین کے ساتھ جناب محمد ضیاء الرحمٰن صاحب کے مضمون کو بھی شامل کر دیا گیا ہے، کیونکہ مقصد سب کا ایک ہے راقم نے اپنی تصنیف عقائد و نظریات میں نبی کریم ﷺ اور اولیائے کرام سے ان کے وصال کے بعد استغاثہ کے جائز ہونے اور شرک و کفر نہ ہونے پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں قول فیصل تحریر کیا تھا، اسے بھی اس مقدمہ میں شامل کرنے کو سود مند خیال کرتے ہوئے یہاں درج کرنا چاہتا ہوں، تا کہ نبی اکرم ﷺ اور اولیائے کرام کو مدد کے لئے پکارنے والے لوگ احسن اور اولیٰ طریقے کو اختیار کریں، قارئین کرام اس قول فیصل کو غور اور ٹھنڈے دل سے پڑھنے کے بعد امید ہے کہ راقم سے اتفاق فرمائیں گے۔

راقم نے استمداد کا مسئلہ واضح کرنے کے بعد لکھا ہے:

اس تفصیل سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ انبیاء اور اولیاء سے حصول مقاصد کی درخواست کرنا کفر و شرک نہیں ہے جیسے کہ عام طور پر مبتدعین کا رویہ ہے کہ بات بات پر شرک اور کفر کا فتوی جڑ دیتے ہیں، البتہ یہ ظاہر ہے کہ جب اصل حاجت روا مشکل کشا اور کارساز اللہ تعالی کی ذات ہے تو احسن و اولی یہی ہے کہ اسی سے مانگا جائے اور انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے، کیونکہ حقیقت حقیقت ہے اور مجاز مجاز ہے۔ یا بارگاہ انبیاء و اولیاء میں درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا کریں کہ ہماری مشکلیں آسان فرمادے، اور حاجتیں برلائے، اس طرح کسی کو غلط فہمی بھی نہیں ہوگی اور اختلافات کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہیں ہوگی (عقائد و نظریات، ص:۱۸۶)

چونکہ بات اصلاح احوال کی ہو رہی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ راقم نے مختلف اوقات میں اہل علم و دانش کے سامنے جو چند دردمندانہ تجاویز رکھی تھیں انہیں بھی یہاں ذکر کر دیا جائے، ممکن ہے کہ یہ تجاویز اصلاح کے سلسلے میں کچھ کارآمد ثابت ہوں۔ بعض تجاویز ماہنامہ اخبار اہل سنت لاہور اور بعض ماہنامہ سوئے حجاز لاہور میں طبع ہوئیں جبکہ بعض تجاویز اپیل کے عنوان سے مرکزی مجلس رضا اور پھر رضا اکیڈمی لاہور کی مطبوعات کے آخر میں شائع ہوتی رہیں۔ یہ ساری تجاویز درج ذیل ہیں:

(۱) دینی مدارس کے نظام تعلیم کو فعال بنایا جائے اور اس سلسلے میں پائی جانے والی رکاوٹوں کو دور کیا جائے۔

(۲) خانقاہوں میں رشد و ہدایت، ذکر و فکر اور اتباع شریعت کا نظام بحال کیا جائے۔

(۳) تبلیغ برائے تبلیغ دین کے جذبے کو فروغ دیا جائے۔

(۴) محلہ وار لائبریریاں قائم کی جائیں، جہاں اہل سنت کا لٹریچر برائے مطالعہ فراہم کیا جائے۔

(۵) ہر محلے میں تربیتی اجتماعات منعقد کئے جائیں، جہاں عامۃ الناس کو دینی، اعتقادی

عملی، اخلاقی اور سیاسی مسائل سے آگاہ کیا جائے۔

(۶) یہ سب امور ایک تنظیم کے ماتحت ہوں، چونکہ کوئی تنظیم فنڈز کے بغیر اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتی، اس لیے فنڈز کی فراہمی کا منصوبہ مربوط انداز میں تیار کیا جائے۔

(۷) علمائے دین کا اصل کام یہ ہے کہ دین اسلام کا پیغام آسان اور مدلل انداز میں عوام و خواص تک پہنچائیں۔ بلاشبہ موجودہ دور میں درسِ نظامی صحیح طور پر پڑھ کر فراغت حاصل کرنے والا عالم اس مقصد کو بحسن وخوبی پورا کر سکتا ہے۔

(۸) فارغ التحصیل علماء میں سے ایسے علماء منتخب کئے جائیں جو ملکی اور بین الاقوامی سطح پر تبلیغ اور تصنیف کا فریضہ سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں، انہیں جدید عربی اور انگریزی لکھنے اور بولنے کی تعلیم دی جائے۔

(۹) تقابل ادیان، تاریخ اسلام اور معلومات عامہ ایسے مضامین پڑھائے جائیں اور ان کے مستقبل کا ایک لائحہ عمل تیار کیا جائے تو اس کے بہت اچھے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

(۱۰) موجودہ عالمی حالات میں ضروری ہے کہ یا تو طلباء میں اخلاص اور للّٰھیت کا جذبہ اس طرح کوٹ کوٹ کر بھر دیا جائے کہ وہ دنیا و مافیھا سے بے نیاز ہو کر علم دین کے حاصل کرنے میں محو ہو جائیں یا پھر ان کے خوشحال مستقبل کے لئے منصوبہ بندی کی جائے تاکہ طلباء ذوق وشوق سے پڑھیں اور کھاتے پیتے گھرانوں کے لوگ بھی اپنے صحت مند بچوں کو دینی مدارس میں بھیجیں۔

(۱۱) خانقاہیں ہوں یا دینی مدارس، یہ قومی ادارے ہیں، انہیں چلانے کے لیے قابل افراد کا انتخاب کرنا چاہیے، خواہ بیٹا ہو یا مرید، اور شاگرد ہو یا دوسرا فرد، موروثی نظام کا نتیجہ ہے کہ خانقاہوں میں ذکر وفکر اور رشد وہدایت اور مدارس میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ ختم ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے، معاشرے کے بگاڑ کو دور کرنے اور نظام مصطفیٰ کی راہ ہموار کرنے کے لیے ہمیں اسلاف کا وہی خانقاہی اور تعلیمی ماحول واپس لانا پڑے گا۔

(۱۲) کسی کو پیر ماننے کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم ﷺ کا فرماں بردار اور مقرب بنادے۔ جو شخص خود شریعت مبارکہ پر عمل نہیں کرتا وہ پیر و مرشد تو کیا ہوگا؟ وہ تو صحیح مرید بھی نہیں ہے، پیر بننا تو بہت دور کی بات ہے۔

(۱۳) پیر اپنی مرید عورت کا محرم نہیں ہے، اس لئے عورت اپنے پیر کے ساتھ نہ تو تنہائی میں ملاقات کرسکتی ہے اور نہ ہی بغیر پردے کے اس کے سامنے جاسکتی ہے، البتہ ذکر و فکر اور اوراد و وظائف سیکھنے کے لئے عورت اپنے سرپرست یا شوہر کی اجازت سے صحیح العقیدہ سنی اور صاحب علم و عمل پیر کی بیعت کرے تو جائز ہے بلکہ اہم امور میں سے ہے۔

(۱۴) سب سے بڑے پیر نبی اکرم ﷺ ہیں نجات کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کے لائے ہوئے احکام کو دل و جان سے تسلیم کرے اور ان پر عمل کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

(۱۵) عورتوں کو اگر مزارات پر جانا ہی ہے تو پردے کی پابندی کے ساتھ جائیں اور موت کو یاد کریں کہ زیارت قبور کا اہم مقصد یہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نمود و نمائش کا شوق پورا کیا جائے۔

(انٹرویو ماھنامہ اخبار اہل سنت لاہور۔ شمارہ اگست ۱۹۹۷ء)

(۱۶) اہل سنت و جماعت ذاتیات کے خول سے نکل کر دین اسلام کی بالادستی کے لئے متحد ہو جائیں۔

(۱۷) میلاد شریف، گیارہویں شریف اور ایصال ثواب پر کئے جانے والے اخراجات صرف کھانے پینے پر صرف نہ کریں، بلکہ ان اخراجات کا بڑا حصہ علماء اہل سنت کے لٹریچر کی تقسیم میں صرف کریں، تبرک کے طور پر صرف مٹھائی ہی نہیں، کتابیں بھی تقسیم کی جاسکتی ہیں۔

(۱۸) اپنے مدارس اور لٹریچر فری تقسیم کرنے والی تنظیموں کی بھرپور سرپرستی کریں۔ (انٹرویو ماھنامہ سوئے حجاز لاہور شمارہ جنوری ۱۹۹۸ء)

(۱۹) فرائض و واجبات کی ادائیگی کو ہر کام پر اولیت دیجئے، اسی طرح حرام اور مکروہ کاموں اور بدعات سے اجتناب کیجئے کہ اسی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

(۲۰) فریضۂ نماز، روزہ، حج اور زکات تمام تر کوشش سے ادا کیجئے کہ کوئی ریاضت اور مجاہدہ ان فرائض کی ادائیگی کے برابر نہیں۔

(۲۱) خوش اخلاقی، حسن معاملہ اور وعدہ وفائی کو اپنا شعار بنائیے۔

(۲۲) قرض ہر صورت میں ادا کیجئے کہ شہید کے تمام گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں، لیکن قرض معاف نہیں کیا جاتا۔

(۲۳) قرآن پاک کی تلاوت کیجئے اور اس کے مطالب کو سمجھنے کے لیے کلام پاک کا بہترین ترجمہ ''کنزالایمان'' از امام احمد رضا بریلوی پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے۔

(۲۴) دین متین کی صحیح شناسائی کے لئے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت کی تصانیف کا مطالعہ کیجئے۔ جو حضرات خود نہ پڑھ سکیں وہ اپنے پڑھے لکھے بھائی سے درخواست کریں کہ وہ پڑھ کر سنائے۔

(۲۵) ہر شہر ہر محلّہ میں لائبریری قائم کیجئے اور اس میں علماء اہل سنت کا لٹریچر ذخیرہ کیجئے کہ تبلیغ کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

(۲۶) ہر شہر میں سنی لٹریچر فراہم کرنے کے لئے کتب خانہ قائم کیجئے۔ یہ تبلیغ بھی ہے اور بہترین تجارت بھی۔ (اپیل مرکزی مجلس رضا اور رضا اکیڈمی لاہور)

یہ ساری تجاویز عزیز القدر محترم محمد عبدالستار طاہر صاحب نے اپنی تصنیف محسن اہل سنت (ص ۱۰۳۔۱۰۶) میں یکجا ذکر کر دی ہیں۔

اس مقدمے کا اختتام بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کیے جانے والے سلام کے چند آداب کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں، اور امید کرتا ہوں کہ اگر احباب اہل سنت ان آداب کی طرف توجہ فرمائیں تو سلام کی کیفیات اور لطف و سرور میں اضافہ ہو جائے گا، ان شاءاللہ تعالیٰ۔

راقم نے سلام رضا پر ۱۹۸۴ء میں مقدمہ لکھتے ہوئے تحریر کیا تھا:

''محبوب رب العلمین ﷺ کی بارگاہ میں صلاۃ و سلام پیش کرتے وقت چند امور

پیش نظر رہنے چاہیں:

(۱) انتہائی خلوص و محبت اور ادب و احترام سے باوضو سلام عرض کیا جائے، عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس میں بھی یہی اہتمام ہونا چاہیے۔

(۲) سلام عرض کرتے وقت آواز حدِ اعتدال سے زیادہ بلند نہ ہو، حبیب خدا ﷺ خداداد قوت سے خود بھی اہل محبت کا درود و سلام سنتے ہیں اور فرشتے بھی ہم غلاموں کا ہدیہ صلاۃ و سلام بارگاہ ناز میں پیش کرتے ہیں، اس لئے شعوری طور پر کوشش کی جائے کہ آواز چلانے کی حد تک بلند نہ ہو، بعض لوگ بلند آواز سے صلاۃ و سلام پیش کرنے کو ہی پسند نہیں کرتے اور بطور دلیل آیت مبارکہ: لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اپنی آواز نبی اکرم ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو، ظاہر ہے کہ یہ حکم ان حضرات کے لیے ہے، جن سے آپ گفتگو فرما رہے ہوں یہ نعمت عظیمہ ہم خفتہ بختوں کو کہاں میسر ہے؟

(۳) تلفظ صحیح ہونا چاہیے اور بہتر ہوگا کہ نعت خوان کسی صاحب علم کو سنا کر اطمینان کر لیا کریں۔

(۴) اشعار کی ترتیب ملحوظ رکھی جائے۔ پہلے بارگاہ رسالت میں سلام عرض کیا جائے، پھر اہل بیت، صحابہ کرام، اور اولیاء کی بارگاہ میں عرض کیا جائے ایسا نہ ہو کہ اول، آخر اور درمیان جہاں سے کوئی شعر یاد آیا پڑھ دیا۔

(۵) معراج شریف، میلاد پاک، اھل بیت اور صحابہ کرام کے ایام ہوں یا گیارہوں شریف کی محفل، دیگر اشعار کے علاوہ موقع کے مناسب اشعار بھی پڑھے جائیں۔

(۶) عربی میں لفظ "صلاۃ" درود شریف کے معنی میں آتا ہے، سلام پڑھتے وقت ایسے اشعار بھی پڑھے جائیں جن میں درود کا ذکر آتا ہے تاکہ صَلُّوا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوا کی تعمیل میں درود و سلام دونوں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو جائے، مثلاً:

عرش کی زیب و زینت پہ عرشی درود
فرش کی طیب و نزہت پہ لاکھوں سلام

(۷) حدیث شریف میں امام کے لئے ہدایت ہے کہ بیمار اور صاحب حاجت کا خیال رکھا جائے اور مقدار مسنون سے زیادہ طویل قراءت نہ کی جائے، یہی ہدایت سلام میں بھی ملحوظ رہنی چاہیے اور زیادہ اشعار نہ پڑھے جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ اہل محبت ذوق وشوق سے شرکت کر سکیں، نیز گردلگا لگا کر دیگر اشعار پڑھنے سے بھی گریز کیا جائے۔

(۸) یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ عموماً شروع تو ''سلام رضا'' کیا جاتا ہے، لیکن درمیان میں خود ساختہ اشعار پڑھنے شروع کر دئے جاتے ہیں، جو شعری معیار پر بھی پورے نہیں اترتے مثلاً:

وہ ہمارے نبی ہم ان کے امتی
امتی تیری قسمت پہ لاکھوں سلام

اس کی بجائے امام رضا کا یہ شعر پڑھیں:

ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

آخر میں قارئین کرام سے ایک بات یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اس طویل مقدمے اور چھ مضامین کے مجموعے سے فقط اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور اصلاح احوال مقصود ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اسے امت کے لئے سودمند اور نفع مند بنائے۔ آمین

محمد عبدالحکیم شرف قادری

علامہ شرف قادری

کی ہندوستان میں چھپنے والی،
تصانیف کے پہلے پہلے صفحے کا عکس،
آخر میں دو کتابوں کے سندھی ترجمہ اور
ایک رسالے کے پشتو ترجمہ کے ٹائیٹل کا عکس
بھی، آیندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مِن عقائد

اَهلِ السُّنَّة

تالیف

الاستاذ محمد عبد الحکیم شرف القادری

قد طبع ببرکة شیخنا المفتی الاعظم مصطفی رضا الحنفی القادری

بن شیخ الاسلام احمد رضا الحنفی القادری رحمهما الله تعالی

اهتم بطبع الکتاب

رضا اکادیمی

٢٦ شارع کامبیکر بومبای ٣ الهند

تلفون ٣٧٧٣٧٦٨١

مَن صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللهُ عَلَیهِ عَشْرًا (رواہ مسلم)

مطالع المسرات

شرح

دلائل الخیرات

امام علامہ محمد مہدی فاسی قدس سرہ

مترجم

شرف اہلسنت شیخ الحدیث علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

ناشر

المجمع المصباحی مبارکپور

تذکرہ

اکابر اہلِ سنت

پاکستان

محمد عبد الحکیم شرف قادری

ناشر

اقبال حسن بک سیلرز ۲۲ نی سڑک کانپور

اندھیرے سے اُجالے تک

آئینہ حیات امام احمد رضا بریلوی اور ان سے متعلق افتراپردازیوں کا تحقیقی جائزہ

محمد عبد الحکیم شرف قادری

بزمِ فیضان رضا

دارالعلوم محبوب سبحانی نیو مل روڈ باندرہ کرلا بمبئی

اسلامی عقائد

دو مفکر کے محقق عالم علامہ سید محمد علوی مالکی اور شیخ عبد اللہ ابن منیع نجدی کے درمیان زیر بحث آنے والے بعض اہم اسلامی عقائد و معمولات پر محققانہ تبصرہ اور عالم اسلام کی غالب اکثریت کی ترجمانی

تصنیف : علامہ سید یوسف سید ہاشم رفاعی

ترجمہ : محمد عبد الحکیم شرف قادری

ناشر :

فاروقیہ بک ڈپو

متی والی گلی محلہ دیپا سرائے سنبھل

پن کوڈ (۲۴۴۳۰۲)

اہل بیت کرام اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل و مناقب پر مستند اور نہایت اچھی کتاب

برکات آل رسول

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم

تصنیف امام علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

سابق وزیر عدالت بیروت

ترجمہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

باہتمام : قاضی رضاء الرحمن برکاتی

رضا اسلامک مشن

نزد نو محلہ مسجد بریلی شریف

وسیلے کی شرعی حیثیت

مصنف لطیف

علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ناشر

رضوی کتاب گھر

تیں نگر بھیونڈی

مسئلہ شفاعت کی معرکۃ الآراء تحقیق

تحقیق الفتویٰ

فی ابطال الطغویٰ

امام حکمت و کلام علامہ محمد فضل حق خیرآبادی قدس سرہٗ

وفات ۱۲۷۸ھ جزیرہ انڈمان

ترجمہ و تحقیق : علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری مدظلہٗ

ادارۂ اشاعت :- المجمع الاسلامی مبارکپور

ملنے کا پتہ

المجمع الاسلامی فیض العلوم محمد آباد گوہنہ اعظم گڑھ یوپی ۔۔۔۔

حیاتِ جاودانی

از

محمد عبد الحکیم شرف قادری نقشبندی

ناشر

افکارِ حق اکیڈمی

بائسی بازار ۸۵۴۳۱۵ پورنیہ بہار (الہند)

سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۲

ندائے یا رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے موضوع پر دو رسالے

(۱)

انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ

۱۳۰۵

از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ

(۲)

الاستعانۃ والتوسل

از مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

شائع کردہ

مجلس اشاعت جامعہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ مئو

تحصیل التعرف فی معرفة الفقه والتصوف (عربی)

تعارف فقہ و تصوف

(اردو ترجمہ)

تصنیف

مجدد برکۃ المصطفےٰ فی الھند شیخ محقق

شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالےٰ

ترجمہ علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

اعتقاد پبلشنگ ہاؤس (رجسٹرڈ)

غیر مقلدین کی انگریز نوازی

تاریخ کے آئینے میں

از: علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

باہتمام

[illegible]

ناشر

نبوی کتاب گھر ... نعیم نگر

مقالات رضویہ

تصنیف

علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور

ترتیب

محمد عبد الستار طاہر

المجمع المصباحی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یو پی)

۷۸۶
۹۲

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

ترجمان قرآن

امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ

مصنف

حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی حیات و خدمات کا مختصر تذکرہ اور ان کے ممتاز و منفرد ترجمہ قرآن کا دلنشیں تعارف

ناشر

رضا اسلامک مشن

ڈی ۷ ۱۴/۳۱ مدنپورہ، وارانسی ۲۲۱۰۰۱

نامِ حق

تصنیف علامہ شرف الدین بخاری

تحشیہ محمد عبد الحکیم شرف قادری

فاروقیہ بک ڈپو

منی والی گلی محلہ دیپا سرائے سنبھل

پن کوڈ (۲۴۴۳۰۲)

کتاب وجیز جامع في مبادئ المنطق

المرقاة

للعلامة محمد فضل امام الخير آبادي قدس سره
۱۲۴٤هـ — ۱۸۲۹م

مع حاشيتها الفائقة

المرضاة

للشيخ محمد عبد الحكيم شرف القادري حفظه الله تعالى
شيخ الحديث بالجامعة النظامية الرضوية لاهور

قام بالطبع والنشر

مجلس البركات

الجامعة الأشرفية، مبارك فور، أعظم جره، الهند

رمز البريد ۲۷٦٤٠٤

پیکر نور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پشتو میں ترجمہ

دَ نُور پیکر

منظوم

ترجمہ از

محمد عبدالحکیم شرف قادری

ترجمہ

آفتاب احمد رضوی

رضا اکیڈمی لاہور

پاکستان

مع اردو حواشی

نحو میر

تصنیف

حضرت میر سید شریف علی بن محمد جرجانی

قدس سرہ العزیز

[illegible]

حاشیہ

حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

تصحیح مولانا حافظ عبدالستار سعیدی

ناشر

مجلس البرکات

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ

[illegible]

مکتبۃ الحبیب جامعہ حبیبیہ ۱۳۲ الہ آباد

دعوت عمل جي سلسلي جو سنڌي زبان ۾ ستون ڪتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الا ان اولیآء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

(القرآن یونس ۶۲)

[illegible]

کشف النور عن اصحاب القبور

سنڌي زبان ۾

[illegible]

[illegible]

ڇپائي جو سال آڪٽوبر ۱۹۹۶ع طبع ٻي

کشف النور کے اردو ترجمے کا سندھی ترجمہ

حاشیہ نحو میر کا سندھی زبان میں ترجمہ

النحو فی الکلام کالملح فی الطعام

مهراڻ منير شرح نحومير

مصنف : مير سيد شريف جرجاني

اردو شرح : علامہ عبدالحکیم شرف قادري جامعہ نظاميہ لاھور

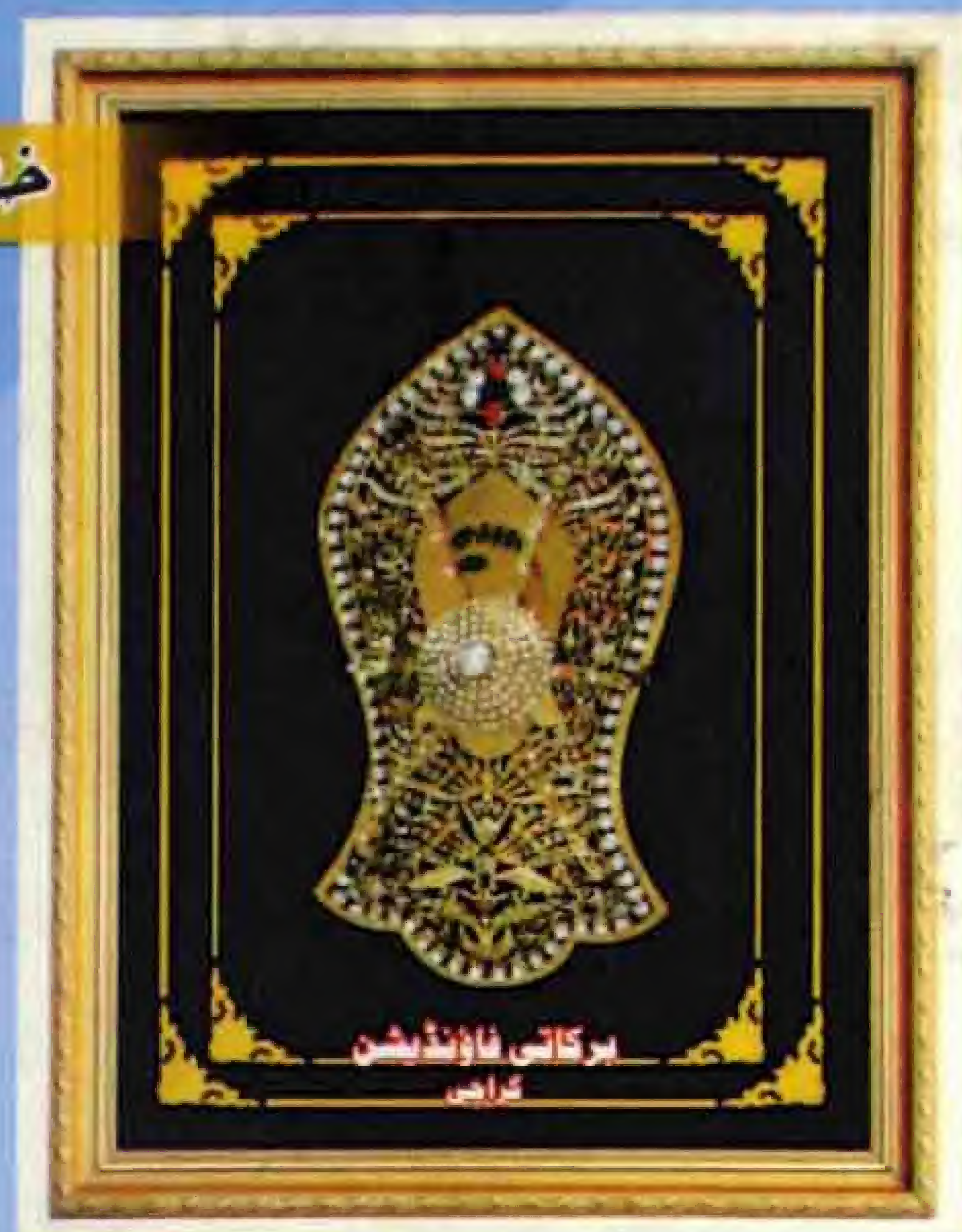
سنڌيڪار : حافظ عبدالرزاق مهراڻ سڪندري

ناشر

مڪتبہ حزب الاحناف

[illegible]

خصوصی ایوارڈ



شیخ الحدیث علامہ
محمد عبدالحکیم شرف قادری کو دیے جانے والے
گولڈ میڈلز و ایوارڈ



جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور
2006ء



برکاتی فاؤنڈیشن
کراچی



ادارہ تحقیقات
امام احمد رضا
کراچی
1991ء



صفہ فاؤنڈیشن لاہور
(ایک لاکھ روپے کا چیک)
2005ء